

کیلو میٹر	۸	مبجید - بئر الراحہ
"	۲۸	بئر الراحہ - قریش
"	۴۰	قریش - بیار علی
"	"	بیار علی - المدینہ
<hr/>		
میزان ۲۰ کیلو میٹر یا تقریباً ۲۶۲ میل		

— ﴿ ۰ ۰ ۰ ﴾ —

# ضمیمہ (۳)

## منازل سفر از جدہ تا مدینہ

جدہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان موٹر جن جن منزلوں پر ٹھہرتا ہے، ان میں سے چند کا ذکر سفر نامہ میں ضمناً آگیا ہے، بعض کے ناموں میں کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں، ذیل میں کل منزلوں کے صحیح نام مع ان کے درمیانی مسافتوں کے درج ہیں، یہ فاصلہ بحساب کیلومیٹر میں، ایک کیلومیٹر تقریباً ۵ فرلانگ کا ہوتا ہے :-

جدہ - ذہبان	۵۳ - کیلومیٹر
ذہبان - تول	۴۳ "
تول - القضیمہ	۸ "
القضیمہ - رابغ	۵۵ "
رابغ - مستورہ	۴۱ "
مستورہ - بیاربن حصانی	۶۸ "
بیاربن حصانی - شقیہ	۳۵ "
شقیہ - مسجد	۳۳ "

گرائیان میں اسی وقت ہوتی ہیں، جب هجوم کا شباب ہوتا ہے،  
 (۱۳) معلم سے سابقہ پڑنا ناگزیر ہے، حتی الامکان معلم کو خوش رکھنا چاہیے، لیکن  
 اس پر بہت زیادہ اعتماد ہرگز نہ کرنا چاہیے، مسائلِ حج سے غیر عربی زبان سے جنسی  
 زیادہ واقفیت ہوگی، اسی نسبت سے معلم کی محتاجی سے بے نیازی رہیگی، مسائلِ حج  
 و زیارت کی بہترین و جامع ترین رہنما اردو میں، مولانا مسعود الدین صاحب ہوگی  
 کی ضخیم و مفصل کتاب ارکح والزیارت ہے، ضروری مسائل کے لئے مولانا شید احمد  
 گنگوہی قدس اللہ سرہ کی مختصر اور جلیبی زبدۃ الناسک بالکل کافی ہے عربی میں  
 بیسیون کتابیں ہیں،



پاخانے اور چار چار غسل خانے مع پانی کے نل اور بجلی کی روشنی کے موجود اور دو بڑے باورچی خانے ۱۲ مین والد ماجد مرحوم جب حج کے لئے جا رہے تھے ان کے ہمراہ اس مسافر خانہ میں کئی دن قیام کا اتفاق ہوا تھا، اب کی پھر گھوم پھر کر دیکھا، واروغہ مسافر خانہ مولوی حضرت اللہ صاحب، امثالہ اللہ ایک پیکر اور ان کے نائب منشی عبدالستار صاحب، سراپا خدمت و ایشیا

(۱۰) حاجیوں کے لئے ہمازی کمپنیاں تین ہیں، ان تینوں میں سب سے بڑی مغل لائن ہے، جو عملاً اب ٹرزماریں کمپنی کے ہاتھ میں ہے، یورپ کے جانوروں کے ہمازیوں کے آرام و آرائش کا تو خیال ہی حاجیوں کو چھوڑ دینا چاہئے، بہ حالت موجودہ ٹرزماریں کے انتظامات سب سے بہتر ہیں اور انھیں کو غنیمت سمجھنا چاہئے اس کے ہمازیوں اور رضوانی حال کے بنے ہوئے اور نسبتاً سب سے زیادہ آرام ہیں، ان سے اتر کر اکبر اور جہانگیر ہیں،

(۱۱) مسافر زیادہ تر تکلیف، خود اپنی جلد بازی، گھبراہٹ اور بے صبری سے اٹھاتے ہیں، اگر ہمازی سے اترتے وقت، یا چڑھتے وقت ذرا صبر و سکون سے کام لیا جائے، اور اس کی کوشش نہ کی جائے، کہ خواہ مخواہ دھکے کھاتے ہوئے، اور ہجوم کو چیرتے پھاڑتے ہوئے بہتر سے بہتر جگہ پر قبضہ ہو جائے، تو بالآخر جگہ سب کو مل ہی جاتی ہے، کوئی رہ نہیں جاتا، ضرورت صرف حقوڑے سے صبر و تحمل کی (۱۲) اگر کفایت، آسائش اور ہجوم کی کشمکش سے بچنا نہ نظر ہے، تو لازمی ہے

کہ سفر عین موسم حج میں نہیں بلکہ اس سے کچھ قبل اختیار کیا جائے، اور واپسی فوراً نہیں بلکہ کچھ ٹھہر کر ہو، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ اس کمین زیادہ دقتیں اور



آسانی سے ہر شخص کو رفیق و شریک ہرگز نہ بنالینا چاہئے، بڑی بڑی پرانی دوستیاں اور عزیز داریاں اس سفر میں ٹوٹے دیکھیں بھی اور سنیں بھی، محض خلوص اور دوستی کے بھروسہ پر ہرگز کام نہ چلیگا، انقیاد و بے نفسی کو رفاقت و شرکت سفر کا لازمی معیار رکھنا چاہئے، کھانے پینے کے انتظام میں جتنی علیحدگی رہ سکے بہتر ہے،

(۸) حجاز میں گنیاں بہت کلام آتی ہیں، اس لئے بیٹی سے بجائے نوٹ اور روپیوں کے گنیاں ضرور ہمراہ لے لینی چاہئے، اونٹ کا کر ا یہ معلم صاحب کے طالبات، موزک کار، ان سب مواقع پر گئی ہی کام آئیں گی، البتہ ہماز کے مصارف کے لئے روپیہ یا نوٹ بھی کچھ ضرور رکھ لینے چاہئے، اٹھنی، چونی، اکنی وغیرہ ریزگاری کی بھی ایک مقدار نقد اور وقت موجود رہنی چاہئے، حجاز میں چاندی کی ریزگادی آسانی سے چل جاتی ہے، نکل کے سکون میں وقت ہوتی ہے،

(۹) بیٹی میں حاجی، عموماً مسافر خانوں میں ٹھہرتے ہیں، تین مسافر خانے مشہور ہیں، ایک مسافر خانہ سیٹھ اسماعیل صیب کا بھنڈی بازار میں ہے، بھنڈی بازار بڑا بازار ہے، جہاں تمام چیزیں بہ آسانی مل جاتی ہیں، یہ مسافر خانہ عام ہو حاجی اور غیر حاجی سب اس میں ٹھہر سکتے ہیں، حاجیوں کے لئے مخصوص ایک مسافر خانہ ڈاری بندر میں ساحل سمندر کے قریب، سیٹھ قوسیلماں کا ہے اور دوسرا مسافر خانہ حاجی حاجی صابو صدیق مرحوم کا کرماک روڈ پر بڑے اسٹیشن کے قریب، اور کرافٹ مارکٹ سے بالکل متصل ہے، مارکٹ میں دینا بھر کی چیزیں مل جاتی ہیں، عظیم الشان چو منری عمارت، اہل مکہ رہتے ہیں، ہر مکہ وسیع و ہوا دار، ۱۰، ۱۰، مسافروں کے قیام کی گنجائش، سب سے اوپر کا صحن ایک خوش منظر تفریح گاہ، ہر منزل میں اٹھو آٹھ

اور کراچی سے لیکر عارن تک اور پھر مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیانی راستہ کی تمام منزلوں کے لئے ہمت قبلہ کے درجے اور دقیقے درج کر دیئے ہیں، ہر سالہ مذکور حسب ذیل مقامات سے غالباً بلا قیمت مل جائے۔

(۱) مولوی محمد عبداللہ صاحب احقر، مکان نمبر ۲ کوچہ عین الملک، پرانا باغ، ڈاکخانہ روڈ، لے پیٹ، مدراس،

(۲) پنجر صاحب مظفری ٹپنی، مینار والی مسجد، بمبئی،

(۳) ہر شخص کی آسائش اور ضرورتوں کا معیار دوسروں سے جدا ہوتا ہے، اس لئے کوئی ایک تخمینہ و مہارت سب کے لئے نہیں بتایا جاسکتا، تاہم عموماً اوّل یہ کہنا غالباً غلط نہ ہو کہ ہجاز میں تیسرے درجہ کے ٹکٹ لینے والے اور حجاز میں اونٹ پر سفر کرنے والے، چھ سو روپیہ، اور ہجاز میں اونٹ پر سفر کرنے والے، اور حجاز میں موٹر پر سفر کرنے والے، ایک ہزار روپیہ فی کس کے حساب سے اپنے ہمراہ رکھیں، تو بہتر ہوگا، ہم لوگوں کا اوسط خرچ اس تخمینہ سے بہت کم پڑا، لیکن ہم لوگوں کو خدا کے فضل سے بعض غیر معمولی سہولتیں حاصل ہو گئی تھیں، ہر شخص کو یہ کفایتیں نہیں حاصل ہو سکتیں، بہت سے مصارف ناواقفیت کی بنا پر پڑ جاتے ہیں، اگر انسان پہلے چکر آیا ہو، یا حجاز میں اس کے شناسا موجود ہیں، تو کافی کفایت ہو سکتی ہے، کئی شخص مل کر الگ سفر کریں، تو بھی کافی بچت ہو جاتی ہے۔

(۴) ہمسفری کی برکتیں ظاہر و واضح ہیں، اور اگر کوئی واقعہ کار و تجربہ کا شخص بطور رفیق سفر مل جائے، تو مصارف میں بھی کمی رہتی ہے، اور صعوبات سفر سے بھی ایک حد تک نجات ہو جاتی ہے، تاہم اس سفر کی رفاقت ہے بڑی نازک و خطرناک۔

یا خاطر سے اُس کے رفیق سفر نیکر آجاتے ہیں، انھیں کو سب زیادہ بھلیف محسوس کرتے اور  
ایات بات پر پریشان ہوتے دیکھا، اللہ اس ابتلا سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے،

(۳) حجاز میں اب تقریباً سب ہی چیزیں ملنے لگی ہیں، اس لئے گھر سے زاد و سامان  
لانے کی ہرگز ضرورت نہیں، بار برداری وغیرہ کے مصارف اتنے بڑجاتے ہیں کہ کفایت  
کا پہلو بھی نہیں نکلتا، ضروری سامان میٹھی میں خرید لیا جائے ہمارا اگر علاء ہواز سے دم  
پیدا کر لیا جائے، تو بہت سی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں، مگر میں سب کچھ مل جاتا ہوں اور  
مدینہ میں بھی ضرورت بھر کی چیزیں، پہلے لوگ گھمی کے پیسے ساتھ لیکر چلتے تھے، اب  
حجاز میں بہتر سے بہتر گھمی ملنے لگا ہوں، البتہ اگر کھانے کی خشک چیزیں، جو عرصہ تک  
اچھی رہ سکتی ہوں، گھر سے ہمراہ لے لی جائیں، تو بہتر ہے، کھانا نہ ملنے کی صورت میں  
وقت بے وقت بہت کام دین گی،

(۴) بخارا، قبض، بخش وغیرہ کی چند دوائیں، جو اپنے تجربہ میں آچکی ہوں، ہمراہ  
ہمراہ رکھ لینا چاہئے، میرٹھ کے مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب (دار الشفاء و عطف) نے  
میرٹھ سے شفاء الحجاج کے نام سے ایک چھوٹا سا کبس ایسی ہی خوب دکار آمد دوائیں  
کاتیا رکھا ہے، چند روپیوں میں آجاتا ہوں،

(۵) حاجیوں کو ہواز کے اوپر نماز یا جماعت میں جو وقتیں پیش آتی رہتی ہیں  
وہ تو اپنی جگہ پر ہیں ہی، ان کے علاوہ ایک بڑی دشواری سمت قبلہ سے تعلق  
میش آتی رہتی ہے، قطب نما کا ساتھ رکھنا ضروری ہے، لیکن محض قطب نما سے بھی کام  
نہیں چل سکتا، مدراس کے ایک صاحب نے (خدا انھیں جزا سے خیرے) ایک  
مستقل ”رسالہ دریافت سمت قبلہ کے نام سے مرتب کر کے شائع کر دیا ہے، حسین میٹھی

## ضمیمہ (۲)

### عام ہدایات

(۱) سفر خواہ چنڈ ہی میل کا ہو، بہر حال سفر ہوتا ہے، پھر حج کا سفر تو ہزاروں میل کا سفر ہے، ریل، جہاز، اونٹ چھوڑ سب ہی سواریوں سے سابقہ پڑتا ہی ملک کی جنیت زبان کی ناواقفیت، آب و ہوا کا اختلاف، ہجوم کی چھپش، اس کے علاوہ ہین، تھوڑی بہت تکلیف پیش آنی ناگزیر ہے، لیکن یہ تکلیف ہرگز ایسی نہیں ہوتی کہ کسی معنی میں بھی ناقابل برداشت کمی جاسکے، خیالی تکلیفوں اور اندیشوں کا بیشتر حصہ بالکل باطل ثابت ہوتا ہے، اور اسے اس سفر مبارک کی کرامت سمجھنے یا جو کچھ کہ اکثر دو تین عین وقت پر ایک بالکل غیر متوقع طور پر حل ہو جاتی ہیں جن صاحبوں پر حج فرض ہے، وہ صوابات سفر کے اندیشہ سے ہرگز اپنی ہمت کو لپیٹ نہ ہونے دیں،

(۲) بڑی چیز، جذبہ شوق و ولولہ عقیدت ہے، جو لوگ اپنے ولی شوق سے اور حج کی اہمیت کو سمجھ کر آتے ہیں، انہیں کوئی دقت، دقت محسوس ہی نہیں ہوتی، سارا سفر سنسی خوشی، صبر ہی کے ساتھ نہیں، شکر کے ساتھ گزار دیتے ہیں، بخلاف اس کے، جن کے دل اس سفر کی اہمیت سے خالی ہیں، اور وہ محض کسی کے اصرار

سخت اور ناقابل برداشت ٹھیس لگتی ہو، یہ قصود نہیں کہ ان پر از سر نو قبے تعمیر ہوں  
 لیکن ان کو غلامت اور گندگی سے صاف رکھنا، اور ہر قسم کی توہین اور بے ادبیوں  
 سے بچانا بہر حال لازمی ہے۔ قبرین بالکل پست اور خام سہی، لیکن یہ تو نہ ہوا کہ صیبا  
 کرام و ازواجِ مطہرات اولیاء و صالحین کی قبور پر معاوضہ، مزملہ کا دھوکا  
 ہونے لگے!

(۲۰) مکہ مدینہ اور جدہ، تینوں مقامات پر کرایہ کی سواریوں کا انتظام فوری  
 توجہ کا محتاج ہے، موسم حج میں شرح کرایہ کی گرامی کا مضائقہ نہیں، لیکن اس کے  
 بعد سواری تو خاصی آسائش و آرام کی ملنی چاہئے، یہ تو نہ ہو کہ راکب کو خود کب  
 بنگر رہنا پڑے!



لین دین کرنا، تکلیف دہ ہوتا ہے۔ سالوں اور مرتبہ دونوں دونوں کی یہ سرکشتی  
 ہر مسجد کے ادب و احترام کے منافی ہیں، چہ جائیکہ مسجد نبویؐ کے! خدا معلوم حکام  
 اب تک کیوں اس باب میں رواداری و تشیم پوشی سے کام لے رہی ہیں؟  
 (۱۶) مسجد نبویؐ کے پانچ دروازوں میں سے ایک دروازہ، باب النساء کے نام  
 سے موسوم، عورتوں کے لئے مخصوص کہا جاتا ہے، لیکن عموماً اس دروازہ پر بھی  
 مردوں کا برابر قبضہ رہتا ہے، اگر مردوں کی آمد و رفت اس دروازہ سے قطعاً  
 دی جائے، تو عورتوں اور خصوصاً ہندوستان کی کمزور اور شریلی عورتوں کو بڑی  
 راحت و سہولت ہو جائے،

(۱۷) ارکانِ حج کے ادا کرنے میں، ہر اسلامی فرقہ اپنے اپنے طریق پر آزاد ہے  
 اور یہی ہونا چاہئے تھا، لیکن ضرورت یہ ہے اس رواداری و فراخ شربی کو نیا  
 مدینہ منورہ کے باب میں بھی وسیع کیا جائے، اور آدابِ زیارت میں بھی ہر فرقہ کو اپنی  
 طریق پر آزاد چھوڑ دیا جائے، تاوقتیکہ اُس کی آزادی، دوسرے فرقوں کی دلائلِ  
 کا سبب نہ بن جائے،

(۱۸) مسجد نبویؐ میں، اور مقصورہ شریفہ سے متعلق جو سپاہی اور پہرہ دار مقرر  
 رہتے ہیں ضرورت ہے کہ وہ خاص طور پر خوش خلق، متحمل، اور شیریں زبان ہوں،  
 خلقِ محمدؐ کی کافونہ ہوں، اور سب و شتم، بد زبانی، و درشت کلامی کو کسی حال میں بھی  
 کام میں نہ لائیں،

(۱۹) جنت البقیع اور جنت البقیع دونوں مسلمانانِ عالم کے محترم ترین اور تکریم  
 ترین قبرستان ہیں، ان کی موجودہ حالت دیکھ کر، مسلمانانِ عالم کے جذبات کو

زیادہ رنج و ہوتا ہے، جنھوں قبل سے روضہ شریفہ کا ایک بڑا حصہ (یعنی منبر نبویؐ اور  
محراب نبویؐ کا درمیانی حصہ) والی اور ان کے رختار کے لئے خالی کر لیا جاتا ہے اور  
حکومت کے سپاہی، نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کو پھر اٹھا دیتے ہیں  
جب یہ سب ہو لیتا ہے تو عین نماز کے وقت والی مدینہ مسلح سپاہیوں اور بندہ فوجیوں  
کے غول کے ساتھ مسجد میں آتا ہے، سلطان، بدعات کے دشمن ہیں، پھر خدا معلوم یہ سب  
نیا وہ کھلی ہوئی بدعت اب تک کیونکر روادار کھی گئی ہے؟

(۱۲) مسجد نبویؐ کے موجودہ قائلین، بوسیدہ وادی، اور موجودہ روشنی ناکافی  
اور بار بار کچھ جانے والی، ہرگز اس مسجد کے شایان شان نہیں، اعلیٰ و بہتر فرش اور  
بہتر روشنی کی فوری ضرورت ہے،

(۱۳) مسجد نبویؐ کے موجودہ وضو خانوں کے نل ایک تو تعداد میں بہت کم ہیں  
اور پھر جتنے ہیں، وہ بھی ناقص و از کار رفتہ، بعض اوقات نمازیوں کو وضو کے لئے سخت  
وقتوں کا سامنا ہوتا ہے،

(۱۴) مسجد نبویؐ کے اندر ستونوں کے پاس، یا صفوں کے درمیان، گندے،  
بدبودار اور نجاست آمیز جو تون کو لا کر ڈھیر کر دینے کا نظارہ سخت تکلیف دہ ہے، ان تونوں  
کی قطعی ممانعت ہو جانا چاہئے،

(۱۵) مسجد نبویؐ کے اندر سالنوں پر کوئی روک ٹوک نہیں، عین حالت نماز،  
تلاوت، ذکر و دعائیں ان کے ہاتھوں، خصوصاً ان کے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں  
جو اذیت قلب اٹھانی پڑتی ہے، اس کا اندازہ تجربہ کے بعد ہی ممکن ہے، اور اس  
بھی بڑھکر مزورین کا شور و خشب، اور عین مقصورہ شریفہ کے پہلو میں یہ آواز

ہے، بجائے اس کے کہ ایک جگہ بہت سی دوکانیں لگا دی جائیں، جن کے وجود کی ضرورت بھی دور افتادہ حاجیوں کو نہیں ہونے پاتی، بہتر یہ ہوگا کہ ہر ہر کیپ کے لئے الگ الگ بازار، اس کیپ کے مذاق کی مناسبت سے قائم کرایا جائے،

(۸) انتظامات حج کے لئے کوئی کمیٹی اس وقت بھی حکومت کے ماتحت یقیناً موجود ہوگی، اس کمیٹی کے حلقہ خدمت کو وسیع تر اور اس کی خدمات کو مفید تر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس حج کمیٹی میں ہر سال، باہر سے آنیوالے حاجیوں کے بھی کچھ نمائندے شریک کئے جائیں جو اپنے اپنے ملک کے حاجیوں کی ضروریات کا حتی الامکان پورا انتظام کر سکیں،

(۹) شفا خانوں اور متعدد شفا خانوں کے عارضی قیام کی ضرورت مبنیٰ عرفات، مزدلفہ اور ان کے علاوہ مکہ و مدینہ و جدہ کی درمیانی منزلوں میں ہے، اس کی بھی شدید ضرورت ہے، کہ یہ شفا خانے اپنی جگہ اور اپنے رنگ و غیرہ کے لحاظ سے بہت نمایاں ہوں تاکہ ہر شخص بلا دشواری اور بہ آسانی ان تک پہنچ سکے،

(۱۰) طواف و داخلہ حرم شریف کے سلسلہ میں، سلطان معظم کو خود اپنے طرز عمل پر بھی غور و نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا اسوہ ان کے سامنے ہے، وہ حضرات جب حرم شریف کے اندر داخل ہوتے تھے اور طواف کرتے تھے، تو نہ ان کے ہمراہ مسلح غلاموں یا سپاہیوں کا غول ہوتا تھا نہ ان کے لئے مطاف خالی کرایا جاتا تھا، نہ اور کسی حیثیت سے وہ اپنے کو عام حاجیوں سے ممتاز رکھتے تھے،

(۱۱) مدینہ منورہ کے والی کا طرز عمل جمہور کے دل، مسجد نبویؐ میں اور بھی



پوسٹروں کی صورت میں ہوں، موجودہ، مکہ، مدینہ منی وغیرہ نیز راستہ کی منزلوں میں نمایاں مقامات پر چپا کر دیئے جائیں،

(۴) منی میں ایک یا ڈیڑھ میٹرک کا ہونا (جیسا اس وقت ہر ستر ستر ناکافی ہے) اور حاجیوں کو خصوصاً واپسی کے وقت بڑی ہی شدید زحمت اور کٹکٹش کا سامنا کرنا ہوتا ہے، تین یا چار راستوں کا ہونا ضروری ہے، کم از کم دو راستوں کا فردنی تنظیم ہونا تو از بس ضروری ہے، اس وقت تو حالت یہ ہے کہ اونٹ، خیر، گھوڑے، موٹر پریل اور آنے والوں اور جانے والوں سب کے لئے کل ایک ہی راستہ ہے، ہجوم کے وقت وہ منفی منفی کا عالم ہوتا ہے، کہ میدان حشر کا نقشہ نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے،

(۵) عرفات اور مزدلفہ میں مختلف مالک کے کاظم سے الگ الگ کیپ قائم ہو چاہئیں، مثلاً ہندی کیپ، مصری کیپ، جاوی کیپ وغیرہ، و قس علی ہذا، ان مختلف محلوں کے لئے الگ الگ عارضی سڑکیں بھی ہونی چاہئیں، شارع ہندیہ، شارع مصریہ وغیرہ تاکہ بٹھکے ہوئے حاجی باسانی اپنے اپنے کیپ تک پہنچ سکیں، ہر ستر معلّم کیلئے کوئی خاص نمایاں علامت یا نمبر ہونا چاہئے، پھر اس کے ماتحت ہر ستر خیمہ کا نمبر ہونا چاہئے، اس وقت خیموں کے جھگل میں جھڑے ہوئے حاجیوں پر جو مصیبت گذرتی ہے اس کا حال کوئی انہیں کے دل سے پوچھے،

(۶) بٹھکے ہوؤں کی رہنمائی کے لئے عرفات اور مزدلفہ میں حکومت کی جو کمان بھی جایا، اور نمایاں مقامات پر قائم ہونی چاہئے، ان میں ایسے افسر رکھے جائیں جو مختلف زبانیں جانتے ہوں، اور حقیقت، علم، و ہمدردی میں ممتاز ہوں،

(۷) عرفات و مزدلفہ میں دو کانون کا موجودہ انتظام بھی اصلاح کا محتاج

(۲) اب حاجیوں کو سب سے زیادہ بکلیت معلوم ان کے ہاتھ سے پہونچتی ہے حاجی شعونا  
غریب و نادان و احمق عابی، علم کے ہاتھ میں ایک بے جان آلہ کی طرح ہوتا ہے، علم ان کے  
جو نظام چاہے کرے جس طرح چاہے اسے لوستے اور یاد و دادرسی کا کوئی کھلا ہوا  
راستہ اس کے علم میں نہیں ہوتا، حکومت اگر حرم شریف کے مختلف دروازوں پر نیز  
عرفات اور منی میں مختلف نمایاں و مشہور مقامات میں اپنے عمال کو مستعین کر دیا کرے  
جنہیں معلوم انیز شو فردن کی شکایات سننے کے اختیارات ہوں اور ان عارضی  
عدالتوں کو خوب اچھی طرح شہر بھی کر دیا کرے، (یہ آخری شرط بہت ضروری  
ہے) تو حاجیوں کو ایک بڑی حد تک، شدید تکلیفوں سے نجات مل سکتی ہے،

(۳) حاجیوں کی بہت سی تکلیفوں کی جڑ ان کی نادانیت و اجنبیت ہوتی ہے،  
لہذا انہیں زبان انہی ہر شے ان کے لئے اجنبی ہوتی ہے، سواری والے ان سے جو  
چاہیں کر لیں وصول کر لیں، ہر شخص انہیں جس طرح چاہے، دھوکا دے لے، ان  
بیچاروں کے پاس عموماً کوئی ذریعہ ان دقتوں سے بچنے کا نہیں ہوتا، حکومت اگر یہ  
کرے، کہ موسم حج میں، حاجیوں کے لئے جگہ جگہ مدینہ عرفات، مزدلفہ، منی، وغیرہ کے  
متعلق ضروری معلومات کے مختصر ہدایت نامے (جنہیں مشہور مقامات کے پتے، اہم  
مقامات کے درمیانی فاصلے، سواریوں کے کرایے، ایشار کے نرخانے وغیرہ درج ہوں)  
لاکھوں کی تعداد میں، مختلف زبانوں (یعنی عربی کے علاوہ فارسی، اردو، ترکی، بنگلہ،  
جاوہی وغیرہ) میں چھپوا کر شائع کرے، تو حاجی صاحبان بہت سی دقتوں اور مشکلات  
سے بچ جائیں، یہ ہدایت نامے زیادہ تر سہڈیل کی شکل میں ہوں، اور جو سر زمین  
پر قدم رکھتے ہی حاجیوں کے ہاتھ میں پہونچ جایا کریں، ان کے علاوہ کچھ بڑے بڑے

## ضمیمہ (۱)

### حکومت حجاز اور خدمت حجاج

حکومت حجاز کی اصلی اور نمایان حیثیت، دنیا سے اسلام کی نظر میں خصوصاً حجاج اور زائروں کی نظر میں خادمِ حرمین کی ہے، حجاز کا ناظم مکہ و مدینہ کا خادم ہوتا ہے، مناسب حج، آداب زیارت، حاجیوں کی خدمت اور ان کی ضروریات کے سلسلہ میں بہت سے کام اسی کے کرنے کے ہوتے ہیں، ان خدمات کا ذکر رودادِ سفر کے ضمن میں اپنے اپنے موقع پر، جابجا آچکا ہے، ذیل میں ان کی پوری فہرست مرتب کر کے یکجا پیش کی جاتی ہے، جن اردو خوان حضرات کو موجودہ حکومت حجاز میں سوغ و تقرب حاصل ہے، اگر وہ ان معروضات کو سلطانِ ملک پہنچا دیں، تو علاوہ خدمت حجاج کے اجر کے، یہ حکومت حجاز کے ساتھ بھی عین ہوا خواہی ہوگی،

(۱) سرزمین حجاز، سالہا سال سے بد امنی کا مرکز بنی ہوئی تھی، حاجیوں کا مال الگ رہا، جان تک ہر وقت خطرہ میں رہتی تھی، سعودی حکومت کی بے بڑی برکت و سعادت یہ ہے، کہ راستوں میں امن و امان قائم ہو گیا، اور بدویوں کی لوٹ مار کے واقعات، افسانے بن گئے، اس خدمتِ عظیم پر موجودہ حکومت کی عقیدت بھی نگر گذاری کی جائے، بجا و درست ہے،

کے بعد پھر وہیں واپس پہنچا، پہلے حج کا سفر برسوں کا کام تھا، چھ چھ مہینے تو ابھی  
 چند سال قبل تک لگ جاتے تھے، اب بجز اٹھ تین مہینے کے اندر بہ اطمینان و فراغت  
 تمام یہ سارا سفر مکمل ہو گیا ہے، بلکہ اگر جہازوں کا انتظار آمدورفت میں کرنا نہ پڑے  
 اور مدینہ منورہ میں مختصر قیام پر اکتفا کیا جائے، تو چھ سات ہفتے بھی کافی ہو سکتے ہیں  
 اللّٰهُمَّ لَكَ حُجَّتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَهَلِيكَ تَوَكَّلْتُ وَلَكَ اسَلَمْتُ وَآيَاكَ اسَرَدْتُ فَقَبِّلْ

نَسَلِي وَافْضِلْ لِي ذُنُوبِي وَكُفِّرْ عَنِّي سَيِّئَاتِي وَاسْتَعْمِلْنِي فِي طَاعَتِكَ اَبَدًا مَا اَلَيْقَتَنِي وَاحِدًا فِي  
 مِنْ النَّاسِ، اللّٰهُمَّ اِنِّي اسْتَوْذَاكَ دِينِي وَاَمَانَتِي وَخَوَاتِمَ قَمَلِي فَاَحْفَظْهُ اَعْلَى وَهَلِي  
 كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ، اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلَ هَذَا آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ  
 وَاسْرُقْنِي الْيَوْمَ اِلَيْهِ وَاجْعَلْ رِجْلِي وَادْنِي حَتَّى تَبْلُغَنِي اَجَلِي وَاكْفِنِي مَوْتِي وَمَوْتَةَ عِيَالِي  
 وَجَمِيعَ خَلْقِكَ اَيُّوْمَ تَابَعُونَ قَابِدُونَ سَاجِدُونَ وَلِلرَّبِّ حَامِدُونَ وَصَدَقَ اللّٰهُ  
 وَعَدَ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ عَبْدًا وَهَذَا اَحْسَنُ اَبَ وَحْدَةَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
 لَا شَرِيكَ لَهُ،

دار الخلافہ پہونچے پہونچے اربع چلے تھے مدت کے بعد آج اطمینان و فراغت  
 سہ بن مرضی کے موافق غسل کیا اور جب کھانا سامنے آیا تو گویا مریح کو کون اور نزدیک  
 کی طرح کھایا، وطن کی قدر سفر کے بعد ہی ہوتی ہے، ہر سرشتے میں ایک خاص لذت  
 محسوس ہو رہی ہے، خاص خاص دوستوں اور عزیزوں کے نام تار روانہ کر دیئے  
 بمبئی میں ڈیڑھ دن، باوجود شدید بارش کے مصروفیت ہی میں گذرا، ایٹھو عمر بھائی  
 چاند بھائی سے مل کر لقیہ امانت اُن سے واپس لینا، گینوں کو روپیہ میں تبدیل کرانا  
 عزیزوں دوستوں کے لئے تحفہ تحائف خرید کرنا، سارا وقت اسی دوڑ دھوپ میں  
 بسر ہو گیا، اخبارات کو مدت سے ترسا ہوا تھا، دنیا کے انقلابات، ہندوستان کے  
 واقعات کی کچھ خبر نہ تھی، دفتر خلافت میں جلدی جلدی اخبارات کی فائلوں پر ایک  
 نظر کر گیا، راجون کو شب کے وقت پینا اور اکسپرس سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا، قافلہ  
 کے دوسرے اشخاص اپنی اپنی منزلوں کے لئے متفرق ہو گئے، چودھری محمد علی رودلو  
 کا ساتھ لکھنؤ تک رہا، بھوپال اسٹیشن پر حیات صاحب (پلیسی آفیسر) اور سید مرتضیٰ علی  
 احب بھائی کورٹ (جھین آج مرحوم) کھتے ہوئے قلم کا کلیجہ شق ہوتا ہے، سید  
 الطاف احمد صاحب مع دوسرے اجاب کے موجود تھے، راجون کو صبح ۶ بجے لکھنؤ  
 اسٹیشن پہونچا، اور اجاب و مخلصین کی ایک پوری جماعت کو موجود پایا، گھر پہونچ کر  
 'لدہ ماجدہ کی قدمبوسی کی، بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرا، عزیزوں کی خوشی کا کیا پوچھا  
 اُس مان کی مسرت کا رنگ ہی سب سے الگ ہی، ہر لفظ اور ہر عبارت اس کیفیت  
 اظہار سے قاصر ہے، قریب ایک ہفتہ کے لکھنؤ میں قیام رہا اور سب منا جلنا ہوتا  
 ۱۳ مارچ کو دریا باد سے روانہ ہوا تھا، اور ۱۶ راجون کو پورے تین مہینے تین دن

کی اجازت نہیں، جہاز سیٹیں کے اعلیٰ افسروں اور جیٹیں کے ممبروں نے جہاز پر  
 قدم رکھا، ٹرمارین کے ایجنٹ میٹی اسٹراوٹن سے ملاقات ہوئی، اور حالات سفر  
 پرنٹ ڈومسٹ کی گفتگو، شوکت صاحب، مولوی عرفان، مولوی شفیع داؤدی سب  
 اس وقت عزیزوں سے بڑھکر عزیز معلوم ہو رہے ہیں، جہاز سے اترنے کا مرحلہ بھی نہایت  
 پرچہ سے کچھ کم نہیں ہوتا، بیٹھ بھاڑ دھکم دھکا اچھپاش کے سارے لوازم و  
 مولانا شوکت علی کی مہربانی سے ساتھ کی یو این فور اتر گئیں اور اسی وقت موٹر پر  
 "دارالخلافہ کی طرف روانہ بھی ہو گئیں، کچھ دیر کے بعد ہم لوگ بھی اترے جہاز کے رکتے  
 ہی قلیون کی ایک پوری جماعت اوپر آجاتی ہے، یہ لوگ خوب سرخے ہوئے اور تھکے  
 ہوتے ہیں اور بڑی بات یہ کہ ایمان دار اور دیانت دار بھی ہوتے ہیں، مزدوری  
 ملے کر کے جو چیز چاہئے ان کے سپرد کر دیجئے اترنے کے ساتھ ہی میٹی کے مشہور خاوا  
 حجاج حاجی بچو علی صاحب کی طرف سے ہر حاجی کی خدمت میں ایک ایک کچھ نان  
 اور دو دو کیلے پیش ہوتے ہیں، ٹھنڈے پانی اور بھلون کو مدت سے ترے ہوئے  
 تھے اس وقت کیلون کا یہ تحفہ بڑی ہی نعمت معلوم ہوا اور ایسے محسن کے حق میں دل سے  
 دعا نکلی، جہاز سے اترنے کے بعد ایک بڑا مرحلہ "پگلی خانہ" (کسٹم) کا ہوتا ہے، گھنٹوں  
 لگ جاتے ہیں، ایک ایک چیز کھول کر دکھانی پڑتی ہے، میں خود تو حسب معمول، بغیر  
 کسی وقت میں پڑے ہوئے موٹر پر اپنے معزز میزبانوں کے ساتھ روانہ ہو گیا، اور ساتھ  
 کالانا اپنے رفیق و عزیز شیخ میسر الزمان صاحب کے جو بہترین رفیق سفر ثابت ہوئے، نیز  
 اپنے ان کے خانہ زاد ملازم حاجی شب علی کے جس کی ذات سے سفر کی تقریباً ہر شکل  
 آسان ہوتی رہی، سپرد کر آیا، چنانچہ کچھ دیر کے بعد سامان بخیریت پہنچ گیا،

فرست کلاس والے سب سے اوپر کے عرشہ پر اکھڑے ہوئے، سب کی نگاہیں فوق و استیاق کی تصویر بنی ہوئی ساحل کی طرف تہی ہوئیں لیجیے اب پلیٹ فارم صاف نظر آنے لگا، اور استقبال کرنے والوں کے چہرے دکھائی دینے لگے، ہلکا ترخ ہوتا ہے، بہت سے سروں پر چھتریان لگی ہوئی ہیں، اس وقت کی خوشی کا کیا ٹھکانا! کوئی اپنے کسی عزیز کو ڈھونڈ رہا ہے، کوئی اپنے کسی دوست کو، اور جس کے کوئی دوست یا عزیز موجود نہیں، اس کے لئے اس وقت، وطن کے غیر اور بیگانے بھی کسی دوست یا عزیز سے کم نہیں! بابائے خلافت! اس موزون و دھچپ لقب کو لوگوں نے خواہ مخواہ طنزیہ مضموم میں لینا کیوں شروع کر دیا ہے، جناب شوکت صاحب! اشارہ اپنے اس تن و قوش کے ساتھ بھلا کسی مجمع میں، کسی کے چھپائے چھپ سکتے ہیں! اپنی رنگین چکڑا رعباء اور مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ روال ہلاتے ہوئے، سب سے پہلے نظر پڑے، مولانا عرفان، مولوی شفیع داؤدی، سیٹھ عبداللہ دارون، مولوی سید مرتضیٰ صاحب بہادر (مدنس) کہنا چاہیے کہ ساری کی ساری خلافت کمیٹی پلیٹ فارم پر موجود، حج کی خفیہ کمیٹی کا اجلاس یہی میں شروع ہو رہا ہے اس کے سارے ارکان جمع ہیں، باہم اشارے ہو رہے ہیں، صاحب سلامت، مبارکباد و مزاج پر ہی، سارے کام ہر عقداں کی حرکت سے انجام پا رہے ہیں اور غلام جہان ہے کہ ایک ایک انجی کی رفتار سے سرک رہا ہے!

آدھ گھنٹہ، پون گھنٹہ، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، کوئی نوبتے ہوں گے، کہ جہاز پلیٹ فارم پر اگر رکا، میٹریاں لگیں، لیکن ابھی مسافروں کو اترنے

کرنے کے لئے بار بار بیجا تک سیٹیاں دے رہا تھا، کسی کا دل ناخدا سے اور کسی کا خدا سے اٹکا ہوا، دلون میں ہول و اضطراب اور زبانون پر دعا و استغفار پورا طوفان تو نہ تھا، البتہ طوفان کا ایک ہلکا سا نمونہ ضرور دیکھنے میں آگیا، جہاز کے لاسکی کے ذریعہ سے بمبئی، دفتر خلافت کیٹی، کو اپنی آمد کا تار دیدیا، اور جی بے اختیار یہ چاہ رہا تھا کہ تار ہی میں ناشتہ کی خصوصاً تازہ پھلون کی بھی فرمائش کر دیا جائے، چار شنبہ کی شام کیسی خوش آئند شام تھی، جہاز دن کی شکلیں اور دور دور کی عمارتیں سہ پہر ہی سے نظر آنی شروع ہو گئی تھیں غروب آفتاب کے بعد ساحل کی روشنیان صاف دکھائی دینے لگیں، یہ روشنیان کوئی نئی اور انوکھی نہیں بارہا کی دیکھی ہوئی ہیں، لیکن آج کی کشش اور دل کشی ان میں کبھی پیشتر بھی محسوس ہوئی تھی؟ شب کے دن بچے ہون گے، کہ جہاز سمندر میں ساحل سے فاصلہ پر لنگر انداز ہو گیا اب صبح کو گودی میں داخل ہو گا اور کہیں نو دس بجے تک اترنا ہو گا، اتنا انتظار کس سے ہو گا! اور یہ رات کیسے کاٹے گئے گی!

میت اللہ کے زائرین کے صبر و انتظار کا آخری لطیف مجاہدہ خدا خدا کر کے ختم ہوا ۶ رجون، پچھینہ کی صبح ہوئی، بندرگاہ کے افسروں اور ڈاکٹر وغیرہ کی آمد و رفت جہاز پر شروع ہوئی، دن نکلا اور کچھ دیر کے بعد جہاز نے آہستہ آہستہ گودی کی طرف ٹھسکنا شروع کیا، نیچے کے درجون کے مسافر بچا سے اپنی گھڑی مٹری سنبھالے، اپنے کندھوں اور سروں پر بوجھ لائے اوپر کے حصہ پر آگئے، اول



کا کوئی معقول انتظام نہیں، وقت تو مردوں کے لئے بھی بڑا کرتی ہے، عورتوں کیلئے اس سے بھی کمین بڑھ کر پیش آتی رہتی ہے۔ — لیکن ان خوش نصیبوں کی موت کا کیا پوچھنا! گناہوں سے پاک صاف، تازہ رچ گئے ہوئے، عرفات کی طہری اور دیدارِ کعبہ سے مشرف، غریب لوطی کی موت، سمندر کی قبرِ جنت کا راستہ سیدھا کھلا ہوا جی مین آتا ہو، کہ آنسو بہانے کے بجائے، ان مرنے والوں اور مرنے والیوں کی خوش قسمتی پر جی کھول کر دھک کیجئے، رحمتِ حق کا نزول ان پر بھی نہ ہو گا، تو اودھ کس پر ہو گا!

ماہر مئی (۸ مارچی) کو دوشنبہ کا دن تھا، جب سہ پہر کے وقت جدہ سے روانہ ہوئے تھے، سہر جوں کو ایک ہفتہ پورا ہو کر دوشنبہ آگیا، اور وطن کی آتش بزمِ تیز سے تیز تر ہو گئی، دن کے گھنٹے اور رات کی گھڑیاں اب کائے نہیں کٹتی تھیں۔ ایک ایک دن پہاڑ ہو رہا تھا، بجوک اور یاس سے حالِ ابر ہو رہا تھا، اس پر بھی سہ شنبہ کا دن سامان کے رکھ رکھاؤ، ٹھیک ٹھاک میں بسر ہوا، زائد بستر بند تھے اور کھلتے تھے، اور پھر بند تھے، کس صندوق، سوٹ کیس، بیگ، ہینڈ بیگ، بار بار بند ہوتے تھے، کھلتے تھے اور پھر بند ہوتے تھے، اپنا شنبہ کو ملو، خانی حالت تیز ہو گئی، سمندر میں تلاطم تو تھا ہی، بارش بھی اچھی خاصی ہو گئی، جہاز پر بارش کا منظر خاصہ ہیبت و دہشت انگیز ہوتا ہے، مگر زورِ دل والے بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، ہوائ کے زور، بارش کے شور، اور فضا کے اندھیرے کھپ کو دیکھ دیکھ کر سہ جدہ تھے، اور جہاز اس فضا سے تیرتا رہتا، دوسرے جہازوں کو اپنے وجود سے مطلع

بڑھکر مصیبت پانی کی تھی، ٹھنڈا پانی عنقا! فرسٹ کلاس والے تک گویا نیم گرم پانی  
 پینے پر مجبور! جہاز پر برف تھی، اور دوزانہ تیار ہوتی تھی، لیکن اتنی قلیل مقدار میں، کہ  
 صرف انگریز افسران جہاز کے لئے کافی ہو سکے، جہاز کے انگریز اوپنیم انگریز افسر اور تحت  
 برف پی رہے ہیں، اور ٹھنڈے پھل (سنتے وغیرہ) کھا رہے ہیں، اور حاجی تنویر  
 (بڑے سا بڑا حاجی بھی ہر چھوٹے سے چھوٹے انگریز کے سامنے غریب ہی ہے!) اہمیت  
 ادا کرنے کو تیار، اس پر بھی قیمت میں تشنگی و خشک لہی ہی لکھی ہوئی!

واپسی کے وقت جہاز پر عموماً موتیں بھی خاصی تعداد میں ہوتی رہتی ہیں، ہفر کی  
 بے احتیاطیان اور بد پرہیزیان، خاتمہ سفر پر رنگ لاہی کر رہتی ہیں، خصوصاً جو لوگ  
 لاغر و نحیف، مریض و ضعیف الحجۃ ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنے آرام و آسائش کے  
 لئے زیادہ خرچ بھی نہیں کر سکتے، وہ تو ہجوم، غذا، موسم، آب و ہوا، وغیرہ کی سختیوں  
 کو اور بھی برداشت نہیں کر سکتے، زیادہ تر موتیں اسی طبقہ میں ہوتی ہیں، ہمارے  
 جہاز میں غالباً ۱۷۱۶ موتیں ہوئیں، دس دن کے عرصہ میں، اور سرٹھ سو کی آبادی  
 میں یہ تعداد کچھ ایسی بہت زائد تو نہیں، تاہم دلوں میں دھڑکن پیدا کر دینے کیلئے  
 کافی سے زائد تھی، ایک پچیس تیس سال کے جوان سرحدی کی موت، جو نو بیاسہ ہوئی  
 اور ساحل ممبئی سے صرف چند میل اوجھڑ ہوئی، بہت دردناک تھی، افریقہ کے ایک  
 زمین تاجروں کے اپنے خشم و خدام کے فرسٹ کلاس کے مسافر تھے، ان کی جوان بیوی کی  
 وفات بھی پڑی حسرتناک ہوئی، شیر خوار بچہ کو ان باپ وطن چھوڑ آئے تھے، جہاز  
 پر انتقال کے بعد غسل میں سخت دقت ہوئی، حاجیوں کا جہاز اور اس پر غسل تکلفین

کوئی دورانِ سرین گرفتار کوئی استفرار غین مبتلا، الا ماشاء اللہ، کچھ اللہ کے بند محفوظ بھی رہے، ————— نماز بہترین عبادت ہو، لیکن نماز کے بعد ہی دعا و استغفار کا بھی حکم ہے اور وہ افضل ترین مجاہدہ ہے، لیکن ختمِ رمضان پر سوائے صدقہ کا بھی ارشاد ہے حج جیسے بابرکت سفر میں اپنی کوتاہیوں اور نفس پرستیوں سے جو جالائشیں اور کثافتیں جمع ہو جاتی ہیں ان کے تصفیہ و تفتیہ کے لئے اس احتیاطی مجاہدہ سے بڑھ کر لطیف و پُر اثر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے!

دن جاتے اور فاصلہ طے ہوتے دیر کیا لگتی ہو ابھی نوابعِ جدہ میں تھے ابھی کامران کے سامنے سے گزرنے لگے، بجز آخر ختم ہوا، جز عوب شروع ہوا، سقوط رہے گزرے، بابِ لندب سے نکلے، عدن کو پیچھے چھوڑا، ساحلِ عمان بھی نظر سے غائب ہوا، بحرِ ہند کی گہرائیوں کے اوپر آگئے، لیکن وطنِ جون جون قریب آتا جا رہا ہے، سمندر کا تلاطم بڑھتا ہی جا رہا ہے، گرمی کی شدت برسات کی سی اس پر مستزاد جسمِ پسینہ میں شرابور غسل سے بھی تسکین نہیں جاتے وقتِ سلم نوڈ سپلائی کپنی کے کھانے کا انتظام اچھا تھا، اور انتظام میں اگر کچھ کمی تھی بھی، تو بجز اور اسٹنٹ نیجر کی خوش اخلاقیات اس کی تلافی کر دیتی تھیں، اب کی مرتبہ یہ کوئی صورت بھی نہ تھی، جو چیز مانگئے ہوٹل میں موجود نہیں، کھانا اول تو کھایا ہی کس سے جاتا تھا، بھوک غائب تھی، لیکن جو کھانا چاہتے، انھیں ملتا ہی کیا تھا! جو خوشحال تھے، انھیں مجبوراً انگریزی ہوٹل نیسے انتظام کرنا پڑا، جو پچھلے اتنا خرچ نہیں کر سکتے تھے، اور محض سلم ہوٹل کے بھروسہ پر تھے، ان کی حسرتِ نصیبی قابلِ رحم تھی، کھانے سے کہیں

سمندر میں برسات کا موسم اور برساتی ہوا میں بہت قبل سے شروع ہو جاتی ہیں، کپتان وارڈ نے بتایا تھا کہ ۱۰۔۱۱ جون تک میٹی ضرور پہنچ جانا اور نہ برسات شروع ہو جائیگی، اور بحری سفر میں برسات کا وسط نہیں، بلکہ ابتدائی اور آخری حصہ زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے، چنانچہ ہم لوگوں نے کہہ سے روانگی میں جو اس قدر غلبت کی تھی، اس کا ایک بڑا سبب یہی تھا جدہ سے، ۲۲ مئی کو روانہ ہوئے تھے، اب اطمینان تھا کہ خطرہ کے وقت سے قبل ہی میٹی انشاء اللہ پہنچ جائیگی، لیکن کیا انسان اور کیا انسان کا ارادہ اور اندازہ! تین چار دن تو سمندر کی حالت غنیمت رہی اس کے بعد تیز و تند ہوائیں چلنی شروع ہو گئیں، اور موجوں نے بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکرین کھانی شروع کیں، اس کیفیت کا پورا اندازہ بغیر بحری سفر کا ذاتی تجربہ کئے ہو نہیں سکتا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ سطح سمندر سے دس دس اور بارہ بارہ، بلکہ نڈر پندرہ اور بیس میں فٹ اونچی موجیں، ہر سمت سے امڈا امڈ کر اور بلند ہو ہو کر جہاز پر حملہ آور ہو رہی ہیں! اور ساتھ ہی ہمارے ڈالو ڈول ہونا شروع ہوا، اوپر کے عرشہ پر بیٹھ کر دیکھتے تو ابھی یہ نظر آ رہا ہے کہ ہمارا کاداہنا پہلو نیچا ہوتے ہوئے بالکل زیر آب ہو جائے، اور ابھی یہ نظر آنے لگا کہ داہنا پہلو تو نکل آیا، اب بائیں پہلو تھکے تھکے غرق ہونے پر پہنچے، ادبوں کی گھبراہٹ کو چھوڑیے، زبانوں کی دادیلا کا بھی ذکر نہیں، تم یہ ہوا کہ سردیوں میں چکر آنے شروع ہو گئے اور تلی کی پیار می پھیل گئی، جسے دیکھتے بستر پر پڑا ہوا، جو اٹھ کر چلا، وہ لڑکھڑا کر گرا،

علی ہمدردیوں اور ضد متکذاریوں پر زیادہ مستعد ہو گئے ہیں، ایک ایک کے علاج و تدبیر کے لئے موجود، نئے ساتھیوں میں ڈپٹی امیر احمد صاحب علوی کا کردہی اور محمد اکرم خان صاحب (ایڈیٹر محمدی، کلکتہ) کا ساتھ بھی ہر طرح خوش گوار و دلچسپ رہا،

اب پھر وہی ڈیڑھ ہفتہ کے لئے، لقی و دوق اور امتحانہ سمندر سے سابقہ، خشکی اور خشکی کی ہر شے سے بے تعلقی، نہ پہاڑ نہ جنگل، نہ شہر نہ دیہات، نہ چرند نہ پرند نہ باغ نہ مکان نہ شجر نہ چر نہ شرک نہ دوکان، بس ہر وقت اور ہر سمت عالم آب، اوپر نیلا آسمان اور نیچے نیلا سمندر، نہ کہیں اسٹیشن نہ قیام، دن رات مسلسل روانی ہی روانی، اب کی کلہرا میں بھی ٹھہرنا نہیں، بس یہی تک برابر چلتے ہی رہتا ہے کچھ تو جج کی برکت اور کچھ اس لئے کہ طبیعت مانوس ہو چکی ہو، واپسی میں سمندر کی دہشت اور سمندر سے وحشت کسی قدر کم ضرور ہو جاتی ہے، لیکن جاتی نہیں رہتی، وطن کا شوق دل پر غالب کہ کل کے پہونچے آج ہی پہونچ جائیں، اور انتظار کی ایک ایک گھڑی طبیعت پر گراں لیکن دن اور رات، گھنٹے اور منٹ تو بہر حال اپنے وقت معرہ ہی پر پورے ہون گئے ہر روز خوش خوش حساب لگ رہے ہیں، اور اندازے ہو رہے ہیں، کہ فلان ایسے، فلان وقت یہی پہونچیں گے، فلان فلان سے ملیں گے، فلان ٹرین سے روانہ ہوں گے، یوں وطن کو تار دیں گے، یوں وطن پہونچیں گے، کہتان سے سوال کی بھر مار ہو رہی ہو اور جن بیچاروں کی رسائی کہتان تک نہیں وہ خلاصیوں ہی سے پوچھ پاچھ کر دل کو تسکین دے رہے ہیں، سب اپنے اپنے حال میں مست اور اپنے اپنے منصوبوں میں مگن، لیکن سمندر کا تمام ہر منصوبے پر غالب، اور ہوا کے مول انگیز تعمیر طے

رحمانی اس وقت تک، ٹرمار لین کے جہازوں میں سب سے بہتر ہے، سب سے  
 زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ آرام دہ، اول درجہ کے کین دو دوسرے جہازوں سے  
 زیادہ گنجائشی اور آرام دہ، بعض بعض کین بجائے دو آدمیوں کے چار آدمیوں کیلئے  
 سکند کلاس میں بچھے لگے ہوئے، ہر کین کے اندر پائپ میں پانی کے از خود جانے کا  
 انتظام موجود نہ یہ کہ پانی والا پانی کے خزانہ میں، الگ سے لاکر پانی انڈیل جائے، شہر  
 کے کسی نمبر میں بیان ہو چکا ہے کہ جاتے وقت اکبر جہاز میں جگہ سب اوپر کپتان کے  
 کمرہ سے متصل مل گئی تھی، اس وقت تو مولانا شوکت علی کی عنایت تھی، واپسی میں اس  
 جگہ کے ملنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی، لیکن جو خدائے مہربان بمبئی میں تھا وہی جدہ  
 میں بھی تھا، اب کی اس نے کسی بیرونی کمرے کے نہیں بلکہ خود ٹرمار لین کینی کے  
 ایجنٹ اور حاکم جدہ، حاجی عبداللہ علی رضا زینل کے دل میں نیکی ڈال دی انھوں  
 نے کپتان کے نام چٹھی لکھ بھیجی، چنانچہ جب جہاز پر آنا ہوا تو دیکھا کہ وہی سب اوپر کے  
 عرشہ میں کپتان کے کمرے کے متصل کمرہ، اس عاجز و گنہگار کے لئے محفوظ اور خالی کپتان  
 سے قدرۃ ہر وقت کا سابقہ، اس کپتان کا نام لک ہے، گو نیکی اور خوش مزاجی میں  
 کپتان وارڈ سے کمتر ہے، لیکن مستعدی، کارگزاری، و خوش تدبیری میں اس سے بڑھا  
 ہوا ہے جہاز کے دوسرے کارکن بھی مستعد و کارگزار ہیں، مسافروں کی خاصی بڑی  
 تعداد جب معمول، بنگالی حاجیوں کی ہے، میناوری و سرحدی بھی بکثرت ہیں، اپنے  
 قافلہ کے علاوہ، پرانے ساتھیوں میں چودھری محمد علی رودلووی مع اپنے دولوں  
 کے بکس اور اپنی بیار لکین نہایت ہمدرد و شریف خصلت زوجہ مکرمہ کے اب کی بھی  
 ہم سفر ہیں، خوش مزاجی کی دھوم پہلے ہی سے تھی، اب سچ کی برکت سے ماننا، اللہ

# باب: ۴۴

## جہازِ مہجبی - وطن

جائے وقت اکبر ہو گئے تھے۔ اشد اکبر کی بڑائی اور کبریائی پکارنے والوں کی سواری کے لئے اکبر شہنشاہ ہوزون جہاز اور کون ہو سکتا تھا؟

واپسی کے وقت رحمانی پر سوار ہونا نصیب میں آیا، راج ذرہ کو آفتاب بنا دیتا ہے، پھر اگر واپس ہونے والوں کے ساتھ رحم و رحیمیت کے معاملات شروع ہو گئے ہوں، اور تمام رحمت و رحمانیت کے کاروبار ہونے لگے ہوں، تو دل رحمانی کے نام سے کیوں نہ تفادل کرے، اور رحمن و رحیم کے محبت و مغفران کے میثار حیلون اور بے حساب بہانوں میں ایک تازہ عنوان کا اضافہ کرتے کیوں پکچاسے؟ رحمانی صرف جہاز ہی کا نام کیوں سمجھے، سواری پر جتنے سوار تھے، اگر وہ سب سب رحمانی ہوں اگر ان سب کا شمار رحمانیوں میں ہو گیا ہو، تو فضل رحمان و رحیم کے رحم و کرم سے کچھ بھی بعید ہے، کسی کی بڑائی پکارنے والے دل نہ سہی، بڑائی پکارنے والی زبانیں تو سب ہی کی تھیں، اور خود اس برٹے کا دیدار نہ سہی، اس برٹے کے گھر کی زیارت کرنے والی آنکھیں تو ہر ایک کی تھیں، پس اگر واپسی کے وقت بحرِ قنوت کے عبور کے لئے، سفینہ رحمت و رحمانیت عطا کر دیا گیا ہو، تو اس پر حیرت کیوں کیجئے اور اس بخود و نوالِ فضل و کرم پر تنگدل کیوں ہوئے؟

بھی، اور زیادہ آرام دہ بھی، سکند کلاس میں بھی نیچے موجود، اکبر پر پندراہ سو مسافر  
 تھے، اس پر ستر سو پین، جہاز کا عملہ اس کے علاوہ بیچے تک ہم لوگ پہنچ گئے تھے، ہ  
 ہ گھنٹے کے بعد سہ پہر کو روانگی کی سیٹی ہوئی، اور جہاز وطن کی طرف روانہ ہوا۔  
 "وطن! کیا خدا کی شان ہے، حجاز کا مسافر ہندوستان کو وطن لکھ رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے!  
 یہ وہی مسلم خاندان برباد ہے، جو کبھی حجاز آیا تھا، جس کے باپ دادا کی رگوں میں حجازی  
 خون گردش کر رہا تھا، چند صدیوں کے بعد آج وطن پر دیس ہو گیا ہے، اور پر دیس وطن  
 کے حکم میں داخل ہو گیا ہے! حجاز اب اس کے لئے پر دیس ہے! اور مکہ و مدینہ کے جوار میں  
 اب وہ اپنے تئیں غریب الوطن سمجھ رہا ہے!



۱۸۰۲ء کی انگریز افواج کا دل ملنے جلنے، سامان سفر درست کرنے اور اشیاء کی خرید و  
 بیع میں گنہگار ہندوستان سے ڈاک خدا خدا کر کے آئی، اسے پہر کو تقسیم ہوئی، لیکن میری  
 ڈاک کا ایک بہت قلیل جزو آیا، صرف ایک پلندہ تھا جس کے اندر چند اخبارات لپٹے ہوئے  
 تھے، میرے اندازہ میں ایسے ایسے پندرہ بیس پلندے ہونے چاہئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ  
 بقیہ ڈاک آئندہ جہاز سے موصول ہوگی، پوٹسڈام کے پاس اپنا ہندوستان کا پتہ چھوڑ  
 جاتا ہوں، اب جو ڈاک آئیگی، وہ دین و دین کے خیال یہ تھا کہ ڈاک یہاں لجاتی  
 تو جہاز پر اسے دیکھ ڈالتا، اور ہندوستان پہنچنے پہنچنے، پھر دنیا کے حالات سے باخبر  
 ہو جاتا، اخیر ۱۸۰۲ء کی انگریز افواج، دو شنبہ کا دن تھا کہ صبح سویرے اپنا اسباب ٹھیلوں پر  
 لا کر ساحل کی طرف روانہ کر دیا، سب قافلہ واپس ہمارا گئے، اور ساحل سے کشتی کو ایہ  
 کر کے جہاز کے لئے روانہ ہوئے، جو دو ڈوہائی میل کے فاصلہ پر سمندر میں اور بہت سے  
 جہازوں کے ہجوم میں کھڑا تھا، وکیل صاحب کے مطالبات دے دلا کر کچھ دیر کے بعد  
 ہم دونوں یرمان بیوی، ٹرنر مارین کے موٹر بوٹ پر روانہ ہوئے، اور بہت جلد چٹا  
 تک پہنچ گئے، جدہ میں کشتی سے جہاز پر چڑھنے کا مرحلہ سخت ہوتا ہے، کشتی براہ راست  
 رہتی ہے، اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر لوگوں کا دھکم دھکا، سیڑھی پر ایک وقت میں  
 ایک ہی آدمی چڑھ سکتا ہے، اسباب کے چھوٹ جانے کا اندیشہ مزید برآں، بہر حال ناقوانوں  
 اور ضعیفوں کو اس وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، گو خدا کے فضل سے کوئی  
 حادثہ عموماً پیش نہیں آتا، لیکن اس کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے، رحمانی ٹرنر مارین کمپنی  
 کا نو تعمیر جہاز ہے ۱۸۰۲ء میں تیار ہوا ہے، اور اس کے کل جہازوں میں سے بڑا ہے  
 بہتر اور سب سے دزنی ۱۸۰۲ء کے دزن کا ہے، کمرے الکر کے کمروں سے بڑے

ہوا اور جس شخص کو مہراہ ہا اہل حاجت سے سابقہ رہتا ہی، اس کے لئے سب کو مطمئن  
 و رضا مند رکھنا آسان بھی نہیں۔ — اپنا تجربہ تو ان کے متعلق یہی ہوا کہ انھوں نے  
 اپنے اسم باہمی ہونے کا ثبوت دیا، اور علاوہ ٹکٹ میں مدد دینے کے جس کی اس وقت  
 نہایت درجہ قدر ہوئی، کھلانے پلانے میں، چائے پلانے اور کھانا کھلانے میں جس لطف و  
 مدارات کا برتاؤ کرتے رہے، اس سے تو رہ رہ کر دھوکا ہوتا تھا کہ کوئی نئے شناسا نہیں  
 بلکہ پرانے بے تکلف دوست ہیں اور (احباب پنجاب معاف فرمائیں) پنجاب کے باشندہ نہیں  
 او وہ کے رہنے والے ہیں، اُتر مرادیس کے دفتر کے قاضی عزیز الدین صاحب سے بھی  
 اب کی زیادہ سابقہ رہا، ضلع بارہ ننگی کے قصبہ سیدن پور کے رہنے والے، گویا اپنے ہون  
 تھے، انھوں نے اگر بالکل عزیزوں کا سا برتاؤ کیا تو ان سے اسی کی توقع بھی تھی، جدہ  
 سے روانگی کے وقت ہم میان بیوی انھیں کے موٹر لاپنج پر روانہ ہوئے، اپنی کے  
 ایجنٹ، اور شہر جدہ کے حاکم، حاجی عبداللہ علی رضا زبیل کے اخلاق کی کیا تعریف ہو  
 چہرہ کی نورانیت، انور باطن کا آئینہ، پر و سیوں کے حق میں آیہ رحمت شیخ عبدالرحمن <sup>الفصل</sup>  
 سے بھی ملاقات رہی، ان کی محبتیں اور خاطر داریاں بھی بھولنے کی چیز نہیں، اور یہ شیخ  
 نصیحت کا آرام دہ اور پر فضا چوترا، مٹی کے آخری ہفتہ کی گرمی، اور جدہ میں حاجیوں  
 کا ہجوم، اگر اب کی بھی فرط کرم سے شیخ نے اپنا چوترا عنایت نہ کر دیا ہوتا، تو خدا معلوم  
 دو راتیں کس طرح بسر ہوتیں! جدہ میں رہنے والے گویا اللہ کے گھر کے ڈیوڑھی بان  
 ہیں، حجاج کی خدمت کرنے اور انھیں آسائش پہنچانے کے انھیں بہترین مواقع  
 حاصل ہیں، خوش نصیب ہیں وہ افراد جو ان موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے  
 اور انھیں اپنے لئے تو شہ آخرت بناتے جاتے ہیں!

کر لیا تھا وہ اس لاری نے، پہ گھٹنے میں طے کیا! ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ راستہ  
 میں ہر قسم کی افتاد، شو فر کی حرکتوں سے لاری کو مٹی آتی رہی یہاں تک کہ ایک بار  
 اس کی سکرٹ کی چنگاریوں سے لاری میں آگ بھی لگ گئی، اور کپڑے جلنے شروع ہو گئے،  
 لیکن بے درد و شقی القلب شو فر کسی قسم کی مدد و ہمدی کرنا الگ رہا لاری کو روکنے  
 تک کار و ادارہ نہ ہوا! مولانا مناظر صاحب اور دوسرے رفقاء برابر التارا التارا بھرتی  
 احر قی بکارتے رہے، اور صراحیوں کا پانی ڈال ڈال کر جس طرح بن پڑا، آگ بجھائی،  
 ورنہ اگر جانیں بھی چلی جاتیں، تو کچھ عید نہ تھا! گو کب الشرق کمپنی کی گاڑیوں کا ایک ہی  
 تجربہ ہوا، اور خدانہ کرے اس تجربہ کے اعادہ کی نوبت آئے،

رحمانی، مہیسی کے لئے ۸ اردی بچہ کو روانہ ہو رہا تھا، اس پر جگہ ملنے سے بالکل  
 مایوسی تھی، اور خیال یہی تھا کہ دوسرے جہاز کے انتظار میں ابھی کئی دن جدہ  
 میں پڑا رہنا ہوگا، لیکن رحمت باری کو مایوس دلوں کو شگفتہ کرتے کیا دیر لگتی ہے،  
 اور اس سفر کے دوران میں تو اس کا مشاہدہ قدم قدم پر کرایا گیا۔  
 ار کی صبح کو جب منشی احسان اللہ صاحب کے ہاں ملے گیا، تو کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا  
 کہ اسی جہاز میں پورے قافلہ کے لئے جگہ نکل آئی ہے، یہ احسان تماشراشد ہی کا تھا  
 لیکن احسان کا واسطہ احسان اللہ کی ذات کو بنایا گیا، منشی صاحب کی غایت نوازش  
 کی جب کوئی تعریف کرتا ہے، تو وہ چٹھنے سے لگتے ہیں، اور خیم تصور نہ دیکھ رہی ہے،  
 کہ منشی صاحب سفر نامہ کی بن مطور کو پڑھتے جاتے ہیں، اور ان کا استقبال بچا  
 ہنس کے، چین ابرو سے کر رہے ہیں، لیکن دوسروں کا تجربہ جو

اور ضابطے ایسے مقرر کر رکھے ہیں، کہ اگر کسی شخص کی سیلہ خاص رعایت اور عنایت کرنا چاہیں  
بھی، تو آسانی سے نہیں کر سکتے، ہر شخص کو اس کے نمبر ہی پر ٹکٹ ملیگا، اس لئے اس  
جو گفتگو ہوئی وہ بھی کچھ امید افزا نہ تھی،

میں خود تو جدہ پہنچ گیا، لیکن رفقا، کہاں ہیں؟ موٹر پہنچے ہوئے مدت ہوئی  
لیکن راتھیوں کی لاری کا اب تک پتہ نہیں، موٹر مانا کہ لاری سے قبل پہنچتی ہے، لیکن  
بس وہی گھنٹہ پون گھنٹہ قبل، اس سے زائد کافرق تو نہ ہونا چاہیے، گھنٹہ گذرا، دو گھنٹہ  
دو گھنٹے تین گھنٹے، چار گھنٹے مجھے پہنچے ہوئے ہو گئے، مین ظہر کے اول وقت پہنچا تھا  
اب عصر کا اوسط وقت ہو گیا، اور لاری کا کہیں پتہ نہیں، گھبرا کر بار بار وکیل صاحب  
سے دفتر کو کب الشرق کو ٹیلیفون دلواتا تھا، اور وہاں سے کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ جب  
بالکل شام ہونے لگی، تو استعائن لے کر منشی احسان اللہ صاحب کے مکان پر گیا، وہ خود  
تو موجود نہ ملے، البتہ ان کے ہاں مولوی حاجی تشار احمد صاحب کان پوری مل گئے،  
اور بڑے اخلاق اور تپاک سے ملے، وہ ماشاء اللہ متعدد حج کر چکے ہیں، اور یہاں کی  
زبان، جغرافیہ، حالات سب سے خوب واقف ہیں، پیارے ازراہ ہمدردی از خود  
میرے ہمراہ ہو گئے، اور کمپنی کے دفتر کی تلاش میں نکلے، اور جب اس سے بھی کوئی  
نتیجہ نہ نکلا، تو اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ رضا بالقضا پر مجبوراً عمل کر کے، شہرِ ناہ  
کے پھاٹک پر کھڑے ہو کر صبر کے ساتھ انتظار دیکھا جائے، اتفاق دیکھئے کہ جون ہی  
پھاٹک پر پہنچے، پہلی لاری جو دکھائی دی، وہ ہمارے ہی قافلہ کی تھی، عین غروب  
آفتاب کا وقت تھا، گویا کہ جدہ تک جو فاصلہ میری موٹر نے ڈھائی گھنٹے میں طے

موٹر کا سفر بجز اندھ ہر طرح خوشگوار و آرام دہ رہا، اور گوئی کی ۲۵ رتھی، موسم  
 بہت زائد سخت نہ تھا، موٹر اچھا تھا، مصری شو فر اچھا تھا، ہندی رفتار اچھے تھے، دریا  
 میں ذرا کی ذرا بجرہ میں ٹھہرے یہاں چاہے کی بنزیر چند جادی حاجیوں کا ساتھ رہا،  
 ایک دوسرے کی زبان سے یکسر ارضی، اس پر بھی ملاقات پر لطف و شگفتہ رہی، ڈھائی  
 گھنٹہ میں جدہ کی عمارتیں دکھائی دینے لگیں، اور چند منٹ کے بعد موٹر اپنی جگہ پر رکتی گئی،  
 آج ہندوستان کی ڈاک کی تقسیم کا دن تھا، وطن چھوڑنے کے بعد یہ پہلی اخباری ڈاک  
 تھی، جو سرزمین عرب پر ملنے والی تھی، عزیزوں کی خیریت میں، دوستوں کے ذاتی حالات  
 میں، اور ملک کے عام قومی کیفیات میں دل لگا ہوا تھا، اپنی ڈاک پوسٹ ماسٹر جدہ  
 کے پتہ پر طلب کر آیا تھا، موٹر سے اترتے ہی دوپہر میں پیدل ڈاک خانے پہنچا، یہ معلوم  
 کر کے مایوسی ہوئی کہ ڈاک کے جہاز کی آمد ہے، لیکن ابھی انہیں چکا ہی، مجبوراً واپس ہو  
 اور اپنے وکیل صاحب بیسوی کے مکان پر پہنچا، بیسویں قافلے اس وقت سے کہیں نہیں  
 جدہ واپس پہنچ چکے تھے، اور اکثر دن کے ٹکٹ کا انتظام ہو چکا تھا، وکیل صاحب  
 کے مکان کے اندر هجوم، اور باہر ایک میلہ سال لگا ہوا، ہم لوگوں کے پہنچنے میں اچھی خاصی  
 تاخیر ہوئی۔ وہی معلم صاحب کی عنایت! اور اس اثنا  
 میں جہاز کی سب جگہیں بھر چکیں، بیسوی کے لئے ٹرینز مورسین کا پہلا جہاز، رحمانی، کل ہی پر  
 روانہ ہونے والا ہے، اس کی گنجائش بھر کے مسافر سب آچکے، اب بھلا اس پر جگہ ملنے کی  
 کیا صورت؟ وکیل صاحب نے بھی مایوس کر دیا، اور جہاز کی کمپنی کے دفتر والوں نے  
 بھی کمپنی کے دفتر ہی میں تھا کہ اتفاق سے منشی احسان اللہ صاحب وائس کانسلر  
 آگئے، ٹکٹوں کا معاملہ انہیں کے ہاتھ میں ہے، مگر انھوں نے اپنے ہان کے قاعدے

سے ہم کی دوپہر کو نکلے تھے، اسی طرح شہر مکہ سے ۵۰ ارڈمی اکچہ کو بعد مغرب روانہ ہوئے اور  
 ۱۳:۴۰ گھنٹے کے انتظار کے بعد ۱۶ کو نماز چاشت کے وقت شہر نیاہ سے باہر ہوئے ہندوستانی  
 وقت کے حساب سے کوئی ایسے ہون گئے، کہ حدود مکہ سے موٹر روانہ ہو گیا، —  
 دیکھتے ہی دیکھتے یہ چند روز کا بابرکت زمانہ قیام ختم ہو گیا، اب عمر بھر اسی کی یاد رہے گی،  
 اور اسی کی حسرتیں اسی کا دھیان رہے گی اور یہیں کاروانِ بہین کی تمنائیں رہے گی، اور  
 یہیں کی آرزوئیں، اسی در کی طلب، اور اسی آستان کی تڑپ، ایک خواب تھا کہ چشمِ زون  
 میں ختم ہو گیا، اب عمر بھر کی بیداریاں ہون گی اور تمنائے خواب! — لیکن یہ یا  
 کاغلبہ اور مایوسی کا ہجوم کیوں؟ جس قادر علی الاطلاق نے بلا کسی حق و استحقاق کے ایک  
 بار ان آنکھوں سے اس کی زیارت کرا دی، اُس کے فضل و کرم سے کیا کچھ بعید ہے کہ ایک بار  
 پھر، اور ایک ہی بار کی قید کیوں، بار بار پھر جیتے جی، اس جنت ارضی کی سیر کر لے اور  
 کراتار ہے؟ لائے اور پھر لجائے، لے جائے اور پھر لائے، لائے اور بار بار لائے، اور  
 ایسا لائے کہ پھر اس جسم ہوتی کو جنت البقیع یا جنت المعلیٰ کے احاطہ میں حشر تک کے  
 لئے سلاوے! یہیں سلائے اور یہیں سے اٹھائے! "زندگی" کی طلب رکھنے والوں کو  
 انگلستان و فرانس، امریکہ و جرمنی کی سیر مبارک، لیکن "موت" کے دامن میں نیاہ و ہونڈ  
 والا حجاز اور حجاز والے کے سوا، کس کا اہمرا لگائے؟ "جنتِ نظیر" کی آرزو والے کشمیر اور  
 "جنتِ نشان" کی تمنا والے فرنگستان کی گلگشت میں مصروف رہیں، لیکن "جنتِ نظیر" اور  
 "جنتِ نشان" کی شاعری کا مفتون نہیں، جنت کی حقیقت کا بھوکا، اگر ادھر نہ آئے، تو  
 کدھر جائے؟

قافلہ سے ہم تین آدمی، تھانہ پہنچے، اور یہ شکل تھانہ دار صاحب کے ہاں باریابی نصیب ہوئی، نجدیوں کی عام ذہنیت کا کافی تجربہ ہو چکا تھا، پھر یہ تھانہ دار صاحب تو ماشاء اللہ محکمہ پولیس کے ایک ذی اختیار عہدہ دار تھے، اور گونہا نجدی ہون یا نہ ہون لیکن اپنے عہدہ کے اعتبار سے تو بہر حال حکومت سعودیہ ہی کے ایک کن تھے، ان کے حسن خلق کا جو نمونہ دیکھنے میں آیا، خدا نہ کرے وہ آئندہ کبھی کسی حاجی کو دیکھنا پڑے، مولانا صاحب نے حجاز اگر خوب خوب مجاہدے کئے تھے، لیکن اس سرزمین پر ان کے لئے سب سے بڑا مجاہدہ شاید اس سفر کی سب سے اخیر گھڑیوں کے لئے اٹھ رہا تھا، گفتگو وہی فرما رہے تھے، ان بیچارہ پر جو زبردست ڈانٹ پڑی ہے، اس کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیا، انہیں کاظف تھا،

صبح ۵ بجے ہو چکی تھی، ۱۱ بجے، ۱۲ بجے، ۱ بجے خدا خدا کر کے شکل لہان ہوئی، اور کوکب الشرق پٹنی (ایک مصری موٹر کمپنی کا نام ہے) کی ایک لاری، ہم لوگوں کے لئے نظر آئی، رفیقان قافلہ اس پر سوار ہوئے، مجھے خود ایک چھوٹے موٹر بین جگہ مل گئی، اس موٹر پر مولانا شوکت علی کے داماد اور بھانجے عثمان علی خان صاحب مع اپنے دورا پوری دوستوں کے آرہے تھے، موٹر اور لاری کے کرایہ میں کچھ زیادہ فرق نہیں، لیکن آرام میں اچھا خاصا فرق ہے، موٹر بیٹھ کم وقت لیتا ہے، اس میں جھکے کم گتے ہیں، بیٹھنے کی جگہ زیادہ آرام دہ ہوتی ہے، کرایہ اب خوب یاد نہیں، مگر کسی ایک گنی سے غالباً ایک آدھ روپیہ زیادہ ہے، امرینہ سے روانگی کے وقت بھی یاد ہو گا، کہ شہر سے ۳۰ ذی الحجہ کو رخصت ہوئے تھے، اور ۲۴ گھنٹے کے انتظار کے بعد، شہر پناہ کے پھانک

# باب ۳۹

## جسدِ جہاز

”جملہ معترضہ“ ختم ہوا، یہ ساٹھے چار کالموں کا ”جملہ“ صرف نحوی اصطلاح میں نہیں، اپنے لفظی معنی میں بھی ”معترضہ“ ہی تھا، اور معلوم کی چیرہ دستیوں سے آئندہ حاجیوں کو آگاہ و خبردار کرنے کے لئے یہ جملہ معترضہ ہفت نامہ کا ایک ضروری جزو تھا، اب پھر اصل سفر کی داستان شروع ہوتی ہے، عشا کا اول وقت ہو چکا تھا، جب مجمع کو چیرتے ہوئے ہم سب لوگ اعرابیوں پر سوار ملکہ کی آبادی سے باہر اُس مقام پر پہنچے، جہاں روانگی کے لیے موڑ ملتے ہیں، سوار پہنچ گئے لیکن سواری نڈاڑ سا ری رات میدان میں گذاری کچھ وقت معلم صاحب کے ساتھ زق زق بقی بقی میں گذرا، اور باقی سونے میں صبح ہوئی، نماز فجر پڑھی، آفتاب نکلا، چائے اور ناشتہ سے فراغ کی، سواری کا اب بھی پتہ نہیں! دیر کے بعد معلوم ہوا کہ فلائنگ دو فلائنگ پر سرکار تھا نہ ہے، اصلاح ٹھہری، کہ وہاں چل کر قیمت آزمائی کیجائے، پولیس اگر مسافروں تک نہیں آتی، تو مسافر تو بہر حال پولیس تک جاسکتے ہیں، ممکن ہے، پولیس کچھ دستگیری کر سکے، ————— تو کل کا یہ مرتبہ کہاں نصیب تھا کہ اللہ کے گھر میں آکر تو اللہ ہی پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں، خلق اللہ سے استعانت ناگزیر تھی، —————



کی خدمت گزار می پوری توجہ و تندہی کے ساتھ کر رہے تھے، اور بعض فقہ  
 بزرگوں سے معلوم ہوا کہ سید امین عظیم مرحوم کے پوتے، سید عقیل عظیم  
 کے طبقہ میں ایک یگانہ ہستی ہیں،



(شراح ابوداؤد) شریعت و طریقت کے جامع بزرگ، حج کے موقع پر ۹ رزمی ایچہ کوٹھی میں قبل طلوع فجر، اپنے نوافل معمولہ میں مصروف تھے، کہ معلم صاحب نے اگر شور مچانا شروع کر دیا، کہ عرفات کے لئے فوراً روانہ ہوں، اس ہنگامہ میں سکون قلب کے ساتھ نماز میں مشغول رہنا مولانا ہی کا کام تھا، سلام پھرنے کے بعد غصہ کے ساتھ معلم سے ارشاد ہوا، کہ ہم نے تمہیں مطوف قرار دیا ہے، استاد یا پیر نہیں قرار دیا ہو، ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اٹھیں گے، جاملون کو اپنے اوٹون پر اختیار ہے، اپنے اوٹون کو لیجائیں، ہم سیدل انشاء اللہ عرفات پہنچ جائیں گے (تذکرہ تحلیف ص ۲۶-۲۷، ملخصاً) ان چند شہادتوں سے اندازہ ہو گیا ہو گا، کہ عالم، عامی، صوفی، رئیس، جس کسی کو بھی حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اسے ساتھ ہی معلم صاحبوں کی ان عنایتوں کا بھی لذت آشنا ہونا پڑا ہے، گویا ۷

جو تری بزم سے نکلا، سو پریشان نکلا

ان معلمین ہی کے طائفہ عالیہ کی شان میں ہے، بدوون کی لوٹ مار کے افسانے آج سے چند سال قبل ہر شخص کی زبان پر تھے، معلموں کے کارنامے اب تک عام نظروں سے مخفی ہیں، ————— ظاہر ہے کہ کسی طبقہ کے سب افراد یکساں نہیں ہوتے، یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، ایک عمومی اور اکثری حیثیت سے لکھا جا رہا ہے، بعض معلم صاحبان یقیناً کلیہ میں مستثنیات کی حیثیت رکھتے ہیں، ناظر یا جنگ بہادر کے معلم کو (جو شاید حیدر آبادی حاج کے معلم ہیں) میں نے خود دیکھا، کہ وہ اپنے حاجیوں

نہیں کرتے جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ شکایت خانہ کعبہ میں (ذیلاً)  
حرم شریف (مراد ہے) لوگوں کی زبانی سنی جاتی تھی..... ہم کو بھی اپنے مسلم سے  
تکلیف ہی ہوئی اور کوئی ایسا آرام اس سے نہیں تھا (ص ۳)

اس کے آگے اپنی تکلیف کی تفصیلات لکھی ہیں یہ تکلیفیں وہی ہیں جو اکثر و بیشتر  
حاجیوں کو مکہ میں پیش آتی رہتی ہیں مثلاً عین وقت پر باوجود ہر طرح کے  
پختہ وعدوں کے اسواری کے انتظام سے جواب دیدینا اسواری کا سامان دھندلنا  
وغیرہ باوجود پوری قیمت لینے کے، بوسیدہ اور تکلیف دہ قم کا دینا کہہ سے روانگی کے  
وقت اسواری کے ہم پہنچانے میں مطلق مدونہ دینا وغیرہ وغیرہ۔

معلم حضرات اگر صرف اسی پر بس کرتے کہ حاجیوں سے زیادہ سے زیادہ  
وصول کر لیا کریں اور اس کے بعد حاجیوں کو پوری طرح اعمالِ حج ادا کرنے  
دیتے تو بھی زیادہ مضائقہ نہ تھا، مسلم بیارون کا آخر ذریعہ معاش یہی حاجیوں  
کی آمدنی اسی ٹھہری، لیکن اصلی رونماؤں کی حرص و ہوس کا نہیں بلکہ قیامت  
یہ ہے کہ رہبری کا دعویٰ کر کے کام رہزنی کا کرتے ہیں، مدعی اس کے ہوتے  
ہیں کہ حج صحیح طریقے پر کرادیں گے، مگر ہوتا اس کے برعکس عموماً یہ ہے کہ انھیں  
معلمین کے باعث خزاں معلوم کئے مستحبات چھوٹ جاتے ہیں، امن رہ جاتے ہیں، اور  
کتنی بیش بہا گھڑیاں محض غایب ہو جاتی ہیں، پھر ان کی وجہ سے قلب کو جس تشویش  
و خجائن کا خاکہ بننا پڑتا ہے اور عین شکستگی و فروتنی کے وقت زبان پر جیسے جیسے نالائقی  
کلام آتے ہیں، یہ سب مستزاد مولانا گنگوہی کے خلیفہ مولانا خلیل احمد مرحوم و مدفون

..... جس وقت حجاج حجہ شریف آتے ہیں تو یہ لوگ خود یا اپنے مفتون کو جہدہ

روانہ کر کے حجاج کو اپنے دام میں کر لیتے ہیں..... جاحیوں کو یہ لوگ کھیتی سمجھتے

ہیں اور سالانہ پرنا اور جہان تک ممکن ہو، نکالنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے..... جہان تک ان سے ممکن ہوتا ہے، حجاج کو بولتے ہیں، اول

کسی طرح اپنے سال بھر کے گزراہے کا مبلغ جمع کر لیتے ہیں..... انہما یہ ہے کہ

مطوفین..... امیر حاجی کو لنگوٹی بندھوا کر چھوڑنا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں، یہ حالت

عام ہے، شاید ذکر نہیں، خون میں ڈالنا، غلط خبریں سن کر روحی ایذا پہونچا، تو

معمولی باتیں ہیں،..... ناواقف ہندوستانیوں کے لئے یہی کافی ہے کہ فلاں مٹون

کی ہے، مکہ کے رہنے والے ہندوستانیوں کی نظر میں معصوم اور واجب تعظیم ہیں، اور

ان کے افعال کچھ ہی کیون نہ ہوں..... یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے، امیر اور

مختلف حجاج کا تجربہ ہے، (۲۳۹ تا ۲۴۳ حصہ اول)

امرتسر کے ایک صاحب محمد شریف ہیں، انھوں نے ۱۹۲۶ء میں سفر حج کیا، اور

واپسی پر اپنا مختصر سا سفر نامہ ۳ جہز و کاشائع کیا، معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کی آنکھیں دھبے

ہوئے ہیں، اس چھوٹے سے رسالہ کے اوراق میں بار بار اس کی تاکید کرتے ہیں، کہ جو کچھ

گذرے، حاجی کو چاہئے کہ صبر و تحمل کے ساتھ اسے برداشت کرے، جو امور ناگوار طبع

پیش آئیں، انھیں اللہ کی جانب سے آزمائش سمجھے، قس علی ہذا، لیکن ان مواعظ و نصائح

کے باوجود، یہ لکھنے پر مجبور ہیں، کہ:-

”عموماً یہ سنا گیا کہ مکہ شریف میں بہت سے محکم لوگ اپنے فرائض پوری طرح ادا

ہو جاتا ہے: (۵۵-۵۶)

اگے مکان کے کرایہ خیمہ کے کرایہ وغیرہ میں معلّم صاحبان کے حقوق کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں:-

”یہ توجہ نظر ہماری باتیں ہیں جن کو میں نے ظاہر کیا، ورنہ اس کا تو منتنا ہی یہ ہوتا کہ دعوے سے قریب سے بہت سے حاجت سے جس طرح ہو آپ سے حاصل ہی کرتا جا چکا۔ یہ الفاظ ایسے شخص کی زبان سے نکلے ہیں جسکی فیاضیان حد اسراف تک پہنچی ہوئی ہیں، اور جس کی داد و دہش کی صوبہ بھر میں شہرت ہے اور جس کو خود اپنے معلّم سے مطلق کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی تھی،

خان بہادر عبدالرحیم صاحب نقشبندی، علاقہ پنجاب کے رہنے والے اور اس میں محکمہ سرفے کے کسی معزز عمدہ پر ممتاز تھے، ۱۹۱۷ء میں انھوں نے سفر حج کیا اور سفر میں انشرفین کے عنوان سے اپنا مفصل و مبسوط سفرنامہ تین حصوں میں شائع کیا، اس میں معلّم صاحبان کے حالات و اسرار خاصہ تفصیل سے بیان کئے ہیں، اب کی نقل کی گئی ہے۔  
نہیں جبکہ جسے فقہ سے کافی ہوں گے، فرماتے ہیں:-

”گو یہ امر بد مزہ ہے، اور طبیعت پر اس کے اظہار سے ناگواری اور گرائی ہے کیونکہ یہ اخبار کی برائیاں نہیں ہیں، بلکہ خود اپنے عیب دوسری اقوام کے روبرو بیان کئے جاتے ہیں، مگر ان واقعات کا چھپانا جو حجاج کی ایذا کے باعث اور عرب کی بدنامی کے موجب ہیں، اس سے بھی زائد ناگوار ہے، پس کہتا ہی ہوں کہ علی العموم ان بزرگواروں (یعنی مصلحوں) سے ہندوستانی حجاج کو سخت ایذا و تکلیف پہنچتی ہو،

کے بھی بعض فقرے سننے کے قابل ہیں۔ مولوی صاحب موصوف جانتے ہیں، کہ اس قسم کی کوئی بات زبان سے نکالنا، خوش عقیدگی کے مذہب میں کتنا بڑا جرم ہے، اس لئے بیان کرنے سے قبل تمہید بیان یوں اٹھاتے ہیں :-

” اس کے بعد میں مطوفون کے پورے حالات لکھوں گا، میں خوب جانتا ہوں کہ اول تو لوگ اس کو باور ہی نہ کریں گے، اور اگر واپس آئے ہوئے حاجی میری اس تحریر کو دیکھیں گے، تو یقیناً مجھ پر میدنی یا اہل حرم کی عظمت کا دل میں خیال نہ ہونے کا الزام لگائیں گے، مگر دو خیالوں نے اس گستاخی کا ارتکاب کر دیا، اول یہ کہ یہ تحریر نامکمل نہ رہے، دوسرے جانے والے انتخاب آگاہ ہو جائیں“ (صفحہ ۵۵)

اس کے آگے مطوفون کے مناقب سنئے :-

” اب سنئے، مطوف آپ کے ساتھ ہرگز ہمدردی سے نہ پیش آئیں گے، وہ ظاہر ہی طور پر آپ کو چنی چڑی باتوں سے خوب خوش کریں گے، میں خادم ہوں، کفش بردار ہوں، آپ کی مرضی میں میری مرضی ہے، جو حکم دیجئے بجا لاؤں..... لیکن کسی شہر والے سے حتی الوسع آپکو ملنے نہ دیکھا، اگر..... جبراً قہراً ملا لیتا ہوں، تو خود یا اپنے ملازم کو جسے وہاں کی اصطلاح میں صبی کہتے ہیں، ساتھ کر گیا، جب آپ کے ساتھ ان میں سے کوئی ہوگا، تو اگر کوئی صلاح آپ چاہیں کہ وہاں کے کسی شخص سے مل سکیں، ناممکن ہوگی..... یہ برتاؤ عام لوگوں کے ساتھ ہے، خاص لوگوں کے ساتھ علانیہ تو ایسا نہیں کرتے، مگر درپردہ یہی تمام باتیں ان کے ساتھ بھی کی جاتی ہیں..... سو جسے سلف میں تبرکات کی خریداری میں مطوف کا حق لازمی ہو، جسکا پتہ آپکو نہ چلیگا جیسے بنارس یا لکھنؤ کے دلال ساتھ ہو لیتے ہیں، اور اشارہ کے ساتھ خریداری میں حق قائم

چنانچہ مولانا مجبوراً آئندہ عازم حج کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ پرانے مطلقوں کے  
 "کہ سے کسی ذی علم مجدد کے ساتھ ہولے ..... اور اسے ارکان

حج میں مطلقوں کا پابند نہ رہے" (۷۷)

فقہ حنفی میں ۱۷ کوٹہ سے کہ کی واپسی بعد زوال ہی درست ہے نہ کہ قبل زوال  
 لیکن ظالم مطلقوں کے ہاتھوں مولانا پر کیا گزری، اسے مولانا ہی کی زبان سے سنئے:

"بارہویں کو صبح سے مطلق کے ملازمین نے کہہ چلنے کے لئے قلعہ شریعہ کیا اور

بدون کو ایسا سبق پڑھایا کہ ہرگز زوال کے وقت تک ٹھہرنے کو راضی نہ ہوئے مطلق

کے ملازم کچھ پڑے ہوئے بھی تھے ایک کتاب میں سے ایک روایت امام ابو حنیفہ

کی دکھائی جس سے اس دن قبل زوال بھی رہی کرنے کا جواز نکلتا تھا، میں نے

کہا یہ روایت ظاہر روایت کے خلاف ہے، اور غیر معنی بہا ہے، مگر مطلقوں نے ایک

نہ مانا، مجبوراً ان کا ساتھ چھوڑنا پڑا، وہ میرا سارا مان لیکر چل دیئے، میں مع

اپنے چند رفیقوں کے رہ گیا، اور زوال کے بعد رہی کر کے روانہ ہوا، راہ میں مشکل

سواری کے لئے گدھا ملا" (۷۸)

مولانا کے مذہب میں عرب و اہل عرب کے متعلق شکایت کا ایک حرف بھی

زبان پر لانا گناہ، کسی کچھ اذیت پہونچی ہوگی، جب جا کر دے لفظوں میں اتنا

بھی ظلم سے نکلا۔

۱۹۰۳ء میں گورکھپور کے مشہور رئیس مولوی سبحان الدخان صاحب نے

سفر حج کیا، اور واپسی پر اپنا سفر نامہ میرا سفر حج کے عنوان سے شائع کیا، اس سفر نامہ

مولانا محمد حسین الہ آبادی کا نام بالکل غیر معروف نام نہیں، حضرت حاجی امداد  
 کے مرید و خلیفہ تھے، اور تمام تر عشق و محبت کے رنگ میں رنگے ہوئے اجیر بین عینِ حالت  
 سماع میں انتقال فرمایا، اور اس زمانہ میں سارے ہندوستان میں اس واقعہ کی دھوم  
 مچ گئی تھی، آج سے ۳۲، ۳۰ سال قبل ۱۳۱۹ھ میں جو تھنی بارج کے لئے تشریف لے گئے  
 اور دایسی پر والمانہ و ستانہ زبان میں مختصر سفرنامہ حاتمہ السکین الی البلد الامین کے نام سے  
 شائع فرمایا، داستان سفر کیا ہے، گویا داستانِ عشق ہے، عرب اور اہل عرب کے ساتھ  
 محبت و شفقت میں یہ غلو، کہ ان کے خلاف ایک حرف شکایت سنا بھی گوارا نہیں، اور  
 صفت وغیرہ) با انیمہ آپ بیتی بیان کرتے وقت یہ لکھنے پر مجبور ہیں، کہ مکہ سے ۸ روزی بحیرہ  
 کو مٹی روانہ ہوتے وقت

” اس سال اونٹوں کے بلنے میں بہت دیر لگی، اس وجہ سے عصر کے وقت مکہ سے

روانگی ہوئی، مغرب حدود مٹی میں پڑھی، اور عشا کے وقت مٹی میں قیام ہوا، فجر کی

نماز پڑھ کر وہاں سے چلنا چاہئے تھا، مگر بدو اور مطون کے ملازمین نے نہ مانا، مٹی

میں قیام بھی مشکل میرے اصرار سے کیا تھا، اخیر شب میں عرفات کو چل دیئے، اور

قبل طلوع آفتاب وہاں پہنچ گئے، بدو اور مطون چونکہ ہمیشہ حج کو آیا جاتا کرتے

ہیں اور مقصود ان کا حج ہوتا بھی نہیں، فقط حاجیوں سے تحصیل زر مد نظر ہوتی ہے

اس وجہ سے ان کی نظر میں سنن یا مستحبات چندان با وقت نہیں ہوتے .....

یہ ستم پیشہ مطوفین اور ان کے ملازمین اس کا کچھ بخانا نہیں کرتے، اور اپنی تھوڑی

سی راحت کے لئے ان کو (یعنی حاجیوں کو) رنج بھی پہنچاتے ہیں اور ثواب سے

مردم رکھتے ہیں“ (ص ۶۲/۶۱)



# باب ۳۸

## ”جملہ متعرضہ“

معلم عبدالقادر سکندر کے مظالم کا تذکرہ بار بار آچکا ہے، عجیب نہیں کہ بعض ناظرین اس  
 تذکرہ سے اکتا گئے ہوں، لیکن حقیقتہً جو کچھ کہا جا چکا ہے، اس سے کمین زیادہ وہ ہے، جو  
 نہیں کہا گیا ہے! آپ میتی کے پہ چند موٹے موٹے واقعات تھے، جبکا ذکر ناگزیر تھا باقی  
 اگر وہ کل جزئیات لکھے جائیں، جو ہم لوگوں کو پیش اگر رہے، یا ہم نے دوسروں کو پیش  
 آتے دیکھے، اور کسی ایک پر نہیں، بلکہ امیر احمد صاحب علوی کا گوروی، ڈسٹرکٹ جج نیچے  
 سے لیکر غریب سے غریب ہر طبقہ کے حاجیوں پر گزرتے دیکھے، اگر ان سب کو لکھا جائے،  
 تو یہ سفرنامہ، سفرنامہ کے بجائے اچھا خاصہ ”سکندر نامہ“ بن کر رہ جائے، اور سکندر نامہ بھی  
 پرانے طرز کا ”بری“ یا ”جری“ نہیں، بلکہ نئے طرز کا ”رگستانی“! ————— خوش عقیدہ  
 ناظرین اپنے دونوں میں کہہ رہے ہوں گے، کہ یہ عجیب طرح کا مسافر حجاز ہے، گیمنا تھا ج  
 کرے، اور لنگا معلم کے مظالم کا دکھڑا رہنے، اگر واقعہً معلم کی ذات ایسی ہی ظالم و وحشیانہ  
 خود غرض دہے، وہ ہوتی ہے، تو آخر دوسرے حجاج یہ شکوے کیوں نہیں کیا کرتے،  
 اتنا شہ و شب ہی تنہا کیوں کر رہا ہے؟ لیکن خوش بینند حضرات کا یہ حسن ظن، معصومیت  
 بہ تباہ کار پہلا مسافر حجاز حسین، جس نے مسلمانوں کے خلاف فریاد برپا کیا، تیرا

اور حرم شریف سے باہر اگر مساکین کو کچھ صدقہ بھی دیدے، عصر اور مغرب کے درمیان ہم  
لوگوں کا سامان بندھ کر تیار ہو گیا، مغرب کی نماز حرم میں پڑھی، اور بعد نماز طواف و دعا  
کے مراتب سے فانی ہوئے، مغرب پڑھے ہوئے کوئی پون گھنٹہ گزرا ہوگا، کہ ہم لوگوں  
کے قدم اہدود حرم شریف سے باہر آ گئے، یہ وقت بھی عجیب ہوتا ہے، کوئی ہشاش بشاش کوئی  
غملین و افسردہ، کسی کا دل امیدوں اور انگون سے لبریز، اور کسی کا قلب غم و حسرت کے  
بار سے دبا ہوا، کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ اب دوبارہ ان آنکھوں کو یہ دربار اور یہ دریا دیکھنا، ایک  
نصیب ہوگا، کسی کو یہ یقین کہ پھر آئیں گے اور بار بار آئیں گے، اور سو بار اگر وداع و رخصت  
کی تلخیاں جھیلین گے تو ہزار بار آمد و وصال کی لذتیں اور حلاوتیں بھی حاصل کریں گے، کوئی  
مغموم کہ کعبہ چھوٹ رہا ہے، کوئی مسرور کہ کعبہ ساتھ چل رہا ہے، اپنی اپنی نسبت اور اپنا اپنا  
ظرف، کس کو خبر کہ دونوں کے مالک کی نظر میں کس کی نذر مقبول، اور کس کا تحفہ قابل قبول

یہاں بعد عصر بھر آنا ہوا اور اس وقت ہر طرف سے عاجز و مجبور ہو کر یہیں سے  
اس مضمون کا تار قاری الحق صاحب کی وساطت سے منشی احسان اللہ صاحب انگریزی  
دیس کا نسل جگہ کے نام دینا پڑا۔

۱۳۰۰ء سے برابر سواری کی تلاش ہے، معلوم کے بھی نہ پورے ہونے والے وقت

اب تک یہاں روکے ہوئے ہیں

خدا کی شان، کہ جو قوی القلب اللہ سے نڈرتھا، وہ احسان اللہ سے ڈر کر خود اسواری  
کا انتظام کر لایا اور آدھ گھنٹہ کے اندر معلوم نے خود اگر یہ خبر دی کہ لاری کا انتظام ہو گیا  
اور اب ہم لوگ جب چاہیں روانہ ہو سکتے ہیں!

رخصتی کا طواف، طواف الوداع کہلاتا ہے، ملک الملوک کے دربار کا یہ آخری  
سلام ہوتا ہے، طواف الصدر و طواف الافاضہ بھی اسی کے نام ہیں، یہ طواف وطن و پیا  
جانے والوں پر خفی مذہب میں واجب ہے، البتہ عورتیں اپنے خاص زمانہ میں اس  
وجوب سے مستثنیٰ ہیں، یہ طواف اسی طرح ہو گا، حیرت اور سب طواف ہوتے ہیں، فرق  
صرف اتنا ہے کہ اس میں رمل نہیں، باقی سات چکر کا طواف مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنا،  
زمزم پینا، حجر اسود کو بوسہ دینا، اور موقعے تو ملتزم سے لپٹنا، یہ چیزیں اس طرح دستور  
رخصت کے وقت کی بعض دعائیں جو حرم شریف کے دروازہ سے باہر نکلنے وقت پڑھی جاتی  
ہیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، معلوم اس وقت پڑھا دیتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ کعبہ سے جب روانہ  
ہونے لگے، تو اٹے پاؤں درجہ تک آئے، حج کی مقبولیت کی، اور دوبارہ حاضری کی  
بار بار دعا کرے، اور کعبہ سے جدائی پر انکھیں روئیں یا نہ روئیں، لیکن کم از کم دل ضرور روتا ہو

کے درمیان عدم تطابق صرف ہندوستان ہی کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ بیت اللہ کے جوار میں بھی ٹھیکرہ آسانی ممکن ہے، بہر حال سارے دن کی بے نتیجہ تگ و دو کے بعد ہم ار کا بھی دن ختم ہو گیا، اور سواری کے ہم پہنچنے کی کوئی صورت نہ نکلی، داروغہ حبیب اللہ بیچا لے نے اخلاص مندی کے ساتھ بہت کچھ مدد کرنی چاہی، لیکن معلم صاحب کے دائرہ پیچ کے سامنے وہ بے بس تھے،

زائد سامان اونٹوں پر لاد کر ہم ار کی شب میں جدہ روانہ ہو چکا تھا، اب ہم لوگ تھے اور سعی واپسی وطن، صبح اور شام کے اوقات اور دوپہر اور سہ پہر کے گھنٹے اسی کام کے لئے وقف تھے، کہ ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر سواری کی تلاش میں دوڑا جا اور ہر در سے محروم و مایوس واپس آیا جائے، کیسی نازین اور کہان کے طواف ایک سودا تھا کہ سر پر اور ایک چکر تھا کہ پیرون پر سوار تھا، اور کوجہ کا دن تھا، صبح کے اوقات تو انھیں سرگردانیوں کی نذر ہوئے، دوپہر کو جب نازجہ کے لئے حرم شریف کے اندر پہنچے ہیں، تو جگہ مطلق نہیں، آج حرم شریف مائتہ نمازیوں سے کچھ کچھ بھرا ہوا ہے، رکوع و سجود کا ذکر نہیں، اکھڑے ہونے تک کی گنجائش نہیں، مجبوراً حرم شریف کے اندر کی جماعت کا خیال ترک کر کے باب ابراہیم کے بالاخانہ پر مدرسہ خزیہ عثمانیہ کے جو کمرے ہیں، ان میں چڑھ گئے، اور قاری الحق صاحب مہتمم مدرسہ کے لطف و کرم سے، کسی نہ کسی طرح، یہاں جگہ مل گئی، فاصلہ اس قدر تازہ و باہر سڑک پر شور و ہنگامہ اتنا کہ تکیہ کی آواز تک نہیں سناؤ دیتی تھی، اٹے سیدھے، جس طرح بن پڑا، کسی طرح نماز ادا ہو گئی، منہ پر کو مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، اس تقریب سے

شتر غزون سے ایک بار پھر سابقہ شروع ہوا،

مدینہ سے روانگی کے وقت، سواری کے دستیاب ہونے میں، جو جو زحمتیں پیش  
آئی تھیں، ان کا تذکرہ اپنے مقام پر آچکا ہے، خیال یہ تھا، کہ یہ تخت سلطانی ہی ہین  
کے انتظامات بہت بہتر ہوں گے، اور ہر طرح نظم و باقاعدگی ہوگی، تجربہ سے معلوم  
ہوا، کہ اس زمین کا بھی آسمان وہی ہے، اگرچہ زمین کہنی، جس کی لاریوں پر جدہ سے مدینہ  
تھے، اور مدینہ سے مکہ پہنچے تھے، اس کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا، اب نئی سواری کا انتظام  
کرنا تھا، اور یہ یاد رہے کہ سواری کا انتظام معلّم ہی کی معرفت ہو سکتا ہے، براہ راست  
کوئی حاجی اپنی سواری کا انتظام نہیں کر سکتا، کرنا چاہے تو کوئی سواری والا اس  
سید سے نہ بات بھی نہ کرے گا، بلا واسطہ معلّم، سواری کا انتظام، قانون حکومت کا جرم  
ہے، ایک تاجر عبد المجید کتبی ہندی ہیں، ان کے نام میسّی سے چلتے وقت سیٹھ عمر بھائی  
چاند بھائی نے تعارف نامہ لکھ دیا تھا، ان کی موثرین چلتی ہیں، ان سے درخواست کی،  
اور بار بار کی، پہلے تو بہت اخلاق سے ملے، لیکن یہ خاص غرض جب پیش کی گئی، تو  
پہلے کچھ گول سے جوابات دیئے، اور کئی مرتبہ کی دوڑ دھوپ کے بعد بالآخر انکار  
فرمادیا، ایک تعارف نامہ وہلی کے مشہور حاجی علی جان والون کی کوٹھی کے شیخ عبدالنور  
صاحب کے نام بھی تھا، ان کی صبح کو ان سے ملاقات کی، امداد کا وعدہ فرمایا، اپنے  
بعض بزرگ عزیزوں کے نام چٹیان لکھ دیں، ان میں سے ایک بزرگ نے جکا نام  
غالباً عبید اللہ صاحب تھا، سواری دینے کا پورا وعدہ بھی کر لیا تھا، ان کے درویش  
پر خدا معلوم کتنی بار حاضری دینی پڑی، امداد بالآخر یہ معلوم ہوا کہ وعدہ اور ایفاد

مین پانچ کالم، حجاز میں سالانہ چندہ ۳۰۰ ریال ہے، اور باہر کے لئے ۶۰ ریال (ایک ریال سعودی، انگریزی سکے میں ۸۰ آئے کا ہوتا ہے، یا کچھ زیادہ جو لوگ حج و حجاز کے متعلق سرکاری اطلاعات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں، ان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے)

حاجیوں کو عموماً حج سے فراغت کے ساتھ ہی مکہ سے روانگی کی جلدی پڑ جاتی ہے، کچھ مدینہ جانا چاہتے ہیں، اور کچھ وطن واپس ہونا، ٹھہرنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں، بعض بزرگوں کے ارشادات بھی اسی قسم کے ہیں، کہ حج کے بعد ہی روانہ ہو جانا چاہئے، زیادہ قیام نہ کرنا چاہئے، حضورؐ نے صحابہؓ سے بھی بعد حج صرف تین دن کیلئے قیام کے لئے فرمایا تھا، ہم لوگوں کو واپسی کی عجلت تھی، اور پروگرام یہ تھا کہ جدہ سے پہلے حجاز پر روانہ ہو جائیں گے، منشی احسان الدخان صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ پہلے جہاز پر جگہ ملنے کی ذمہ داری صرف اسی صورت میں کیجا سکتی ہے کہ جلد سے جلد یعنی ۱۳ مارچ کو جدہ آجاؤ، مئی سے ہم لوگ ۱۲ مارچ کی شام کو مکہ واپس آگئے تھے، اور خیال یہ کئے ہوئے تھے کہ ۱۳ مارچ ہی کو کسی وقت جدہ پہنچ جائیں گے، موٹر گاؤں ڈھائی گھنٹہ کا راستہ ہے بات ہی کیسا ہے، جس وقت چاہیں گے جیل کھڑے ہوں گے ————— تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ محض حسن ظن تھا واپسی اتنی آسان ہرگز نہیں جتنی ہم لوگ سمجھے ہوئے تھے، پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ واپسی کے لئے سواریاں اسی وقت مل سکتی ہیں جب پہلے مشورہ سلطانی جاری ہوئے، بغیر فرمان شاہی جاری ہوئے، کسی سواری کا ملنا خلاف قانون ہے، اور فرمان کے لئے یہ لازمی نہیں کہ اسکا اجرا ۱۳ مارچ ہی کرنا ہو جائے، بغیر خدا کر کے ۱۴ مارچ کو فرمان جاری ہوا، اور اس کے بعد اب معلم صاحب کے

کا نہ وقت ملا نہ ان کے باب میں کوئی مفصل واقفیت حاصل ہوئی، مگر محض عبادت گاہ نہیں  
 اچھا خاصا وسیع تمدن شہر ہے، مدرسہ، اسپتال، ہوٹریں، سائیکلین بجلی کی روشنی اور ٹیکے  
 برتن پریس، ہوٹل سارے لوازم تمدن موجود عبادات سے اگر قطع نظر کر کے محض تمدنی  
 حیثیت سے نگاہ دوڑائی جائے تو یہ معلوم ہی نہ ہوگا کہ حجاز کا کوئی شہر ہے، بس یہ معلوم ہوگا  
 کہ لکھنویا کان پور یا اگرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں بہت وسیع بازار، حسین علی سے اعلیٰ ولایتی  
 اکیڑا ہر قسم کا موجود، بہتر سے بہتر کھانے کی دوکانیں اور ہوٹل تلاش کیجائے، تو ہر مذاق  
 کا کھانا مل سکتا ہے، مٹھائیاں، پھل میوے، بہ افراط، تار گھرے، ٹیلیفون ہو، اور غالباً  
 لاسکی کا بھی اسٹیشن موجود، علاج، ترکون کے زمانہ سے عموماً ڈاکٹری ہونے لگا ہے، تاہم  
 یونانی طبیوں کی بھی کمی نہیں، اور دہلی کے دواخانوں سے آئی ہوئی یونانی دوائیں بھی  
 اچھی اور قابل اطمینان مل جاتی ہیں، دہلی، اوڈھ، پنجاب، دکن، بمبئی، گجرات، ہندوستان کے  
 نہر صوبہ اور ہر گوشہ کے باشندے اچھی خاصی تعداد میں آباد، اور ہندوستان کی یاد کو  
 تازہ رکھے ہوئے ہیں، حکومت وقت کی عنایت قدردانہ اہل حدیث پر زائد ہے، اور  
 جسکا اس گروہ سے کچھ بھی تعلق ہو وہ فی الجملہ صاحب رسوخ و اثر مصری اخبارات  
 برائیل کے علاوہ ہندوستان سے اردو کے پرچے بھی اچھی تعداد میں جا بجا آتے  
 رہتے ہیں، ایک ہفتہ وار اخبار ام القری کے نام سے نکلتا ہے، ہر جمعہ کو شائع ہوتا  
 ہے، دفتر حرم شریف سے قریب ہے، ولیعہد کے محل کی پشت پر واقع ہے، سچے سے تباہ  
 ہے، وقت ہوتا تو اند جا کر دیر سے ملاقات کیجاتی، اور دفتر کے حالات کا مشاہدہ  
 ہوتا، اب اسے تو دفتر کی عمارت خاصی شاندار معلوم ہوتی ہے، پرچہ کی حیثیت نیم  
 سرکاری بلکہ کہنا چاہئے کہ سرکاری ہی ہے، بڑی قیطع کے چار صفحے ہوتے ہیں ہر صفحہ

اور سوا سورد پیہا ہوا غالباً اور بار بھوپال سے امداد ملتی رہتی ہو، کچھ متفرق چندوں  
 سے مل رہتا ہو، موسم حج میں مکانِ مدرسہ کرایہ پر اٹھا دیا جاتا ہو، اور چونکہ حاجیوں  
 کے لئے بہترین موقع پر واقع ہو، اس لئے کرایہ خاصہ معقول وصول ہو جاتا ہو، سلسلہ  
 سلسلہ میں دو ہزار سے اوپر کی رقمیں حاصل ہوئیں، مجموعی آمدنی اوسطاً ۷۰۰ ہزار  
 سالانہ کی رہتی ہو، مصارف بھی ۷۰۰ ہزار سے کم نہیں ہوتے، سلسلہ میں آمدنی بہت  
 ہی کم ہوئی تھی، مالی حالت قابلِ اطمینان نہیں، اہل خیر کی توجہ و التفات کی ضرورت  
 ہے، مدرسہ کے ہتم قاری محمد اسحق صاحب مدرسہ کی رپورٹ ہمدرد پریس دہلی میں  
 چھپوائے تھے، ان کے نام سے واقفیت اس ذریعہ سے ہوئی، پھر ایک بار غالباً سلسلہ  
 میں حیدر آباد میں سرسری ملاقات بھی ہوئی تھی، بڑے مستعد کار گزار صاحب  
 ہمت اور خدمت گزار شخص ہیں، مدرسہ کی ترقی کے لئے بڑے بڑے منصوبے رکھتے  
 ہیں، لیکن پچاس لے بے زرعی اور تہمتی سے معذور ہیں، مدرسہ کی عمارت اپنی  
 ذاتی نہیں، کرایہ کے مکان میں ہے، اور مصارف کی سب سے بڑی مدد ہی کرایہ عمارت  
 ہے، ایک ایک سال میں بارہ بارہ تیرہ تیرہ سورد پیہا کرایہ میں دینا پڑتا ہے،  
 ہندوستان کے جو اہل کرم مدد کرنا چاہیں، وہ حاجی عبدالغفار صاحب  
 کو ٹھٹی علی جان صاحب مرحوم، چاندنی چوک، دہلی، یا حاجی عبداللہ بھائی،  
 عبدالرحیم صاحب، ناگہیوی اسٹریٹ، ممبئی، کے ذریعہ سے روپیہ مدرسہ کے نام  
 بھیج سکتے ہیں،

لکھ میں ان دونوں کو علاوہ اور بھی مدرسے میں، لیکن ان تک پہنچنے



کا کفارہ کر رہی ہو، لیکن مدرسہ اب بھی ماشاء اللہ اچھی حالت میں ہو، غالباً بارہ بارہ سالانہ کی اعانت سرکار نظام اور سرکار بھوپال دونوں سے ہوتی رہتی ہو، ۸۱ انتہ ۸۲ سالانہ نواب مختاری کے ہاں سے مقرر ہیں، اور متفرق چنڑے ہیں، مدرسہ کی عمارتیں خاصی وسیع و عالی شان ہیں، لاکھ سو لاکھ سے کیا کم لاگت میں تعمیر ہوئی ہوگی، ساہی کہ ۲۵ ہزار کی رقم سرکار تحفینہ سے یکشت ادا ہوئی تھی، طلبہ میں حجازی، بخاری، ہندی، جاوی، مراٹھی، سب ہی قومیں شامل ہیں، گوافوس ہو کہ حجازیوں کی تعداد بہت کم ہے، تعلیم شروع میں طلبہ کی مادری زبان میں ہوتی ہو، استاد بھی مختلف قوموں کے ہیں، دارالمطالعہ میں اس وقت ہمدرد جاتا تھا، پتہ جا رہا ہو، اور بھی ہندوستان کے مختلف پرچے، بحیثیت مجموعی ہندوستانیوں کا ایک اچھا خاصہ مرکز ہو، ناظم مدرسہ مولانا محمد سعید کیرانوی اس وقت رخصت پر اپنے وطن میں ہیں، قائم مقام ناظم مولوی محمد سلیم کے حسن اخلاق کا تذکرہ بار بار سچکا ہو، مدرسہ باوجود اپنے موجودہ فدا یح آبدنی کے اہل خیر کی امداد کی ضرورت سے بے نیاز نہیں،

خیر البلا دین، ہندیوں ہی کا ایک دوسرا قابل ذکر مدرسہ، مدرسہ خرنغمانہ ہے، یہ مدرسہ تاجدار دولت آصفیہ میر عثمان علیخان بہادر، صفیہ کے اسم گرامی کی قائم منسوب ہے، اور حرم سے بالکل متصل، بلکہ کہنا چاہئے کہ حرم شریف کے اندر ہی باب ابراہیم کے بالا خانہ کی چھت پر اس کے کمرہ واقع ہیں، ان کمروں میں لاگر نماز پڑھی جائے، تو گویا حرم شریف ہی کی نماز سمجھی جاتی ہو، طلبہ میں، ہندی، حجازی، جاوی سب قوموں کے بچے شامل ہیں، دو سو روپیہ ماہوار سرکار نظام

# باب ۳

## رخصتی

مدرسہ مولیٰ قیہ کا نام اور مجمل تذکرہ اوپر گئی بار آچکا ہے، تمام ہندوستان میں پہلے سے مشہور ہے، مجمل تذکرہ نے دلوں میں اشیاق بڑھا دیا ہوگا، تفصیل کی نہ ان صفحات میں گنجائش نہ یہ اس کا محل، لیکن اتنا کہہ دینے اور آپ کے سن لینے میں کوئی ہرج نہیں، کہ سرزمین عرب پر ہندوستانیوں کے قائم کئے ہوئے مدارس میں شاید سب سے زیادہ پرانی اور مشہور درس گاہ یہی ہے، مولانا رحمۃ اللہ کیرانہ ضلع مظفرنگر کے باشندہ، ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے قبل، ہندوستان کے ایک نامور مناظر عالم تھے، مشہور دشمن اسلام پادری فنڈر کو ان ہی نے میدان مناظرہ میں شکست دی تھی، سرکار برطانیہ کی نگاہ میں معنوب و مشکوک قرار پائے، ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے آئے، اور یہیں کلکتہ کی فیاض و عالی ہمت خاتون صولت النساء سلیم کی مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ میں اس دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور اُس وقت سے اب تک خدا کے فضل سے یہ مدرسہ بخوبی چل رہا ہے، زمانہ کے انقلابات بھی قابل دیدہ پیتے ہیں، سلطان عبدالعزیز خان اور سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ میں مولانا کی بڑی قدر و تکریم ہوتی رہی، موجودہ حکومت حجاز، کارکنان مدرسہ کے ساتھ شاید ان "غلیطوں"

صدیوں کی مدت میں اور لاکھوں کی آبادی میں، وہی چار پیدا ہوتے ہیں، یہ کر دہا  
 کر دہا اور ارہا، رب مخلوق جو اس ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں روئے زمین  
 کے ہر برگ و شاخ میں پیدا ہوتی رہی، اور آئندہ خدا معلوم کب تک پیدا ہوتی رہے، کیا  
 ان سب کی محنت، حج اور سفر حج کے لئے سرے سے بے کار و لا حاصل ہی رہتی ہے؟  
 —————  
 قربان جائیے اس کی رحمت کے جو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم  
 اور سب کرم کرنے والوں سے بڑھ کر کریم ہے، کہ اس نے ایسے رحمتہ للعالمین کو ہادی  
 و دلیل، حاکم و حکیم، مرشد و معلم بنا کر بھیجا، جس نے اپنے ہر نمونہ عمل میں اقویاء سے کہیں یاد  
 ضعیف اور کمزور سے کہیں زیادہ بہت ہمتوں کا بڑوں سے کہیں زیادہ چھوٹوں  
 کا اور طاقت والوں سے کہیں زیادہ کمزوروں کا خیال رکھا، اس سب سے زیادہ  
 کامل اور سب سے زیادہ مقبول حج کرنے والے کے حج و اعمال حج و سفر حج کی ایک  
 تفصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں قلمبند ہے، اور وہ جو آخرت میں ہر بے کس  
 کا سہارا اور ہر بے آس کا آسرا ثابت ہوگا، اس دنیا میں بھی ہر طاعت اور ہر عبادت  
 کی طرح حج کے معاملے میں اپنے ذاتی عمل سے، بختیوں اور مشقتوں کے بجائے سہولتوں  
 اور آسانیوں کی راہ کھول گیا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسی کے اتباع میں ہر باغی  
 کو اس کی جھلک اور ہر ناامید کو امید کی شمع نظر آتی ہے،

رکھنا چاہئے۔ فلان عمل کے ذریعہ سے یوں تزکیہ نفس کرنا چاہئے، فلان عمل کو یوں  
اپنی اصلاح کا وسیلہ بنانا چاہئے، اور فلان فلان اعمال سے ان ان مجاہدات کا کام  
لینا چاہئے، اور پھر ہر ہر مجاہدے کے ساتھ تابعین سے لیکر اپنے زمانہ کے اولیاء کبار  
کی حکایات بھی درج کی ہیں، جس جج کے مقبول کے لئے مقبولوں کو یہ یہ مشقتیں  
جھیلنی پڑی ہوں، اس کی مقبولیت کا ہم جیسے تباہ کار بھی خواب میں بھی گمان نہیں کر سکتے  
ہیں؟ جس طاعت کے ادا کرنے میں اللہ والوں کو یہ یہ ریاضتیں اٹھانی پڑی ہوں  
اس کے مقبول ہونے کا ہم نفس کے بندے کبھی بھی حوصلہ کر سکتے ہیں؟ و عارفوں نے  
جس عبادت کا معیار یہ رکھا ہو، ہم تنہا یہ مایہ کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے کسی  
درجے میں بھی بن پڑی! ————— پھر کیا سفر حج کی یہ ساری دوڑ دھوپ  
خدا نخواستہ لا حاصل ہی رہی؟ اور وطن سے بے وطن ہونے، بیسویں اہل وطن سے  
دور رہنے، سیکڑوں روپیہ صرف کرنے، موسم کی سختیاں اٹھانے کا نتیجہ، خدا نخواستہ  
کچھ بھی نکلا؟

بڑوں کی باتیں بڑوں پر چھوڑیے، کچھ اوروں میں خرگوش کا دم کہاں سے لائے  
جو مفلس و بے نوا ہے، وہ تاجداروں اور زہین کلاہوں کی ریس کا حوصلہ کیوں کرے؟ اور  
موضعیت سلیمان وقت کی ہمسری کا سودا ہی اپنے سر میں کیوں پیدا کرے؟ جو اللہ کے  
شرہین ان کا معاملہ انھیں پر چھوڑیے، اگر کہیں لوازم حج میں وہی سب کچھ داخل ہوتا  
جو ابھی بیان ہوا ہے، اگر کہیں قبول حج کے لئے ہی سب شرطیں ہوتیں، تو فرمائیے، کہ ہم  
جیسے ضعیفوں اور زہنون بہتوں کا کیا حشر ہوتا؟ جنید دیا یزدی، بھویرمی وغرائی، تو کہیں



مقام تن امن باشد از دشمن و دشمن ایشان  
و دخول مقام دل امان بود از قطعیت  
و اخوات آن،  
رکعت الحجب رکعت الحجاب ثامن

اور اس طرح مقام غلبت پر فائز ہو جائے، تن  
تن میں داخل ہونے کے معنی دشمن و دشمن دشمن  
سے امان پا جانے کے ہیں، اور مقام دل میں  
داخل ہونے کے معنی اللہ کی جدائی اور  
اس کے سناج سے محفوظ ہو جانے کے ہیں،

دل والوں نے جب جب حج کئے ہیں، اس طرح کئے ہیں کہ محض تن والے ننگ  
رہ گئے ہیں، نہ زاد و توشے کی فکر کی ہے، نہ مرکب و راحلہ کا سامان کیا ہو، نہ رفیق و عزیز کو  
ہمراہ لیا ہے، نہ منزلوں پر پہنچ کر قیام کیا ہے، نہ پانی کی صراحیان ساتھ لی ہیں، تن تنہا  
اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور خالی ہاتھ چل دیئے ہیں، بادیہ کی چٹلاتی ہوئی ریگ پر ننگے  
پیر، اور عرب کی تمنا تھی ہوئی دھوپ میں ننگے سر، ایک دو دن کی نہیں ہفتوں اور مہینوں  
کی مسافیتیں طے کی ہیں، روزوں پر روزے رکھے ہیں، اور فاقوں پر فاقے کئے ہیں،  
کوئی ایک دو مثالیں ہوں تو درج کی جائیں، کس کس کے نام، اور کہاں تک گئے  
جائیں، طاؤس الفقرا شیخ ابو نصر سراج اپنی کتاب اللعین میں اس طرح کی بہت ساری  
حکایات و روایات درج کر کے لکھتے ہیں، کہ ان اللہ والوں کے آداب حج یہ ہیں کہ یہ  
تب میقات پر پہنچ کر غسل کرتے ہیں، تو اپنے جسم کو پانی سے دھونے کے ساتھ ہی  
اپنے قلب کو توبہ میں غل دیتے ہیں، جب احرام پہننے کے لئے اپنے جسم سے لباس اتار  
ہیں تو قلب سے بھی لباس محبت دنیا اتار ڈالتے ہیں، جب زبان سے لبیک لا شریک  
لک لبیک کہنا شروع کرتے ہیں، تو حق کو پکارنے کے بعد شیطان و نفس کی پکار پر جواب

اور صاحب خانہ و دونوں کا جلوہ دکھایا اور جب تیسری بار گیا تو صرف صاحب خانہ ہی کا جلوہ ہر طرف دکھائی دیا اور مکان کے در و دیوار نظروں سے غائب! شیخ عجمی حنبلی نے یہ سب حکایات و اقوال نقل فرمائے ہیں، خود اپنی تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ حرم کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر مقام ابراہیم ہے، اور مقام ابراہیم کی دو قسمیں ہیں ایک مقام تن، ایک مقام دل، مقام تن کا نام مکہ ہے اور مقام دل کی تعبیر مرتبہ خلعت ہے جن کی حمتیں محض مقام تن تک محدود ہیں، انہیں چاہئے کہ اپنا معمولی لباس اتار کر احرام کی کفنی پہنیں، حدود و حرم میں شکار نہ کھیلیں، عرفات میں حاضر ہوں، اطواف کریں، وقب علیٰ ہذا، لیکن جب کا حوصلہ یہ ہو کہ مقام ابراہیم کے مقام دل تک پہنچے تو اسے چاہئے کہ:-

چون کے قصد مقام دل وے کند از انوائے	اپنے شوق و خواہش کی حیروں کو چھوڑ دے لڑائی
اعراض باید کرد و بہ ترک لذات و راحت	اور راحتوں کو ترک کر دے، غیر اشد کا تذکرہ
و گفت از ذکر اغیار معرض شود ز انجیر	تک زبان پر نہ لائے، اس لئے کہ عالم کون
النفات وے بہ کون مخلوط باشد آنگاہ	کی جانب التفات ہی اس وقت ممنوع ہے
بہ عرفات معرفت قیام گیرد و از ان جا	اس کے عرفات معرفت میں وقوف کرے
قصد مزدلفہ اغت غسل گیرد و از ان جا سر	وہاں سے مزدلفہ لغت کا قصد کرے، وہاں
را بہ طواف حرم تنزیہ حق فرید ننگ	اپنے قلب کو تنزیہ حق کے طواف کے لئے
ہو او خاطر اے فساد را بہ مناسک ایمان	روانہ کرے، اور مناسک ایمان میں خواہشات
بیزارد و نفس را اندر سحر گاہ مجاہدات	نفس کے سنگریزوں کو پھینک دے، قربانگاہ
قربان کردہ بہ مقام خلعت رسد پس دخول	مجاہدات میں اپنے نفس کی قربانی پیش کر دے

کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے قربانی ہی نہیں کی، پھر پوچھا کہ جب لنگر این ماری تھیں تو اپنے جہل اور نفسانیت پر بھی ماری تھیں؟ کہا کہ یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے رمی بھی نہ کی، اور اس ساری گفتگو کے بعد آخرین فرمایا کہ تمہارا حج کرنا نہ کرنا برابر رہا، اب پھر جاؤ، اور صحیح طریقہ پر حج کرو،

سید الطائفہؒ کی یہ ساری تقریر محض خیال آرائی و تخیل طرازی نہیں، حضرت ذوالنون مصریؒ اپنی آنکھوں کی دیکھی بات بیان کرتے ہیں کہ متیٰ مین نے ایک جوان کو دیکھا کہ جس وقت ساری خلقت قربانیوں میں مصروف تھی، وہ سب الگ چپکا بیٹھا ہوا ہے، مین برابر اس کی طرف دیکھتا رہا، کہ دیکھوں اب یہ کیا کرتا ہے، آخرین نے دیکھا کہ اس نے مناجات شروع کی، کہ اے پاک پروردگار! ساری خلق قربانی کرنے میں مشغول ہے، مین چاہتا ہوں کہ تیرے حضور میں خود اپنے نفس کی قربانی پیش کروں، اسے قبول فرما یہ کہا اور اپنی انگشت شہادت کو اٹھایا، اور دھڑ سے زمین پر گر پڑا، مین نے قریب جا کر دیکھا تو روح پر واز کر چکی تھی، اللہ اللہ! بڑوں کی باتیں بھی کیسی بڑی ہوتی ہیں، انھیں جو کچھ ملتا ہے، وہ سب کے نصیب میں لے آ سکتا ہے، وہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں، اسے دیکھنے کے لئے ہر اندھا، کہاں سے آنکھیں لائے! حضرت بانیؒ لبساطیؒ فرماتے ہیں کہ وہ عبادت ہی کیا، جو کی آج جائے، او اس کا ثواب کل کے لئے ادھار ہے، اللہ کی طاعت کے معنی تو یہ ہیں، کہ طاعت او مزد طاعت ساتھ ہی ساتھ دم نقد وصول! چنانچہ اپنے متعلق فرماتے ہیں، کہ جب پہلی بار حج کو گیا، تو بجر خانہ کعبہ کے اوپر کچھ دکھائی نہ دیا، دوبارہ گیا تو خانہ او



فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضرت جلیل مجدداً کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ جواب ملا کہ حج سے واپس ہو رہا ہوں، پوچھا حج کر چکا؟ عرض کیا کہ کر چکا، فرمایا کہ جس وقت گھر سے روانہ ہوئے، اور عزیزوں سے جدا ہوئے تھے، اپنے تمام گناہوں سے بھی مفارقت کی نیت کر لی تھی؟ کہا نہیں، یہ تو نہیں کیا تھا۔ فرمایا بس تم سفر حج پر روانہ ہی نہیں ہوئے، پھر فرمایا کہ راہ میں جون جون تمہارا جسم منزلیں طے کر رہا تھا، تمہارا قلب بھی قرب حق کی منازل طے کرنے میں مصروف تھا؟ جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہوا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے سفر حج کی منزلیں ہی طے نہیں کیں، پھر پوچھا کہ جس وقت احرام کے لئے اپنے جسم کو کپڑوں سے خالی کیا تھا، اس وقت اپنے نفس سے بھی صفات بشریہ کا ابسوس کیا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تم نے احرام ہی نہیں باندھا، پھر پوچھا کہ جب عرفات میں وقوف کیا، تو کچھ معرفت بھی حاصل ہوئی؟ کہا کہ یہ تو نہیں ہوا، فرمایا کہ پھر تم نے عرفات میں وقوف ہی نہیں کیا، پھر پوچھا کہ جب مزدلفہ پر اپنی مراد کو پہنچ چکے، تو اپنی ہر مراد نفسانی کے ترک کا بھی عہد کیا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر مزدلفہ تم حاضر ہی نہیں ہوئے، پھر پوچھا کہ خانہ کے طواف کے وقت صاحب خانہ کا بھی جلال نظر آیا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہیں ہوا، ارشاد فرمایا کہ پھر تمہارا طواف ہی نہیں ہوا، پھر پوچھا کہ جب صفا و مروہ کے درمیان کسی کی تھی، تو مقام صفا اور درجہ مروہ کا بھی کچھ ادراک ہوا تھا؟ کہا کہ یہ تو نہیں ہوا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر کسی بھی تم نے نہ کی، پھر پوچھا کہ جب منیٰ آئے تو اپنی ساری آرزو کو تم نے فنا کیا؟ کہا کہ یہ تو نہیں کیا تھا، ارشاد ہوا کہ پھر تمہارا منیٰ جانا حاصل رہا، پھر پوچھا کہ قربانی کے وقت اپنے نفس کی گردن پر بھی پھری چلائی تھی؟ کہا کہ یہ تو نہیں

## باب ۳۶

### حج رت البیت

لیجئے، حج ختم ہو گیا، ارکان و اعمال حج ختم ہوئے، طواف ہو چکا، عرفات میں جاؤی ہوئی، مزدلفہ میں رات کو رہ لئے، منیٰ میں کنکریاں پھینک چکے، قربانی کر چکے، سر منڈا چکے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لی، احرام پہن چکے، لبیک پکار چکے، جو حاجی نہ تھے وہ اب حاجی ہو گئے۔ کیا واقعہ حج ہو گیا؟ کیا حقیقتہً اعمال حج ادا ہو چکے؟ کیا اسما و صورۃ نہیں، معنی حقیقتہً طواف و وقوف، سعی و رمی، تبلیغہ و قربانی کے فرائض و واجبات سے سبکدوشی ہو چکی؟ کیا جس کو دوستان اور عزیزوں نے "حاجی" لکھ کر پکارنا شروع کر دیا وہ اللہ کے حبشہ میں بھی "حاجی" لکھ لیا گیا؟ فرشتوں کی زبان پر بھی "حاجی" کے لقب سے موسوم ہو گیا؟ جس نے بار بار کسی کو پکارا، اس کے کان میں ادھر سے بھی کوئی آواز آئی؟ جس کا جسم کئے اور مدینے کی گھٹیوں میں چلتا پھرتا رہا، اس کا دل بھی یہیں رہا جو گونج رہا، اور بہرا، اور اندھا ہو کر آیا تھا، وہ واپسی کے وقت کچھ سمجھ گیا اور شنوائی اور بینائی، کی قوتیں لے کر چلا؟ — جواب کون دے، اور کس زبان سے دے؟

شیخ عثمان بن علی جویری لاہوری، (داتا گنج بخش) کشف المحجوب میں یہ بات

ہے، اسے کون بھول سکتا ہے؟ اسے کیونکر بھلایا جاسکتا ہے؟ اور پھر شیخ السند کے بعد،  
 آج بھی خدائے عظیم کے فضل و کرم سے ایک زندہ سلامت ذات شیخ السند کی روایات  
 کو زندہ اور قائم رکھے ہوئے، ہند اور اہل ہند کے درمیان موجود ہے، جو اسے دیکھو  
 پہچان چکے، وہ اپنی آنکھوں کو مبارک باد دین، اور جنھوں نے نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا،  
 انھیں دکھانے اور پہچنانے کی اجازت کسے؟



شیخ کا رس کچھ ایسا بہت زائد نہیں معلوم ہوتا، اور قویٰ تو ماشاء اللہ قابلِ رشک  
 ہیں، اللہ اس کی عزت و اقبال میں برکت دے، اور اس کی سپاہ کو نصرت و مسیح نصیب کرے  
 کہ اس بیسویں صدی کے دد ریا جو جی میں جہاد اسلامی اور غنائی شرعی کا نام دے زمین پر  
 اگر کہیں زندہ ہے، تو اسی کے دم سے، ورنہ ہمارے روشن خیالوں نے تو حالات موجودہ میں  
 اس کے صرف ناقابلِ عمل ہونے ہی پر بس نہیں کی، بلکہ سرے سے اس کی عدم ضرورت ہی کا  
 اعلان فرما رکھا ہے، شیخ گفتگو صرف عربی میں فرما سکتے ہیں، اور عربی ماشاء اللہ خوب  
 فصیح و شستہ بولتے ہیں، گفتگو مختصر فرماتے ہیں، لیکن ایک ایک فقرہ درود و اثر میں دوہا ہوا  
 مولانا مناظر صاحب نہ صرف اپنی طرف سے گفتگو کر رہے تھے، بلکہ مجھ جیسے جاہل و بے زبان کے  
 ترجمان بھی وہی بنے ہوئے تھے، موضوع گفتگو کیا تھا؟ وہی مسلمانانِ عالم کی پستی و بیداری، وہی  
 کلمہ گویانِ اسلام کی بے حسی اور بے بسی، ہندوستان کا ذکر آیا، ہندوستان کے مجاہدوں کا  
 ذکر آیا، خلافت کمیٹی کی جدوجہد کا ذکر آیا، محمد علی و شوکت علی کی سرفروشیوں کا ذکر آیا، جانشین  
 شیخ الہند کا ذکر آیا، آخرین شیخ نے جس وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہیں، تو ہم لوگ تو بہر حال  
 انسان تھے، معلوم یہ ہوتا تھا کہ کمرہ کے اندر بیجان چیزوں کے بھی جان پڑ گئی ہے، اور درود و  
 سقف و فرش کا ایک ایک ذرہ ان دعاؤں پر آمین کہ رہا ہے! ————— سلوک بطریق  
 نبوت، ہندوستان کے لئے کوئی بالکل نئی اور نامعلوم چیز نہیں، ابھی بہت زمانہ نہیں ہوا کہ او  
 ہی کے ایک خاندان سے ایک "سید" اٹھا اور سرحد پر سکھوں کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں اپنا  
 سب کچھ لٹا کے، اور اپنے آپ کو مٹا کے، دینا کو دکھا دیا، کہ ہندی مسلمان بھی جہاد و غزائے  
 حق سے نا آشنا نہیں، خیر یہ تو پھر بھی اب سنی سانئی حکایت ہو گئی، لیکن حضرت شیخ الہند  
 دلیو ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد اور ذوقِ شہادت تو موجودہ نسل کی آنکھوں و دیکھی بات

اچھے اچھے بزرگ نظر سے گزر چکے تھے، اس وقت اُس شیر مرد کا سامنا تھا، جو راہِ سلوک  
 طریقِ نبوت پر طے کر رہا ہے، تسبیح و سجادہ، حلقہ و خرقة و لٹے بہت سے بزرگوں  
 کی زیارت کی سعادت نصیب میں آچکی تھی، آج اُس بزرگ کی حضوری حاصل  
 ہو رہی تھی، جو صحابہ کرام، خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمونہ پر امثال  
 بھی ہیں، اور صاحبِ سیف بھی، اخلاقا کے اندر بیٹھ کر ذکر و شغل کرنے والا بھی، اور  
 میدان میں نکل کر اعداء اللہ سے غزواتِ قتال کرنے والا بھی، صوفیہ نے جہاد کی دو قسمیں  
 قرار دے رکھی ہیں، جہادِ اصغر و جہادِ اکبر، اس گھڑی مواجہہ اُس ذات کا تھا، جو  
 جہادِ اصغر و جہادِ اکبر دونوں کی جامع ہے، قبل اس کے کہ شیخ کی زبان سے ایک لفظ  
 بھی نکلے، محض چہرہ پر نظر پڑتے ہی دل اپنے پہلو سے غائب تھا، اور جس وقت شیخ  
 نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اُن کے دستِ پاک سے اپنا دستِ ناپاک مس ہوا،  
 جسم میں ایک تھر تھرنی سی پڑ گئی، اور یہ معلوم ہوا، کہ آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی  
 کووند گئی، آنکھیں پر نیم تھیں، دل اندر سے بھرا چلا آتا تھا، اور جی بے اختیار یہی چاہ رہا  
 تھا کہ شیخ کے قدموں پر آنکھیں لٹے، اور خوب رو رو کر دل کی بھر اس نکالے،  
 جلالتِ فاروقی کے متعلق شنیٰ مثنوی میں ایک شعر مذکور ہوئی پڑھا تھا ہے

ہیبتِ حق است ابنِ از خلقِ نیست

ہیبتِ ابنِ مردِ صاحبِ خلقِ نیست

اس "ہیبتِ حق" کے معنی ایک بار ہندوستان میں روشن ہمنے تھے، اور ایک آج جا کر  
 روشن ہمنے جب نسبتِ فاروقی رکھنے والوں کی ہیبت و جلالت کا یہ عالم ہے، تو خود  
 فاروقِ اعظم کی ہیبت و جلالت کا اندازہ اس زمانہ کے ضعیف القوی کیا اور کیونکر لگا سکتے ہیں!

صبح آٹھ ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا، جب ہم لوگ روانہ ہوئے، اور جس طرح پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، بلندیان اور بلندیوں کے بعد پھر بلندیان طے کرتے کرتے، شیخ کی زندگی تک پہنچے، یہ تو ایک اچھا خاصا قلعہ ہے، بڑی وسیع اور لائق و دق عمارت، بلکہ ایک مجموعہ عمارات، اخبارات میں شیخ کا نام آج سے نہیں، کم از کم ۱۵-۲۰ سال سے سننے چلے آرہے ہیں، اطرابلس میں اطالیوں کے خلاف جہاد، اور اُس کے بعد سے خدا معلوم کتنی اور باز جہاد وغیرہ کے سلسلہ میں شیخ کا نام سننے میں آچکا تھا، دل خوش ہو رہا تھا، بلکہ خوشی سے اچھل رہا تھا، کہ آج اپنے زمانہ کے مجاہد اعظم کا ویدار نصیب ہوگا، شیخ کوئی تارک الدنیا زاہد گوشہ نشین نہیں، ناشار اللہ مع پورے خدم و حشم کے یہاں مقیم ہیں، رئیسانہ بلکہ شاہانہ ساز و سامان، اپنی ضرورت کی ہر شے الگ موجود، یہاں تک کہ مسجد بھی موجود، مختلف درجن اور منزلوں میں متعدد خدمات اور دربان ملتے رہے، سب سے سلام علیک ہوتی رہی، اور کسی میں نجدی سپاہیوں کی سی درشتی اور خشونت نہ ملی، یہاں تک کہ سب اوپر کی منزل میں پہنچے، اور ایک کمرہ میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد شیخ کے سامنے طلبی ہوئی،

کمرہ سامان آرائش و نمائش سے خالی، سادگی کی ایک تصویر بنا ہوا، وسط میں تکیہ لگائے، ایک نہایت حسین سفید ریش بزرگ، سفید براق کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے، چہرہ سفید، بال سفید، کپڑے سفید اور ان ساری سفیدیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر شیخ کی نورانیت، باطن کے نور اور قلب کی نورانیت کی خبر تو خدا کو، لیکن چہرہ کی نور کا یہ عالم، کہ نظر سے نظر ملانی مشکل، طریق ولایت پر راہ سلوک طے کرنے والے

اپنی منزل بنائے ہوئے، کئی دن قبل ہمتی جاتے وقت دکھائی دی تھی، آج یہ دکھا کہ  
 جابجا اونٹوں کی سنگینان اور پیشاب پڑا ہوا، ہر طرف غلاظتوں کے انبار سے لگے ہوئے  
 کیسے کہتے اور کہاں کے مزارات! یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا کہ کون صاحب کہاں  
 مدفون ہیں، والد مرحوم کے متعلق یہ سنا تھا، کہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے پائین  
 میں مدفون ہیں، اس پتہ پر ان کی تربت کو تلاش کرنے کا ارادہ تھا، یہاں سر سے  
 حضرت عبدالرحمنؓ ہی کی تربت کا پتہ نشان نہیں! کسی دوسری تربت کا پتہ ان کے  
 پتہ سے کیا چلایا جائے، بہر حال چارہ کیا تھا، اندازہ سے اور اپنے ہی جیسے نادان  
 عوام کی رہنمائیوں میں مختلف مقامات پر کھڑے ہو ہو کر فاتحہ پڑھ لیا گیا اور بس  
 ————— فاتحہ تمناؤں اہل قبور ہی پر نہ تھا، سعودی حکومت کی عقل اور تیز دماغ  
 پر بھی فاتحہ پڑھ لیا گیا!

۱۴ ذی الحجہ، ڈاکٹر عبدالرحمن (دہاری) کا ذکر مدینہ منورہ کے سلسلہ میں آچکا ہے،  
 یہاں بھی وہ اسی رباط کی ایک دوسری منزل میں مقیم ہیں، یہ تو معلوم تھا کہ شیخ سنی  
 اعظم عرصہ سے مکہ معظمہ ہی میں مقیم ہیں، مگر نہ یہ معلوم تھا کہ کہاں مقیم ہیں، اور نہ ان کی  
 خدمت میں حاضر ہونے کا کوئی خیال تھا، آج صبح ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، کہ یہ شیخ  
 موصوف کی طبیعت کچھ عرصہ سے ناساز ہے، اور ڈاکٹر صاحب ہی کا علاج ہو رہا ہے،  
 یہ منکر طبیعت میں قدرۃ اشتیاق پیدا ہوا، اور تھوڑی دیر کے بعد جب ڈاکٹر صاحب  
 وہاں چلنے لگے، تو ہم لوگوں کو بھی ہمراہ لے لیا، حرم سے کچھ دور ایک بہت بلند کمرہ  
 جبل ہندی کے نام سے ہے، راستہ باب الصفا سے ہو کر گیا ہے، شیخ وہیں مقیم ہیں،

کوئی ہندوستانی، سکوت بر خانہ کا کتنا ہی وفادار و ہوا خواہ ہو، ذرا اُسے ریل  
 کے اوپنے درجن میں دو چار بار سفر کر لینے دیجئے، ہمسفر انگریزوں کا برتاؤ دیکھ لینے کے  
 بعد ممکن نہیں کہ اُس کے جذبات و فاداری و ہوا خواہی، بدستور قائم رہیں، اور بجائے  
 ان کے اس کے قلب میں بناؤات و عداوت کے جذبات حرکت میں نہ آئے لیکن ٹھیک  
 ایسا ہی حال سلطان ابن سعود کے معاملہ میں جنتِ اعلیٰ اور جنتِ البقیع کا ہوا وعدہ  
 سودی کے اس و امان کی ساری برکتیں ایک طرف، اور جنتِ البقیع ہی کی طرح جنتِ اعلیٰ  
 کی ویرانی و بامالی دوسری طرف، ممکن نہیں کہ کوئی غیرت مند صاحبِ احساس مسلمان  
 اس وقت جنتِ اعلیٰ کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اور دیکھ کر اپنے اوپر قدرت رکھ  
 خیال یہ تھا کہ مولانا شیخ الدین صاحب مدظلہ العالی کی میت میں جنتِ اعلیٰ کی زیارت  
 کے لئے جائیں گے (مدوح بلاناغہ بعد ناز فجر، منہ اندھیرے جنتِ اعلیٰ اپنے مرشد  
 حضرت حاجی صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے رہتے ہیں) لیکن مدوح ۱۳ کی صبح  
 تک مئی اسے واپس تشریف نہیں لائے تھے، اس لئے مجبوراً ہم لوگ تنہا بغیر کسی  
 رہبر و رہنما کے روانہ ہوئے، قبرستان پہنچے ہی نہ پوچھے کہ آنکھوں کو کیا کیا  
 دیکھنا پڑا، اب تک تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جنتِ البقیع سے زیادہ اتر حالت اور کمان  
 کی ہو سکتی ہے، لیکن آہ جنتِ اعلیٰ میں جو کچھ دیکھا، وہ کچھ اس سے بھی غزون تر تھا!  
 ۲۵، جو سرزمین اس قابل ہو کہ اولیاءِ صالحین و اعیانہ کا لین بھی اگر وہاں قدم  
 رکھیں تو لوازمِ ادب اور آدابِ احترام کے ساتھ وہاں آج بے ادبیوں اور بے  
 حرمتیوں کا کوئی دقیقہ اٹھ نہیں رہنے پاتا! انسان تو انسان، جانور تک یہاں  
 بدتمیزی کے لئے آزاد ہیں! اونٹوں کی قطار کی قطار حدودِ قبرستان کے اندر



ایک حصہ چار دیواری سے گھرا ہوا، لیکن اب تو چار دیواری بھی ہر طرف سے شکستہ  
 اور بجا بسجود، درمیان میں ایک سڑک نکلی ہوئی، اس لئے اور بھی بے قید اس کے  
 انوار و برکات کا کیا بیان ہو، کوئی ایک دو بزرگ یہاں مدفون ہوں، تو ان کے  
 نام لئے جائیں، جہاں بے حساب آفتاب، اور بے تعداد مہتاب پیوند خاک ہوں، وہاں  
 کس کس کے نام گنائے جائیں، اور کن کن کے فضائل و مناقب کا پیمانہ ہاتھ میں لے کر  
 ناپا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام، ایک روایت کے بموجب خیر البشر کی والدہ ماجدہ  
 ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ سیدنا قاسم بن بنی صلعم، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت  
 عبدالرحمن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن زبیر، امام ابو القاسم قشیری، خواجہ عثمان  
 ہارونی، شیخ حضرت خواجہ امیر، امام نسفی (صاحب کنز) اور فخر المتاخرین، شیخ  
 دوران، قطب بان حضرت حاجی ادا داد جگر کی، اندازہ کے لئے یہ چند نام کافی ہیں  
 جنت عربی محاورہ میں قبرستان کو بھی کہتے ہیں، لیکن اگر اس بقعہ نور جنت کے  
 وہی معنی لئے جائیں، جو عربی اور اردو میں اس کے عام اور مشہور معنی ہیں، تو کس کو  
 انکار ہو سکتا ہے، ان مقدس ہستیوں کی فیض باریوں اور نوپا شیوں پر اس سفر نامہ  
 کے راقم کا ایک ذاتی تعلق اس جنت خالی کے ساتھ مزید برآں، والد ماجد مرحوم مفتون  
 مولوی عبدالقادر (پیشرو ڈپٹی کلکٹر، اضلاع اودھ) نے مع والدہ ماجدہ مدظلہا و دیگر  
 اعزہ کے ۱۹۱۲ء مطابق ۱۳۳۱ھ میں سفر حجاز اختیار کیا، بیت اللہ کا جو اریسا پسند  
 آیا کہ حج سے فارغ ہونے کے متعابد، الرذی الحجہ کو سنی میں بیعتہ میں مبتلا ہوئے، اور  
 قبل اس کے کہ دوبارہ دنیا کی آلودگیوں میں مبتلا ہوں، ام الرذی الحجہ کو صبح صادق  
 کے وقت مکہ معظمہ میں سوغا خیرت پر روانہ ہو گئے، اور اسی قبرستان میں مدفن ہوئے

پانچ دن کے سفر کے بعد اللہ حج سے فراغت کر کے، پھر اگر مقیم ہو گئے،

مراجم حج سب ادا ہو چکے تھے، اب صرف ایک طواف الوداع، جو خیریت ہوتے وقت کیا جاتا ہے، کرنا تھا، اور جن لوگوں نے طواف فرض کے ساتھ سعی نہیں کی تھی، ان میں ایک سعی کرنی باقی تھی، پس ان دو چیزوں کے سوا اور کوئی شے اب اعمال حج کے سلسلہ میں باقی نہ تھی، ہاں نفل طواف اور مسجد الحرام میں نمازین پڑھنے کے موقع تو ظاہر ہے کہ ہر وقت باقی تھے، کتابوں میں پڑھا تھا، اور لوگوں سے زبانی بھی سنا تھا، کہ مکہ میں متعدد مقامات و مکانات قابل زیارت ہیں، مولد النبیؐ، مولد علیؑ، دار غدیرؑ، جبل ثور، خار حرا، مسجد الحن، وغیرہ۔۔۔۔۔ حقیقت زیارت گاہ بننے کے قابل تو اس پاک سر

زمین کا چمچہ چمچہ اور ذرہ ذرہ ہے۔۔۔۔۔ لیکن

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا!

اب ان زیارتوں کے موقع کہاں حاصل، دور سعودی میں یہ سب افسانہ پارینہ ہے، کہیں سنترلین کے پرے ہیں، اور کہیں، ایک ایک اینٹ کھود کر دیرانہ بنا دیا گیا ہے، بہر حال اب ان مقامات کی زیارت کا تو خیال بھی نہیں البتہ جنتِ اعلیٰ میں جو وقت اور جس صورت سے بھی ممکن ہوگا، حاضری دینا ضرور ہے،

جنتِ اعلیٰ کا نام آپ کے کان میں ضرور پڑ چکا ہوگا، مکہ معظمہ کے قبرستان کا نام ہے، مسجد حرام سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر، منی کے راستہ میں وادیِ محصب سے کچھ ادھر ایک بڑا وسیع میدان، ایک طرف پہاڑ، باقی ہر طرف سے کھلا ہوا۔

# باب ۳۵

مکہ

مکہ کی آبادی شروع ہونے کے ساتھ ہی ہجوم میں بھی اور اضافہ شروع ہوا یہاں تک کہ چلتے ہوئے اونٹوں کی رفتار رک گئی، اب قطار کی قطار رکی ہوئی کھڑی ہے، اور ہر شخص طوعاً نہ سہی کرنا، رخصانہ قصا کی تصویر بنا ہوا، اور یہ ساری خوش انتظامی عین بیت الحکومت کے سامنے، اور ارد گرد یعنی وسیعہ حجاز اور گندم کہہ کے محل کے سایہ دیوار کے نیچے، گویا سودی حکومت نے اپنے نفس پر لازم کر رکھا ہے، کہ راستہ کے انتظامات اور مسافروں کی راحت و سانی میں اپنی انگلی پکڑ لی جائے، خیال یہ تھا، کہ رباط حیدر آباد میں جگہ کی قلت ہے، اس لئے اب کی اپنے ذاتی قافلہ کو ہمراہ لیکر درہ صولیتہ چلا جاؤنگا، اور روانگی کے وقت تک وہیں قیام کرونگا، لیکن درہ تک پہنچنے کے لئے دو ایک فرلاہک اور چلنے کی ضرورت تھی، اتنی ہمت کسی تھی؟ معلوم صاحب ہمراہ تھے، بولے کہ اس حقیش میں اتنی دور اور چلنا سخت معصبت ہو، بہر حال مولوی سلیم صاحب کی ہمان نواز یون سے محروم رہتا مقدر ہو چکا تھا، مجموعاً محلہ سفلہ ہی کو آئے اور ۱۲ روزی ایچہ کورات کوئی دو دوھائی گھنٹہ جا چکی ہوگی کہ اسی رباط حیدر آباد میں جہان سے ۸ روزی ایچہ کوروانہ ہوئے تھے،

عن نافع قال كان ابن عمر عنهما ينح  
 بالبطناء التي يذني الحليقة التي  
 رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ينح بها ويصلي بها  
 (صحیح مسلم)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنا اونٹ بطحا  
 ذوالخلیفہ (یعنی داوی محصب) میں بٹھاتے تھے  
 اور نماز پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ  
 نے یہاں اونٹ بٹھایا ہے، اور نماز پڑھی ہے،

اور نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے، کہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کا عمل  
 بھی اسی پر تھا، اور حنفیہ کی کتابوں میں توصاف یہ لکھا ہوا ہے، کہ :-

اذا انصرف الحاج الى مكة نزل استنابنا  
 ولساعة بالحصب (درختدار)  
 میں اترے، خواہ ایک ہی ساعت کے لئے ہوا  
 لیکن اب اس پر عمل کس کا؟ ہر شخص کو بھاگا بھاگ مکہ پہنچنے کی عجلت، اور  
 حاجی غریب اگر ٹھہرنا چاہیں بھی، تو معلم حضرات کب انہیں ٹھہرنے دیتے، اور سنت  
 نبوی پر عمل اور تعامل صحابہ کے اقتدار کا موقع نصیب ہونے دیتے ہیں!

اور ان کے کفاروں اور جزاؤں کی تفصیل پوری شرح و نفا کے ساتھ مولوی منوچندر صاحب دہلوی کی کتاب الکج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی جلد ۴) میں ملے گی، وہ کافی ہی نہیں بلکہ کافی سے زائد ہے،

عصر کا وقت آیا ہی تھا کہ ہم لوگوں کے بھی خیے اکھڑنے اور سامان بندھنے لگے اور عصر کا وقت آخر ہو کر آفتاب غروب ہونے کو تھا کہ ہم لوگ جرہ عقبہ پر آخری رمی سے فراغت کر کے اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہونے کے لئے چلے، اونٹ پر سوار ہونا آج بجائے خود ایک مستقل مرحلہ ہے، نہ پوچھیے کہ ہم لوگ کس طرح سوار ہوئے اور ہمارے قافلہ کے ضعیفوں اور عورتوں پر کیا گذر گئی، بہر حال محض تقدیر تھی کہ زندہ و سلامت سوار ہو گئے، راستہ میں کہہ کی آبادی شروع ہونے سے ذرا پہلے جنت علی کے قریب ایک مقام آتا ہے، جسے وادی محصب کہتے ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مکہ کو چکر دیا کہ واپس آتے یہاں حسب روایت صحیح بخاری، قیام فرمایا تھا، اور ٹھہر دے عصر، مغرب و عشا کی نمازین یہیں ادا فرما کر کسی قدر استراحت فرمائی تھیں اور اس کے بعد کہ میں داخل ہوئے تھے، فقہائے حنبلیہ نے یہاں اترنا، اور تھوڑی دیر قیام کر کے دعا مانگنا سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قصد نزول فرمایا تھا، البتہ بعض دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک یہ سنت نہیں، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں یہ تصریح موجود ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل نذر عبادت نہ تھا، بلکہ آپ نے محض آرام لینے کی غرض سے قیام فرمایا تھا، تاہم سنت رسول کے بعض محقق صحابہ (مثلاً عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) اس پر براہِ عمل فرماتے رہے

کا سامنا ہوتا ہے، لیکن آج کا جو دم و اندوہام ان سب کیمیں بڑھا ہوا ہے، اس کے قاعدہ  
مجمع کو قاعدہ سے لگانا، اس ہٹ بولنگ میں نظم و انتظام پیدا کرنا، حاجیوں اور پردیسوں  
کے اس انبوہ کو راحت پہنچانا، سودی شریعت میں کوئی بدعت عظیم ہو؟

مناسک حج کی کتابوں میں ایک مفصل باب جنایات کے متعلق بھی ہوتا ہے  
اعمال حج کے سلسلہ میں جو فروگزشتیں ہو جاتی ہیں، یا حاجی جن ممنوعات کا ارتکاب  
کر بیٹھتا ہے، ان کو اصطلاح فقہ میں جنایت کہتے ہیں، یہ غلطیان یا تو کسی عذر شرعی  
کی بنا پر صادر ہو سکتی ہیں، اور یا بلا عذر، پہلی قسم کی غلطیوں کے عوض میں کفارہ  
دینا ہوتا ہے، اور دوسری قسم کے معاوضہ میں جزا مقرر ہے، یہ کفارہ اور جزا دونوں  
فقہی اصطلاحیں ہیں، جزا کی دو صورتیں ہیں، ہلکی لغزشوں کے معاوضہ میں ہلکا سا  
صدقہ، اور بڑی خطاؤں کی پاداش میں جانوروں کی قربانی، کفارہ کی صورت میں  
اختیار ہے کہ خواہ صدقہ دے خواہ قربانی کرے، اور خواہ روزہ رکھے، ممنوعات  
کی دو قسمیں ہیں، ممنوعات احرام، و ممنوعات اعمال حج، اور پھر ہر ایک کے تحت  
میں بہت سی صورتیں ہیں، ہر جنایت کی جزا و کفارہ الگ الگ ہے، جس کی تفصیل  
فقہ کی کتابوں میں درج ہے، موٹی موٹی باتیں معلم زبانی بتا دیتے ہیں، ہر حاجی کو ان  
سے واقف ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ لاکھ احتیاط کیجائے، کچھ نہ کچھ بے احتیاطیان  
اور فروگزشتیں ہو ہی جاتی ہیں، صدقے عموماً ہلکے رکھے گئے ہیں، جو ہر حاجی بہ آسانی  
دے سکے، قربانیان بھی عموماً کچھ زیادہ سخت نہیں رکھی گئی ہیں، ان جزاؤں اور کفاروں  
کے ادا کرنے کا بہترین وقت، یہی منی کا زمانہ قیام ہوتا ہے، اردو میں ان جنایات

۲۲ کی دوپہر سے داپسی کا کوچ شروع ہو گیا اور جلد بازوں نے پوری طرح  
 زوال کا بھی اہتمام کیا، آج کی چیلش ہر روز اور ہر موقع سے بڑھی ہوئی ہے، آج  
 کی کنگش کا منظر غصہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، کسی فلم کے بس کی بات نہیں، کہ اس ہجوم  
 اور کشاکش ہجوم کا نقشہ کاغذ پر پیش کر سکے، ایک مار و صدیاز بار ہا سنا تھا، ایک  
 سڑک و صد ہزار سوار کا منظر آج آنکھوں سے دیکھا، بھارے ستویار ایک انار  
 پر کیا اس طرح ٹوٹ کر گر رہے، کیا اس طرح چھین چھپٹ کر رہ گئے، کیا اس طرح  
 ایک دوسرے سے گھٹسک رہے، جس طرح سو کے سو گئے، ایک دوسرے سے یل  
 پیل، اوٹھک دھکا اور زور آزمائیوں میں مصروف تھے، ساڈا فٹہ، ساڈا فٹہ، ان  
 میں پیار و لاغر بھی تھے، اور ہٹے کئے تو نا تو تندرست بھی، بوڑھے بھی، اور بچے بھی  
 شہزادہ مرد بھی، اور کمزور عورتیں بھی، تھیں اور عظیم بھی، اور جاہل اور اجڈ بھی، بات  
 کو طرح دے جانے والے بھی اور بلا بات کے الجھ پڑنے والے بھی، پیدل بھی اور  
 سوار بھی اونٹ اور سانڈیاں بھی اور گھوڑے اور گدے بھی، آنے والے بھی، اونٹ  
 جانے والے بھی، ایک سڑک اور ایک رہگزر، زبانیں بھی چل رہی ہیں، اور کہنا  
 بھی، اور ہاتھ بھی، جو نہیں چل پاتے وہ صرف ٹانگیں ہیں، اور جو نہیں اٹھ پاتے  
 وہ صرف قدم ہیں، اونٹ سے اونٹ بھر رہے ہیں، شخوف سے شخوف لڑ رہے ہیں،  
 سب سے سڑکوار ہے ہیں، وحشت زدہ اونٹوں کی سیالک بیلہاٹ، اور اس سے  
 کہیں زیادہ بھیانک ان کے وحشت زدہ سوار یوں کی چیخ بکار! محض خدا کی  
 قدرت ہے، کہ میگزین حادثے اس وقت واقع نہیں ہو جاسکے، مٹی آنے و  
 اور زلزلہ سے مٹی داپس ہوتے وقت، اور دوسرے موقعوں پر بھی سخت ہجوم وار ڈھام

رمی کے احکام و شرائط کی تعمیل تینوں تاریخون میں معلوم صاحب کی ہدایت رہنمائی  
 میں الٹی سیدھی، برسی بھلی، جیسی کچھ بھی بن پڑی، ہو گئی، خدا ہی بہتر جانتا ہے  
 کہ ظاہری آداب و شرائط میں کتنی کوتاہیان رہ گئیں، ضابطہ پری کسی طرح ہو  
 ہو گئی، لیکن باطن کے اندر جو خناس سایا ہوا ہے، اور جو گوشت کے ایک ایک ریشے  
 میں اور خون کے ایک ایک قطرہ میں رچا ہوا ہے، اس پر بھی کوئی کنکری پڑی؟  
 اس پر بھی کوئی ضرب لگی؟ اس کی انانیت بھی گھائل ہوئی؟ پتھر کے بنے ہوئے  
 ستونوں پر مار پڑتے سب سے دیکھا، پردل کے پروں کے اندر جو شیطان مخفی  
 چھپا ہوا ہے، وہ بھی کچھ مخرج ہوا؟ خلیلؑ و ابن خلیلؑ کو بہکانے کی، جس مردود نے  
 کوشش کی تھی، وہ تو مومنوں کے ہاتھوں لاکھوں کروڑوں بار ذلیل و رسوا ہو چکا  
 ہے، لیکن خلیلؑ کے نام لیوا، اور خلیلؑ کے رب خلیلؑ کے پرستار جس موزی کے دام  
 بلا میں ہر لمحہ اور ہر آن گرفتار رہتے ہیں، اُسے بھی ذلت و خواری نصیب ہوئی؟  
 اس ظالم کا جہم بھی ان کنکریوں سے بھلنی ہوا؟ — سوالات سب کر سکتے  
 ہیں، جواب کون دے، اور کوئی کیوں دینے لگا؟ جب کسی کی شان ستاری  
 سب کے عیون کو ڈھانپنے ہوئے ہے، جب ہر زاغ کو طاؤس کے پروں  
 میں ملبوس کئے ہوئے ہے، جب ہر ویرانہ کو گلستان اور ہر داغ کو  
 چراغ بنائے ہوئے ہے، تو کسی کو کیا پڑی ہے، کہ ہانکے پکارے گلوں شکووں  
 کا دفتر کھول کر بیٹھے، اور ایک ایک کے آگے اپنی محرومیوں اور برگشتہ بختوں  
 رونا روتا پھرے؟



تعداد میں ہیفہ اور لو سے مر جاتے ہیں، لیکن اب کی خدا کے فضل سے ان میں سے کوئی بھی شے نہیں پیش آئی، نہ کوئی وبا پھیلی، نہ پانی کا توڑ پڑا، نہ لو سے کچھ زائد موتمن ہوئیں، اور نہ اتنے بڑے مجمع کے محاط سے عفونت و غلاظت ہی زائد کسی جاسکتی تھی، تین دن ماشاء اللہ منی کا بازار خوب گرم رہتا ہی ہر وقت ہر طرف خوب چل پھل رہتی ہی ہزاروں لاکھوں کی خریداریاں ہوتی ہیں، اور ضرورت و شوق کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جو ان دنوں میں یہاں نہ مل جاتی ہو، اور پھر، افراط نہ ملتی ہو، میوے، تر و تازہ پھل، سبز و شاداب ترکاریاں، جتنی چاہئے، لے لیجئے، اور بجائے گوشت اور خشک چیزوں کے، انھیں کا استعمال یہاں کے موسم و حالات کے مناسب بھی ہو، اور کو تو خیر مشغولیت رہی تھی اور کی دوپہر کے بعد سے کوئی خاص کام نہ تھا، بس ادھر ادھر بھرنا، دوست احباب سے ملنا جلنا، بعض شوقین مزاجوں کو دعوت کی سوچنی ہے، خوب خوش مزے کی دعوتیں ہوتی ہیں، عرفات اور مزدلفہ کے بچھڑے ہوئے بہین اگر ملے ہیں، مولانا مناظر احسن صاحب اور ایک اور شخص جو ہمارے قافلہ سے بچھڑ گئے تھے، بہین اگر ملے، حیدر آباد کا قافلہ جہاں ٹھہرا ہوا ہے، وہاں سالار بقاقلہ مولوی فیض الدین صاحب وکیل کے حسن انتظام و وسعت اخلاق نے مہمان آریوں کا سلسلہ خوب وسیع کر رکھا ہی، مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب وکیل ورنگل، اور پر بھنی (دکن) کے ایک اور وکیل صاحب (غائب مولوی خیر الدین نام ہی) اور مولانا شمس الدین علی کے بھانجے اور داماد عثمان علیخان ماشاء اللہ خوب چاق اور بنشاش نظر آ رہے ہیں، بار بار ملاقاتیں ہوئیں،

کی ہے، ۱۱ اور ۱۲ کی رمی کا وقت بعد زوال ہے، دونوں دن ترتیب یہ رہے گی،  
 کہ پہلے حجرہ اولیٰ کی رمی کرے، جو مسجد خیف کے قریب ہے، اس کے بعد حجرہ وسطیٰ  
 (سنبھلے شیطان) کی اور آخر میں حجرہ عقبہ کی، تینوں حجروں پر سات سات کنکریاں  
 پھینکی جائیں گی، رمی پایادہ کرنی چاہئے، البتہ حجرہ عقبہ کی رمی سواری پر بھی  
 جائز ہے، بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک افضل ہے، ان دونوں تاریخوں میں  
 رمی قبل زوال، فقہ حنفی میں درست ہے، اور اگر اتنی دیر کی کہ آفتاب غروب  
 ہو گیا، تو یہ وقت بھی مکروہ ہو جاتا ہے، پہلے دونوں حجروں کی رمی کے بعد سونوں  
 یہ ہے کہ قبلہ رو کھڑے ہو کر کچھ دیر تک تسبیح و تہلیل، مناجات و استغفار میں مشغول  
 رہے، اور ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتا رہے، البتہ جس رمی کے بعد پھر کوئی رمی  
 نہیں، یعنی آخری حجرہ (حجرہ عقبہ) کی رمی، اس کے بعد وقوف سونوں نہیں، فوراً  
 پلٹ آنا چاہئے، حجرات کے پاس، رمی کے بعد دعا مانگنا، مقاماتِ مقبولیت میں  
 ہے، ۱۱ اور ۱۲ کی ان تین تاریخوں میں رمی واجب ہے، ۱۳ کی رمی مستحب کے درجے  
 میں ہے، ۱۲ کی شام کو، یا شب میں کسی وقت اگر مکہ واپس ہو گیا تو بالکل جائز ہے  
 لیکن اگر ۱۳ کی صبح تک مئیٰ بن قیام ہو گیا، تو پھر بغیر ۱۳ کو بھی رمی کئے ہوئے  
 مکہ واپس ہونا درست نہیں،

مئیٰ میں یہ دن ڈیڑھ دن یعنی ۱۱ کی دوپہر سے لیکر ۱۲ کے غروب آفتاب  
 تک مجد اللہ لطف سے گزرا، ہر سال سنا کرتے تھے، کہ مئیٰ میں سخت غلاظت  
 و گندگی رہتی ہے، و بایں پھپھیتی ہن، پانی کا قحط ہو جاتا ہے، لوگ ہزار ہا کی

سے اتر کر گھوڑے کو کھینچ رہی تھیں! یہ سمان بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، پھر  
 کا وقت اتنی کی بے پناہ دھوپ، برگیستانی مٹی، سر سے پیرنگ پینے میں شرابور، کچھ  
 عورتیں اور بچے گاڑی پر سوار، اور ساتھ کے مرد گاڑی کو ٹھیل ٹھیل کر اور دھکے دے  
 دے کر آگے بڑھا رہے ہیں! اس وقت نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی مینوسٹی  
 ہے، جو ایسی ہوائی، چلانے والے کا چالان کرے، اور نہ یہ یقین ہوتا تھا کہ یہاں  
 کوئی حکومت ہو، جو ایسے موقع پر عیسوں کو کسی طرح کی مدد دے! البتہ  
 اس وقت تیز ہوا کا چلتے رہنا رحمت ہو گیا، پینے سے نہانے ہوئے جسم میں گرم  
 ہوا لگتی تھی، تو ناگوار ہو کر نہیں، بلکہ شگفتہ سی ہو کر خوشگوار معلوم ہوتی تھی، اور  
 ظاہری صعوبت ایک سامانِ تفریح بنی ہوئی تھی! ————— کریم کو کرمی  
 کے بھی کتنے ڈھب آتے ہیں! جلجلاتی دوپہر میں، مکہ سے مٹی تک پا پیادہ چند قدم  
 بھی چلنا، ہم جیسے تن پروروں کے لئے اپنی خوشی اور مرضی سے بھلا کب ممکن تھا  
 اور یہ سادہ ہم حبیبوں کے نصیب میں بھلا کب آ سکتی تھی، اس کے لئے کیا نیا  
 ڈھنگ نکالا گیا، اور کس ترکیب و حکمت سے پیدل چلا کر، اس کے اجر کا امیدوار  
 و حقدار بنادیا گیا! شوقین لڑکے اپنے شوق سے علم حاصل کرتے ہیں، لیکن جو ٹھٹھائی  
 کی چاٹ سے پڑتے ہیں، بہر حال پڑھنے والوں میں شمار تو ان کا بھی ہو ہی  
 جاتا ہے!

مٹی پہونچنے کے بعد یحزری کے اور کوئی خاص کام نہ تھا، کی رمی کا  
 ذکر گذر چکا ہے، اور کو صرف ایک جبرہ کی رمی تھی، اور ۱۲ کو تینوں جبروں

کے پہلو میں کھڑے ہوئے، اور جس نے

قل یٰٰصَادِی الذِّیْنَ اَسْرَفْتُمْ

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

لِغَفُورٍ ذَلُولٍ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَفُوُّ

الرَّحِیْمُ، وَاَنِیْبُوا اِلٰی سَبْکُمْ وَاَسْلَمُوا

لَہٗ،

(زمر، ع ۶)

اپنے پیغمبر میرے بندوں سے کہہ دو کہ جھٹون

نے اپنے اوپر زیادتی کی ہیں، تم اللہ کی رحمت

سے مایوس نہ ہو، اللہ بالیقین تم کو گناہوں کو

معاف کر دیگا، واقعی وہ بڑا ہی بخشنے والا

اور بڑی رحمت کرنے والا ہے، اور تم اپنے رب

کی طرف منہ کرنا اور اس کی فرمان برداری کرنا

کا اشتہار دے رکھا ہو اس مالک و افاکے در پر پڑے ہوئے، اپنے نجات و مغفرت کی ٹوٹی

ہوئی آس نئے سرے سے جوڑ رہے ہیں، عمر بھر کی سیاہ کاریاں یاد آ رہی ہیں، ہر وہ

شیطن جو شیطان کو بھی شرمندہ کر دینے کے لئے کافی ہو، ایک ایک کر کے قبولی

جا رہی ہے، اور جسکی شانِ ستاری اتناک ہر عیب و وسوائی پر پردہ ڈال رہی ہو اسکے لئے ایک ایک مصیبت

کا اقبال کر کر کے آنسو بہا ہائے تھپھیل پھیلا کے، پیشانی گر گر کر کے، نجات و غفران کا پروانہ حاصل کیا جا رہا

دو پہر نہیں ہونے پانی تھی، کہ منیٰ کے لئے واپس روانہ ہوئے، جن اعرابیوں

پر آئے تھے، وہ اتنی دیر تک کیا انتظار کرتے، کچھ نئی اعرابیاں کرنی پڑیں، بعض

رفقاء کو پھر بھی جگہ نہ ملی، تو گدھوں اور اونٹوں پر سوار ہوئے، یہ اعرابیاں

اور ان کے جانور اور ان کے ہنکانے والے، پہلے سے بھی کچھ بڑے چڑھے

ہوئے نکلے، آدھا راستہ طے ہوا تھا، کہ ایک اعرابی کے گھوڑے نے بالکل

جواب دیدیا، اب بجائے اس کے کہ گھوڑا سوار یوں کو کھینچتا، سوار یاں اعرابی

# باب ۳۴

## منی بعد حج نمبر (۳۴)

عظیم کا ذکر پہلے آچکا ہے، خانہ کعبہ سے ملا ہوا وہ نیم در قد صحن، جو مطاف کے اندر ہے، اور جو حکماً خانہ کعبہ ہی کا ایک جزو ہے، اس میں نماز پڑھنا گویا خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ہے، طواف کرنے اور سترم سے لپٹ کر دعائیں مانگ چکنے کے بعد آج اطمینان سے عظیم کے اندر بھی حاضری کا موقع ملا جس کا جتنی دیر تک جی چاہا، یہاں نماز میں پڑھیں، اور دیوار کعبہ سے لگ لگ کر اور لپٹ لپٹ کر دعائیں مانگیں کسی کسی نے دیوار و فرش کی خاک اٹھا کر بطور تبرک ساتھ لے لی، کہتے ہیں، کہ مطاف میں اولیا، واقطاب و ابدال ہمیشہ حاضر رہتے ہیں، رہتے ہوں گے، ولی کو پہچاننے کے لئے خود نگاہ ولایت کی ضرورت ہے، عایون سے اس بارے میں کسی اظہار برائے کی توقع ہی بیکار ہے، "لبتہ بعض نورانی چہرون پر انتہائی خشوع و خضوع کے، انتہائی تقصیر و اہتہال کے انتہائی عبدیت و انابت کے جو آثار نظر آئے، ان کے حروف و نقوش تو ہم جیسے بے بصر بھی پڑھ سکتے تھے، سبحان اللہ عجب مقام ہے، رحمت و مغفرت کی مسکام ہے، کیسے کیسے فاسق فاجر کیسے کسے خفا پر جرم پیشہ عیسا شمار اپنی تباہ کاریوں اور بد حالیوں کی بنا پر اپنی نجات سے مایوس، اولیاد و کاطین

پھبتیان اور آوائے ہیں، ہم اپنی شور بختیوں سے تو کعبہ کو مدت ہوئی بھلا چکے،  
 اب کیا کعبہ نے بھی ہمارے بھلا دیا؟ اور بت کعبہ! تیری ذات سہو و نسیان سے پرے  
 ہے، تو تو کبھی اور کسی کو نہیں بھول سکتا، کون کہے: اور کس طرح کہے، کہہ تو نے  
 بھی طلوائے کعبہ پر اس لگانے والوں کو، محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والوں کو اپنی ننگا بطن  
 و حشمت الثقات سے بھلائے رکھا ہو!



زیادہ فکر و اہتمام نہ کیجئے، وقت اور موقع ایسا ہی کہ اقتدار خداوند پیدا ہو کر رہے گی۔

ان سطور کا محرر، نامہ سیاہ، کیا بتائے کہ اُس نے کیا کیا مانگا؟ کوئی دو چار دس میں گناہ ہوں، تو متعین طور پر انہیں یاد کر کے، اور ان کے نام لے لیکر ان سے معافی چاہی جائے، لیکن جس کی زندگی کی ساری فرد عمل سیاہیوں کا ایک مجموعہ اور تاریکیوں کا ایک قسطل ہو، وہ اپنے کس کس گناہ کو یاد کرے، اور کس کس سے معافی چاہے؟ مگر خدا کی قدرت اس وقت اپنی ساری خطائیں اور معصیتیں، ساری تباہ کاریاں اور عصیان شکاریاں، ایک ایک کر کے یاد آتی چلی جا رہی ہیں! اور دعائیں جو زبان سے اور زبانِ قلب سے نکل رہی ہیں، وہ تنہا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے والوں کے لئے بھی، عزیزوں کے لئے، دوستوں کے لئے، بزرگوں کیلئے اور سب سے بڑھ کر امتِ اسلامیہ کے لئے ہیں، آج ہندوستان میں اور اکیلے ہندوستان ہی پر کیا موقوف ہے، سارے عالم اسلام میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ ان کا زوال اور ادبار، ان کی پستی اور فلاکت، ان کی بد نظمی اور بے علی، ان کا نفاق اور انتشار کس نوبت کو پہنچ چکا ہے! اسے کعبہ کے مالک، اس قبلہ روجاعت کے انتشار کا دور کر دینا، اور ان کے قلوب کو ایمان سے، حسنِ عمل سے، نورِ ہدایت سے، باہمی نظم و اتحاد سے مہمور کر دینا، سب ترے ہی ہاتھ میں ہی! ذلتوں کی آہٹا ہو چکی، اسوایمان اپنی حد کو پہنچ چکین، اگلی گلی تیرے غلبہ کی ذریت پر طنز ہیں، طعن ہیں، مضحکہ ہے، اگھر گھر تیرے حبیب کی امت کے ساتھ متحضر و استہزاء ہے!

وقت، مجمع نسبت بہت کم، عرفات و مزدلفہ سے واپسی کی برکتیں، اولے فرض کا احسان  
 سب نے مل لیا کہ عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہے، مکان کے ہر چکر کے ساتھ، صاحب مکان  
 پر فدا ہونے کو جی چاہ رہا ہے، ملتزم پر دعائے مانگنے کا موقع بھی آج ہی ملا، حجر اسود  
 اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ کے درمیان، دیوار کا جو حصہ ہے، اور جو کوئی، ابالشت ہو  
 اس کا نام ملتزم ہے، اور جو مقامات اجابت دعا کے لئے مخصوص ہیں، ان میں سے  
 ایک مقام بھی ملتزم ہے، حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 بہ قسم ارشاد فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے، جہاں میں نے جو دعائیں مانگی قبول ہوئی، جب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دعائیں مانگی ہیں، اور بار بار مانگی ہیں، اور ہر مرتبہ اپنی مانگی  
 مراد میں پالی ہیں، تو کوئی امتی یہاں کیوں کرے، وہ بیچارہ تو ہمہ احتیاج اور  
 ہمہ درماندگی ہے، مناسب کی کتابوں میں آتا ہے، کہ ملتزم سے لپٹ کر ملتزم کے  
 لفظی معنی بھی یہی ہے کہ "جس سے لپٹا گیا" اور غلاف کعبہ کو تمام کر خوب دعائیں مانگی  
 حضور قلب کے ساتھ مانگے، اور ہو سکے تو آنسوؤں کا تحفہ نیاز ناز والے کی خدمت  
 میں پیش کرے، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ حیریلؑ ملتزم سے لپٹے  
 ہوئے، یہ دعائیں لگتے رہتے ہیں:-

یا اجد یا ماجد لا تزل عنی نعمۃ | اے قدرت والے، اے عزت والے بھونٹ  
 (نعمتِ اعلیٰ)، | تو نے مجھے عطا کی ہے، مجھ سے زائل نہ فرما!

ان الفاظ کی جامعیت اور ان کی برکت کا کیا پوچھنا، لیکن اکیلی اسی دعا پر  
 موقوف نہیں، اس وقت جو کچھ دل میں آئے، سب کچھ کہہ سنائے، اور جو کچھ اپنے  
 لئے، یا جس کسی کے لئے مانگنا ہو، سب کچھ مانگ ڈالے، اسوزِ دل و رقتِ قلب کیلئے



کیجئے؟ مکان دے کا جال کا حال تو قدوسیوں اور ملکوتیوں سے پوچھئے، باقی خود مکان کے درو دیوار میں جو حسن و جمال ہے جو کشت و رغنائی ہے جو زیبائی و محبوبی ہے اس سے اگر کوئی خاکی و ناسوتی باوصف قدرت محروم رہے، تو اس بیچاے کی محرومیا پر جی چاہتا ہے دل کھول کر آئندہ ہائیے! لوگ کہتے ہیں "اور سچ کہتے ہیں کہ سچ کے سفر میں بڑی بڑی زحمتیں پیش آتی ہیں، لیکن اداسے فریضہ سچ کا تو آگے الگ رہا، عفات کی حاضری، مزدلفہ کی شب باشی، ہستی کی قربانی، یہ ساری چیزیں الگ رہیں، محض کعبہ کا دیدار، سیاہ پتھر والے اور سیاہ غلات والے بقیعہ نور کا پر تو بجا بچائے خود وہ نعمت ہے کہ اس کی قیمت میں اگر صد ہا سفر، اور ہر سفر کی صد ہا زحمتیں اور صعوبتیں پیش کرنی پڑیں، تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ سودا پھر بھی ارزاں ہے! یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں، اپنے جیسے کو لبصر دن اور بھینٹ دینا دلوں کی زبان سے کہہ رہا ہوں، اور عارفوں اور بصیرت والوں کے نزدیک تو ہر بار اگر سر بھی نہ کرنا پڑے، جب بھی یہ سودا گران نہ ہو!

منابع وصل جانان بس گران مست

گر این سودا بہ جان بوفے چہ بوفے

”وصل جانان سے شاعر نے جو کچھ بھی مراد لی ہو، ہم کو تاہ مینوں کے لئے تو

دو جانان تک رسائی اس گھر کی زیارت ہی سب سے بڑی دولت، اور اپنی مہمون اور حوصلوں کا آخری منتہی ہے!

طوان اس سے بیشتر متدد ہو چکے تھے، مگر آج کے طوان کا کیا کہنا، صبح کا ٹھنڈا

آچکا ہو) کا پیر ایک ٹوٹے ہوئے تختے میں بچھنس گیا، اور ان بیچارے کے چوٹ  
 اچھی خاصی آئی، مریہم پٹی کا سامان بھلا کہاں دستیاب ہوتا، پیر پانی سے دھو کر  
 بیچارے پھر سے سوار ہوئے، اور ٹکڑے کے نہ سہی، جبر کے مراتب از سر نو طے  
 ہونے لگے،

ہندوستان کی گھڑیوں کے اعتبار سے، کوئی ساڑھے آٹھ کا وقت ہوگا،  
 کہ حرم شریف کے دروازوں پر پہنچ گئے بہشتِ اعلیٰ ۸۰۰ ذی الحجہ کو منی  
 جاتے وقت بھی راستہ میں پڑا تھا، لیکن آج اسے زرا زیادہ غور و اطمینان  
 سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، اور جتنا قریب سے دیکھا، اسی قدر حسرت میں بھی غنا  
 ہوا۔۔۔۔۔ خیر یہ تذکرہ تو پھر کبھی ہوگا، درحرم پر پہنچے، اور اندر داخل  
 ہوتے ہی ساری کلفتیں، ساری زحمتیں، ساری تکلیفیں دور تھیں، وہی بشارت  
 وہی مسرت، وہی تازگی! اللہ اللہ! گھر والے نے گھر کی کیا شان رکھی ہے!  
 تسکین و تسلی کے سائے نشے، اطمینان و سکون خاطر کی ساری تدبیریں یکسر  
 اور اس بے گھر والے کے گھر کی زیارت، اس بے مکان اور لامکان والے  
 مکین کے مکان کا دیدار دوسری طرف ابرو رنگوں نے کہا ہے، کہ دل کا سکون  
 اور چین چاہتے ہو، تو دل کا تعلق اللہ سے پیدا کرو، یہاں یہ عرض کرنا ہے  
 کہ اللہ سے دل کا لگانا تو اللہ والوں کا کام ہے، اللہ تک اگر براقِ بہت، اور  
 کمندِ حوصلہ کی رسائی نہیں ہوتی، تو بیت اللہ تک کیوں نہ پہنچے؟ اور دل  
 کے تصور کو چھوڑ کر آنکھوں سے دیدار کی دولت کے حصول میں کیوں قصور

کا قافلہ بھی ہمراہ ہوا، اس لئے اتنی سوار یون کی ضرورت پڑی، اعرابی کی بات پہلے کسی مقام پر ذکر آچکا ہے، کہ حیدر آبادی جھٹکے کی طرح ایک بکس نما سواری ہوتی ہے، جس کے اندر بیٹھنے کے بعد آدمی بند ہو جاتا ہے، ان اعرابیوں کا تجربہ پیشتر بھی ہو چکا تھا، آج پھر ہوا، ہر اعرابی کے اندر چار چار پانچ پانچ سواریاں بیٹھتی ہیں، کسی میں گھوڑا، اور کسی میں خرچا ہوتا ہے، عرب کے گھوڑوں کی تعریف ہمیشہ سننے آئے تھے، لیکن وہ نسل شاید اب ناپید ہو گئی ہے، جو کچھ دیکھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا، جو کچھ اب تک سنا تھا، ہر گھوڑا امریل، اور خالی امریل ہی نہیں، اڑیل بھی، ہمارے ہاں کے اکون کے ٹوان سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں، اور اعرابیوں کی حالت گھوڑوں سے بھی اتر! خدا معلوم مکہ کی حکومت بلدیہ ایسی سٹرل سوار یون کو پاس کرتے وقت اپنے احساس ذمہ داری کو کہا رکھ آتی ہے یہ تفصیل اس لئے حوالہ دے رہی ہے کہ جو دینی بھائی اس سفر نامے کو پڑھیں، وہ ہر موقع کی راحتوں اور زحمتوں دونوں کا پیشتر سے خوب اچھی طرح اندازہ لگائیں، اور ہر موقع کے لئے اسی مناسبت سے تیار رہیں۔ جو زحمت خلاف توقع اور اچانک پیش آجاتی ہے، وہ محسوس بھی بہت اہم ہوتی ہے، فی اعرابی کو ایہ غالباً چار چار ریال سعودی (ایک یال ہندوستان کے تقریباً دو روپے کا ہوتا ہے) ملے پایا، راستہ ابھی نصف ملے ہوا تھا، کہ بلا کسی ہری سبب کے اچانک ہماری اعرابی الٹ گئی، جانور الگ، اور سواریاں ایک دوسرے کے اوپر اسی اعرابی کے قفس کے اندر بند، ہم لوگ تو خیر محفوظ رہے، البتہ فتنی امیر احمد صاحب علوی کا کوزی (جسکا ذکر مدینہ منورہ کے ذیل میں

ساقط ہو جاتی ہیں اور نماز ظہر تو بہر حال پڑھنا ضروری ہی، پس بہتر ہے کہ اسے مکہ ہی میں پڑھا جائے، کہ مسجد حرم کی نماز کی فضیلت بجائے خود اہل بیت و سلم ہے، اور کو اتنی ہمت تو کیا ملتی، دن بچنے کے دو تین گھنٹے بعد تو پہونچے ہی تھے، قیام کی تلاش، وہاں سے لکڑیاں پھینکنے کے لئے مجمع کو چیرتے ہوئے، اور خاصی مسافت طے کر کے حجرہ عقبہ تک جانا، ہجوم کے اندر گھس پل کر کسی طرح رمی سے فاسخ ہونا اور پھر اسی طرح مجمع کے اندر سے دھکے کھاتے ہوئے واپس آنا، کھانا کھانا، قربانی کرنا، سر منڈانا، غسل کرنا، سارا دن اسی میں تمام ہو گیا، اور اسے قبل طواف زیارت کے لئے مکہ جانے کی نوبت نہ آ سکی، ابھی گزر چکا ہے کہ ارکا طواف افضل ہو، لیکن دین فطرت میں ہر طرح کی آسانیوں اور سہولتیں ہی ہیں، دین سختیوں اور دشواریوں کا نام نہیں، فقہاء و رحمہم اللہ کے ہاں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ساتھ میں اگر عورتیں ہوں، تو بلا تکلف بجائے ارکے ۱۱۲ کو طواف کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ ارکے ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ رعایتیں اور خصوصیتیں ہم جیسے ضعیف کے حق میں پروانہ رحمت ثابت ہوتی ہیں،

ارذی الحجہ کو صبح سے سواری کی تلاش شروع ہوئی، یاد رہے کہ مکہ سے ارذی الحجہ پانچ دن کے لئے جواؤنٹ کرایہ پر کئے گئے تھے، ان کے کرایہ میں مٹی سے مکہ تک کا یہ طواف زیارت والا سفر شامل نہ تھا، — کم از کم ہمارے علم نے تو یہی دستور چھین بتایا، — بہر حال خاصی تلاش و انتظار کے بعد چار اعرابیوں سے کرایہ طے ہوا، ہمارے قافلہ کے علاوہ ناظر بابر جنگل

فصل الظہر بمعنی،

افاضہ کیا، اس کے بعد واپس چلے آئے اور  
 نماز ظہر مئی میں ادا کی،

صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مافق سے حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ تعال بھی منقول  
 ہے کہ

قال نافع فكان ابن عمر يصلي يوم  
 الظهري ثم يرجع فيصلي الظهري بمعني ديني  
 ان النبي صلعم فعله

آپ و سون ہی کو طواف افاضہ کیا کرتے تھے  
 اور پھر نماز ظہر مئی میں واپس آکر پڑھا کرتے تھے  
 اور فرماتے تھے کہ یہی عمل تمہارا رسول صلعم کا

محمدؐ میں نے دونوں مواضع رواتوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ  
 حضورؐ نے طواف قبل زوال فرمایا اس کے  
 بعد نماز ظہر اول وقت کہ میں پڑھ لی، پھر  
 مئی واپس تشریف لائے، تو صحابہ کے درپشت  
 فرمانے پر حضورؐ نے ان کے ہمراہ مئی میں پڑھ  
 پھر نماز پڑھ لی، اور یہ دوسری نماز بہ طور نماز  
 نقل کے ہو گئی،

ودجنة الحج بينهما انه صلعم طاف  
 للافاضة قبل الزوال ثم صلى الظهري  
 بعكته في اول وقتها ثم يرجع في  
 منافضتي بها الظهري مرة اخرى  
 باصحابه حين سألوه ذلك فيكون  
 منقلاً بالظهر الثانية القابلاً

یہ عبارت علامہ نووی شارح مسلم کی تھی، اور اسی قول کو بہتوں نے  
 اختیار کیا ہے۔

یہ فیصلہ محدثین کا تھا، ہمارے فقہاء رحمہم اللہ میں صاحب فتح القدیر نے یہ بات  
 خوب لکھ دی ہے کہ جب دو روایتیں ایک دوسری کے متضاد ملتی ہیں، تو دونوں

تک رہتا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ارہی کو کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارہی کو یہ طواف  
اد فرمایا تھا، طواف کے طریقے اور تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں، بس انھیں طریقہ  
پر یہ طواف بھی ہوگا، اسی طرح باب السلام سے مسجد حرم میں داخلہ، اسی طرح نیت  
طواف، اسی طرح سات پھیرے، اسی طرح مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز، اسی طرح  
آب زمزم کے تبرک سے فیض یابی، اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان سعی غرض  
کوئی نئی بات اس طواف کے ساتھ مخصوص نہیں،

حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ایک بحث یہ آتی ہے، کہ کسی شخص نے صبح کے وقت  
یہ طواف کیا، اور مٹی بھی اسے واپس آنا ہی، تو وہ نماز ظہر کہاں پڑھے؟ مسجد حرام  
میں یا مٹی میں واپس اگر؟ حدیث میں روایات دونوں طرح کی ملتی ہیں، اول  
لطف یہ کہ ہے کہ دونوں روایتیں صحیح مسلم کی ہیں، پہلی حدیث باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں  
حضرت جابرؓ کے حوالہ سے ایک بڑی طویل روایت میں آتی ہے، اور اس میں  
صاف یہ فقرہ آتا ہے، کہ

فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلَّى بِمَكَّةَ  
(الظہر،

حضور نے خانہ کعبہ کے طواف افاضہ کے  
بعد مکہ میں نماز ظہر ادا کی،

اور دوسری حدیث باب استیجاب طواف الافاضۃ یوم النحر میں حضرت عبد اللہ

بن عمرؓ کے حوالہ سے یوں آتی ہے،

عن نافع عن ابن عمر ان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم افاض یوم النحر ثم صبح

نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارذی الحجۃ کو طواف

# باب ۳۳

## منیٰ بعد حج نمبر (۲)

کلام مجید میں ایک مقام پر، جہاں مناسک حج کا ذکر ہے، ایک حکم یہ بھی ہے کہ  
 وليتطوفوا بالبيت العتيق (سورہ حج) لوگ خانہ کعبہ کا طواف کریں حج کے اہلی  
 رکن یعنی فرائض، احرام پوشی کے بعد صرف دو ہیں، وقوف عرفات اور طواف  
 کعبہ، مفسرین و فقہاء کا اجماع ہے کہ جو طواف فرض ہے، وہ یہی طواف ہے جو دو  
 عرفات کے بعد، یوم عید (ارذی الحجہ) کو یا اس کے بعد کیا جائے، اس سے قبل جو  
 پہلا طواف کیا تھا، وہ عمرہ کا طواف تھا حج کا طواف نہ تھا، درمیان میں اور  
 جتنے طواف کئے تھے ہر نفل طواف تھے، طواف فرض کا وقت اب آیا، اس کے  
 لئے ضروری ہے کہ منیٰ سے جا کر کیا جائے، اور بہتر یہی ہے کہ اس سے فارغ ہو کر  
 پھر منیٰ میں واپس آئے، اور یہاں رمی جبرات (شیطان پر کنکریاں ماسے) کو مکمل  
 تک پہنچائے، اس طواف کا مشہور نام طواف زیارت ہے، طواف رکن طواف  
 اضافہ، طواف یوم النحر بھی اسی کو کہتے ہیں، یہ طواف قربانی کر کے اور سر منڈانے  
 کے بعد ہر وقت کیا جاسکتا ہے، اس کا وقت ار کی صبح سے شروع ہو کر ار اور

ہے، اور بال کترولنے والوں کے حق میں صحابہؓ کے اصرار سے، فقہا لکھتے ہیں، کہ سر  
منڈانا ایسا ہے، جیسے غسل کرنا، اور بال کترانا ایسا ہے، جیسے وضو کرنا، بہر حال  
اب حجام کی تلاش شروع ہوئی، ایک پیر مرد دستیاب ہوئے، اتفاق سے وہ یہی  
نہیں کہ ہندوستانی اور ہمارے صوبہ کے تھے، بلکہ خاص ہمارے ضلع بارہ بنگی کے  
نکلے، تیس چالیس سال ہوئے وطن چھوڑ کر ہمیں چلے آئے ہیں، عورتوں کے لئے  
سر منڈانا جائز نہیں، ان کے لئے بالوں کی لٹ انگلی کی ایک پور کے برابر کا ٹڈا  
کافی ہو، سر منڈانے وقت کچھ دعائیں پڑھتے رہنا، اور تکبیر کہتے رہنا، مستحب ہو، لیکن  
ہمارے حجام صاحب کو اٹھ کے ذکر سے زیادہ دیکھ چپ اپنی باتیں معلوم ہوئیں، عصر کا  
وقت آخر ہو رہا تھا، کہ ہم لوگ حجامت سے اور غسل سے فارغ ہو گئے، حج کی ورد  
را حرام، جسم سے اتار دیا اور سب نے اپنا معمولی لباس پہن لیا،



شم الغنم (فتح القدير)

ہے پھر گائے کی اور پھر بکری کی،

امام شاہی نے عطا کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ سب ادنیٰ قربانی  
بھیر بکری کی ہے، بکریوں اور بھیر یوں کا رخ منیٰ میں تقریباً وہی ہے، جو ہندوستان  
میں عید اضحیٰ کے موسم میں ہو جاتا ہے، پہلے ہر شخص جہان چاہتا تھا، اپنا جانور ذبح  
کر ڈالتا تھا تو ان گوشت نکال ہر جگہ پڑی رہتی تھی، گو یا سارا منیٰ ایک وسیع مذبح  
تھا، اس سے قدرۃ عفوٹ پھلتی، اور طرح طرح کی دباؤں نمودار ہوتیں، یہی  
سال خدا کے فضل سے اس طرح کی لغویت نہیں ہوتی، ایک مستقل مذبح برکھیا ہوا  
وہیں جا کر سب قربانیں کیں، اور دباؤں اور پیاریوں سے بالکل امن رہا، ہمارے  
قافلہ میں شیخ مشیر الزمان صاحب، ہمہ تن خلوص و فطرت ہیں، اور ایک پیکر  
ایشیاء و انقیاد، قافلہ بھر کا سارے سفر میں اول سے آخر تک علی اور انتظامی کام  
دہی کرتے رہے، آج بھی اس کی کڑی دھوپ میں ہم لوگوں کو توبہ ہر نکلنے کی ہمت  
ہوئی نہیں، وہی پیاسے جا کر ہم آٹھ شخصوں کی طرف سے قربانیاں کر آئے،

یاد رہے کہ سات و آٹھ کی درمیانی شب میں حج کے لئے جو احرام باندھا تھا  
وہ ابھی بندھا ہوا ہے، اور احرام کے جو قیود و شرائط ہیں، ان کی پابندیاں رقت  
تک بدستور نافذ ہیں، صرف تلبیہ (لبیک کہنا) البتہ پہلی رمی کے بعد موقوف ہو گیا  
ہے، قربانی سے فراغت کے بعد احرام اتارنے کی فکر ہوئی، اس کے لئے مذہب حنفی  
میں ضروری ہے کہ پہلے سرمٹا دیا جائے، یا کم سے کم بال کتر دے جائیں، فضیلت  
سرمٹانے والوں کو ہو، سرور کائنات (صلعم) نے ان کے حق میں از خود دعا فرمائی

لیکن پیاروں ناتوانوں، اور معزوروں کی طرف سے نیابت کوئی دوسرا بھی کر سکتا ہے، اس رمی کا وقت فضل و مسنون آج کی تاریخ طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک ہے، زوال و غروب کے درمیان بھی بلا کراہت جائز ہے، بعد غروب طلوع صبح صادق تک جائز ہے، مگر بہ کراہت، البتہ ایک اتنا تقریباً ہر موقع کا ایک ضروری جرم تھا، پہلی رمی کے ساتھ ہی اسے موقوف کر دینا چاہئے۔

ہم لوگ مجدد دہر تک رمی سے فاسخ ہو گئے، اس کے بعد قربانی کا نمبر آتا ہے، قربانی کے لئے تین جانور شریعت نے رکھے ہیں، اونٹ، گائے، بھیریا بکری، اونٹ گائے اور بیل میں سات سات آدمیوں کی شرکت ہو سکتی ہے، بھیریا اور بکری میں شرکت، مذہب حنفی میں جائز نہیں، ہر شخص کی طرف سے ایک ایک بکری یا بھیریا ہونی چاہئے، اس کے باوجود بھی کفایت بھیریا بکری ہی میں ہوتی ہے، اونٹ کثرت سے قربانی کے لئے ملتے رہتے ہیں، لیکن سات حصوں میں تقسیم ہونے پر بھی خاصہ گران پڑتے ہیں، گائے بیل بھی اچھی خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں، لیکن اگر کفایت کا خیال مد نظر نہ ہو، اور حبیب میں کافی گنجائش ہو تو افضل ہی ہے کہ اونٹ کی قربانی کرے، فقہاء کی تصریحات اونٹ اور پھر گائے کے حق میں ہیں

ایک قربانی اعلیٰ و افضل ہے، اور وہ اونٹ کی ہے،

ایک درجہ اوسط کی ہے، اور وہ گائے کی ہے،

ہمارے مذہب میں سب اعلیٰ قربانی اونٹ کی

لہ اعلیٰ و هو الاہل و هو افضلہ و

اوسط و هو البقر (طحاوی)

عندنا افضلها الاہل ثم البقر

صحیح نہ ہوگا، کنکریاں تعداد میں سات سے کم نہ ہوں، اگر زیادہ ہو جائیں، مصفا اللہ نہیں  
 ہر کنکری داہنے ہاتھ سے، انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے پکڑ کر پھینکے، اور پھینکنے وقت  
 یون تکبیر کہنا چاہئے، بسم اللہ، اللہ اکبر، سمجھا شیطان، ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑھو  
 لے تو بہتر ہے، اللھم اجعلیٰ حجی مبرورہ، اوسیعی مشکوٰۃ، اذ ذنبی مغفورہ، کنکریاں  
 بہتر ہے کہ مزدلفہ سے چنکر اپنے ہمراہ لائے، نہ ہوں، تو دوسری کنکریوں سے بھی  
 درست ہے، البتہ جو کنکریاں دوسروں کی پھینکی ہوئی وہاں پہلے سے پڑی ہوئی  
 ہیں، انہیں کو اٹھا اٹھا کر رمی کرنا مکروہ ہے، حجرہ عقبہ کے تین طرف نشیب ہو  
 بہتر ہے کہ وہیں کھڑے ہو کر رمی کرے، لیکن اگر ہجوم کے باعث وہاں جگہ نہ ملے  
 یا زیادہ وقت کا خیال ہو، تو چوتھی طرف پہاڑی ہو، اس کی بلندی سے بھی پھینکا  
 جائز ہے، کنکریوں کو دھو لینا بھی بہتر ہے، تاکہ نجاست کا شائبہ نہ ہے، آج کے  
 دن اس حجرہ کی رمی کے بعد ہی چلا جائے، توقف کرنا مسنون نہیں، دیکھتے دیکھتے  
 عقوڑی دیر میں کنکریوں کا ایک پورا ٹیلا بن جاتا ہے، اگر حاجیوں کا شمار کم سے کم  
 تخمینہ کے بموجب، ایک لاکھ ہی فرض کیا جائے، اور ہر حاجی کی کنکریوں کی  
 تعداد بھی کم سے کم فرض کی جائے، یعنی سات سات، تو صرف آج ہی  
 کے دن (ابھی آئندہ تاریخوں کا حساب نہیں) اس حجرہ پر کم سے کم سات لاکھ  
 کنکریاں تو اکٹھی ہو ہی جاتی ہیں، لیکن اللہ کی قدرت، کہ آپ ہی آپ یہ سارا ٹیلا  
 خائب بھی ہو جاتا ہے، اور حج کے بعد اگر دیکھئے، تو پھر وہی صفا چٹ میدان ارمی میں  
 بھی کرنا حائر ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام احمدؒ کے قول کے مطابق سواری کے  
 اوپر کرنا افضل ہے (قاضی خان) بہتر یہ ہے کہ ہر حاجی اپنے ہاتھ سے رمی کرے،

منیٰ کے دوران قیام میں خاص عبادتیں یہ چار ہیں، شیطانوں کے کنکریاں مارنا، جسے اصطلاح میں رمی کرنا یا رمی جبرات کرنا کہتے ہیں، قربانی کرنا، حلقی یا قصر (یعنی سر کے بال منڈانا یا کترانا) اور مکہ جا کر طواف زیارت کرنا، تہنبار رمی کا شروع کر دینا سب سے مقدم ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب اپنے بچے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے لے چلے ہیں، تو راستہ میں تین مرتبہ شیطان ملا، اور باب بیٹے کو راہ حق سے بہکانا چاہا، اور تینوں مرتبہ ناکام و نامراد رہا، اس واقعہ کی یادگاہ میں انھیں تینوں مقامات پر پتھر کے قد آدم ستون بے تنگم اور بے ڈول سے تعمیر کر دیئے گئے ہیں، اور ربّ جلیل کے بندے، سنت خلیلؑ کے قائم رکھنے کو آج تک برابر انھیں مقامات پر شیطان کو کنکریاں مارتے چلے آ رہے ہیں، ہر ستون کو حجرہ کہتے ہیں، جبرات اور چار اسی لفظ حجرہ کی جمع ہے "رمی" کے لفظی معنی مٹی پھینکنے کے ہیں، تینوں حجرے عین سڑک پر بازار کے وسطا و وسطین واقع ہیں، جو حجرہ مکہ سے آتے وقت سب سے پہلے منیٰ کے کنارے پر پڑتا ہے، اسے حجرہ عقبہ کہتے ہیں دوسرے کو حجرہ وسطیٰ، اور تیسرے کو حجرہ اولیٰ، جو عرفات و مزدلفہ کی سمت میں واقع ہے، عوام کی زبان میں یہ بڑا شیطان، منجھلا شیطان، چھوٹا شیطان کہلاتے ہیں، تینوں کے درمیان ایک ایک دو دو فرلانگ کا فاصلہ ہے،

آج حجرہ عقبہ کی رمی کرنی چاہئے، اور آج کے لئے صرف ایک حجرہ کی رمی ہے، باقی دو کی نہیں، رمی کی کنکریاں، جنس زمین سے ہونا چاہئے، یعنی پتھر یا مٹی کی کنکریاں، اگر کوئی شخص لوہے، سونے چاندی کی کنکریاں بنا کر مارنا چاہے تو

و مضبوط خمیون، اور قناتون سے بھرے ہوئے صحن کے، ایک مختصر پختہ مکان بھی  
 تھا اور ایسے موقع سے تھا، آدھ گھنٹہ میں میرا ذاتی قافلہ آٹھ آدمیوں کا، ان کا ہمارا  
 تھا، البتہ آٹھ ساتھی حیدر آباد والے مکان میں آ رہے، اور وہ سب بھی آرام سے رہے  
 —————  
 باور آدم جنت سے جدا ہونے کے بعد جب مزدلفہ میں اماحوا سے  
 ملے تھے، تو انکی اس وقت کی مسرت کی روایتیں اور حکایتیں بہتوں نے پھیلا  
 پھیلا کر لکھی ہیں اس مسرت و راحت کا ایک ہلکا سا نمونہ اس ابن آدم کو مزدلفہ  
 میں نہ سہی، منیٰ میں بیوی کی بہن سے مل کر دیکھنے میں آیا، اسے کوئی صاحب محض  
 لطیفہ نہ سمجھیں، یہ واقعہ ہے کہ جو راحت و آسائش اس پختہ مکان کے نصیب  
 ہو جانے سے ملی، اس کی عشر عشر بھی خیمہ میں ممکن نہ تھی،

آج ۱۰ رذی الحجہ کو منیٰ میں داخل ہوتے وقت اگر یہ دعا پڑھی جائے  
 تو بہتر ہے :-

اللهم عذ ب منی قد ایتھا دانا | لے اشدین آج منی میں پہنچا ہوں، میں تیرے  
 عبدک و ابن عبدک، سالت ان بندہ ہوں اور تیرے بندہ زادہ ہوں، تجھ سے  
 تعین علی بہا مننت بہ علی اولیائک التجا کرتا ہوں کہ میری آرزو میں پوری کر  
 اللهم انی اعوذ بک من الحرمان جس طرح تو نے اپنے اولیاء کی آرزو میں پوری  
 و المصیبة فی دینی یا اسحکم اللہ کی ہیں، لے اشدین پناہ مانگتا ہوں کہ تو  
 الحمد للہ (الذی المغنی سالماً کے باب میں عرومی اشد مصیبت میں یرون  
 معافنا۔ لے سب بڑھ کر دم کرنے والے، شکر ہی اس کا

ہے، اللہ کی جو بھی نعمت بلا مشقت اور فراوانی کے ساتھ ملتی رہتی ہو، ان سب  
 کے ساتھ اپنی ناشکریوں کا یہی معاملہ رہتا ہو، آج جب اپنے قبضے میں کوئی پختہ  
 چھت نہ تھی، اور یہ تصور پیش نظر تھا، کہ مئی کے مہینے میں عرب کے ملک میں تین دن  
 اور دو راتیں مع ایک پونسے قافلہ کے، اگلے میدان، پاکرٹے کی چھت کے نیچے کاٹنی  
 ہونگی، تو زندگی میں پہلی بار یاد پڑا، کہ پختہ مکان کا میسر آ جانا بھی اللہ کی ایک خاص  
 نعمت ہو، اور اللہ کے بیشمار بندے ایسے ہیں جو ساری ساری عمریں بغیر اس نعمت  
 ہی کے بسر کر دیتے ہیں! حیدر آباد کے سرکاری قافلہ کے لئے جو پختہ مکان یہاں کرائے  
 پر لے لیا گیا تھا، وہ عظیم الشان ہی، اور یہ بھی صحیح کہ حجاج حیدر آباد کے سرکاری  
 ایجنٹ، حاجی بلال صاحب بڑے خلیق اور سالار قافلہ میر فیض الدین صاحب مکمل  
 ان سے بھی بڑھ کر خلیق، متواضع و ہمان نواز، لیکن بہر حال ان بیچاروں کے پاس  
 بھی تو جگہ محدود ہی ہے، دو ایک آدمی ہوتے تو بھی مضائقہ نہ تھا، لیکن یہ پونسے  
 سولہ آدمی، جنہیں عورتیں بھی ہیں، اور بوڑھے بھی، وہاں کہاں ٹھہر سکیں گے، اور  
 ان کی راحت و آسائش کے لائق وہ لوگ بیچاڑے، کہاں سے انتظام کر سکیں گے؟  
 ————— دل ابھی اسی حصے میں تھا، اور قریب تھا، کہ معلم صاحب کسی  
 مقام پر شغف فون کو اتارنے کا حکم دیدین، کہ اتنے میں ہماری سالی صاحبہ، سلیم نواب  
 ناظر یار جنگ بہادر، جج ہائی کورٹ، حیدر آباد مع اپنے شوہر کے دکھائی دین (حیدر آباد  
 کے ناظر یار جنگ بہادر اور لکھنؤ کے ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹریٹ لاسے وکن اور اوڈو  
 میں کون ناواقف ہو گا؟) یہ بھی مع اپنے شوہر اور بچوں کے اسی سال حج کے لئے آئی  
 ہوئی ہیں، انکا ملنا تھا کہ مکان کی مشکل آسان تھی، ان کے پاس علاوہ اچھے وسیع

بیان پورے تین دن قیام کرنا ہو، قریباً بیان ہوگی اور قریباً تینوں کے بعد اپنے ہاتھوں  
 کی پیدائی ہوئی گندگی اور عفونت کی بنا پر جو دبائی سیاریاں پھیلین گی، انکا کیا علاج  
 ہوگا؟ دماغ میں یہ فکرین گونج ہی رہی تھیں کہ ہر بان مسلم صاحب نے یہ مژدہ سنایا  
 کہ خیمے ہنوز نصب نہیں ہوئے، بلکہ ہم لوگوں کے پونج لینے کے بعد کہیں نصب  
 ہونے شروع ہوں گے! انا قنڈ، اس کو چھوڑئے کہ نصب کس مقام پر ہونگے، وہ جگہ  
 کیسی ہوگی، ابھی سرے سے نصب ہی نہیں ہوئے ہیں، اور نہ ان کے نصب ہوئی  
 کوئی جلت ہو! فرنگی قوموں کا کتہہ چین مدیر سچ سے بڑھکر اور کون ہوگا، لیکن  
 ایسے موقعوں پر شرم و مذمت سے کہنا پڑتا ہو کہ ہمارے دیندار کاش ان کے دینوں  
 ہی سے کچھ سبق حاصل کرتے ابرے سے بڑے مجمع ان دینا پرستوں کے ہاں بھی  
 ہوتے ہی ملتے ہیں، پھر آخر وہ کس طرح خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مہمانوں  
 کی راحت اور پردیسوں کی آسائش کا سامان بات کی بات میں کر دیتے ہیں اور  
 پردیس کو دیں سے بھی کہیں بڑھکر خوشگوار بنا دیتے ہیں، یہ بالکل صحیح ہو کہ عبادت  
 عبادت ہی کے لئے کجاتی ہو، نہ کہ لذت اور مزہ داریوں کے لئے، لیکن بلا ضرورت  
 مشقت اور تعب برداشت کرنا اور عبادت کو بلا وجہ تکلیف دہ اور ناخوشگوار بنا دینا، یہ  
 آخر کس ائین شریعت و قانون طریقت کے مطابق ہو؟

پختہ مکانات کی قدر آج جا کر معلوم ہوئی، اپنے دیں میں آنکھ کھولی، تو پختہ  
 مکان کے اندر ساری عمر حویلیوں اور کوٹھیوں ہی میں گزری، دل نے معمولی  
 بات اور انھیں اپنا فطری حق سمجھ کر ان کی قدر نہ پہچانی، اور ایک اسی پر کیا مود

چلنے والے انسان بھی، اور کہیں کہیں موٹر بھی! آنے والوں کے لئے بھی، وہی راستہ، اور جانے والوں کے لئے بھی وہی! نہ کسی قسم کی ترتیب نہ تنظیم، نہ پولیس کی طرف سے انتظام نہ کسی اور محکمہ کی طرف سے ہر ایک کی یہی کوشش کہ جس طرح ممکن ہو، دوسرے کو دھکا دیکر اپنے لئے جگہ پیدا کرے، حقیقت کا اندازہ سمجھ رکھنے والے ناظرین کے لئے دشوار نہیں! اونٹ سے اونٹ لڑ رہے ہیں، اور شخند سے شخند ٹکرا رہے ہیں، اونٹ اپنی طرف زور زور سے بلبل رہے ہیں، اور ان بے زبان جانوروں سے کہیں زیادہ چیخ چیخ کر ان کے زبان دراز جمال اور علم اور معلوم کے کارندے آسمان سر پر اٹھائے ہوئے ہیں! اور شخند فون کے اوپر جو سوار یاں بیٹھی ہوئی ہیں، کچھ نہ پوچھئے، کہ خوف و دہشت سے اُن کی کیا حالت ہو رہی ہے! کچھ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں، اور یہ سمجھ رہے ہیں، کہ ان کا شخند اب گرا اور اب گرا، اور کچھ بدحواس ہو کر بالکل چپ سا دھو گئے ہیں! اور گر و غبار کی توحید ہی نہیں، ہاتھ اور پیر، کان اور ناک، سر اور منہ، سب خاک سے اٹے ہوئے! اس وقت اپنی جان عزیز کے لئے پرٹے ہوئے ہیں، صفائی اور پاکیزگی کا خیال کس کو!

بڑی فکر یہ سوار تھی، کہ چل کہاں رہے ہیں، اور منزل پر پہونچ کر اتارینگے کہاں؟ عرفات کے میدان میں قیام کر کے خوب تجربہ ہو چکا تھا، کہ عرب کی بے پناہ گرمی سے معلم صاحب کے عنایت کئے ہوئے، دو تنگ اور ہلکے خیمے کہاں تک پناہ دے سکتے ہیں، پھر وہاں تو چند گھنٹے کا معاملہ تھا، کبھی طرح گزر ہو گئی



## باب ۳۲

### منیٰ بعد حج نمبر (۱)

حج کے سلسلہ اعمال میں عرفات اور مزدلفہ کی حاضری تو کتنا چاہئے کہ بس کھڑی سواری ہی ہوتی ہو، عرفات میں جاتے ہوئے منیٰ میں بھی کچھ ایسا طویل قیام نہیں ہوتا، البتہ عرفات و مزدلفہ سے واپس آکر منیٰ میں ایک خاصہ طویل قیام ہوتا ہے، یعنی ۱۰ ار کی صبح سے بیکہ کم سے کم ۱۲ ار کی شام تک، ورنہ ۱۳ ار تک اس میں چار دن کے عرصہ میں مختلف واجبات و سنن ادا کرنے ہوتے ہیں، مثلاً شیطان کے کنکریاں مار کر، قربانی کرنا، سر منڈانا وغیرہ، اور اسی درمیان میں کہ جا کر خانہ کافرض طواف بھی ادا کرنا ضروری ہے، اس سے پہلے بتئے طواف کئے تھے، وہ کوئی حج کے فرض طواف نہ تھے، حج کافرض طواف وہی ہو، جو عرفات سے واپس کے بعد ادا کیا جائے، ہم لوگ ارذی الحجہ (مکیشنبہ) کو دن نکلنے مزدلفہ سے روانہ ہوئے تھے، اور ڈھائی گھنٹے میں منیٰ پہنچ گئے، آج کے ہجوم اور کشمکش کا کیا پوچھنا! منیٰ کے حدود شروع ہونے تھے، کہ ہجوم کی زیادتی بھی محسوس ہونے لگی، ایک ہی سڑک اسی پر اونٹ بھی چل رہے ہیں، گھوڑے گدھے اور غر بھی پیدا



بن مرواس کی سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی دعا لامہ عشیۃ  
عمرۃ بالمغفرۃ فاجیب (فی قد غفرۃ)  
لہم ما خلا الظالم فانی آخذ المظلوم  
منہ قال ایہرب ان شئت عطیت  
المظلوم الجنة وقفہ  
للظالم فلیرجیب عشیۃ فلما  
صبح بالمرحۃ افاہ الداء فاد  
الی ما سال قال ففعلک رسول اللہ  
صلعم اذ قال تبسم فقال ابوہ  
وعمرہ با بی انت وای ان ہذا  
لساعۃ ما کنت تصون فیہا  
فما الذی اضحکک اشحک منک قال  
ان عدو اللہ ابلیس لما علم ان  
عز وجل قد استجاب و فانی غفر  
لامتی اخذ (التراب فجع  
یحیوہ علیہ اسرویل ہوا بالو  
والشہوہ فاضحکنی ما سہایت من  
جنہم (بن ماجہ)

رسول اللہ صلی عنات میں سہ پہر کے وقت اپنی ہتھی  
مخفرت کی دعا کی تو جواب ملا کہ تمہیں بخش دیا میری امت  
کو بخیر ان لوگوں کے کہ جو دوسروں کے حقوق تلف  
کرنے میں مظلوموں کا بدلہ ضرور دیا جائیگا، اسپر اپنے  
پھر عرض کیا کہ تے پروردگار اگر تو چاہے تو مظلوم کو  
دیکر سے اسپر بھی کر سکتا ہے کہ وہ ظالم کو ممان کرے  
اور ظالم کی بھی مخفرت کر دے اسکا کچھ جواب نہ ملا یہاں  
تک کہ آپ عنفات سے غرور قلب میں آگئے اور غرور قلب  
صبح سویرے اپنے پھر یہی دعا کی اس وقت یہ دعا قبول  
ہو گئی اس وقت آپ مسرت سے ہنس پڑے (یا تبسم قال)  
لکے اب کچھ دیکھنے عرض کی کہ ہلکے مان آپ حضور  
پر فرما ہوں آپ ان اوقات (دعا مناجات) میں تو کبھی  
ہنسے نہیں تھے آج نہ کو نہ ہنسی لکے اس وقت یہ کیسے ہنسے  
آپ ارشاد فرمایا کہ جو وقت اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا  
کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور میری (ساری امت  
کی مخفرت کا پروانہ رحمت ہو گیا تو زمین سے خاک اٹھا اٹھا  
کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور غم و غصہ سے لوٹنے لگا  
تو مجھے یہ جوع و فرس و کھکھک ہنسی آ گئی

والمقام بلغ روح محمد من اللحية  
و السلام و ادخلنا داسر السلام  
يا ذوالجلال و الاکبر ام

حجر اسود اور مقام ابراہیم کے حق سے، محمد کی  
روح کو ہمارا درود و سلام پہنچائے اور  
اے بزرگی و عظمت والے ہم کو رحمت کے  
گھر (جنت) میں داخل کر،

اس کے بعد الحمد للہ کمالہ الا للہ واللہ اکبر کہے، اور لبیک کہے، اور  
درود پڑھے، اور پھر جو حاجت چاہے، دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے،

اعمال حج کا سارا سلسلہ ادھر سے جدیدیت و انابت اور ادھر سے دجھت و دمر  
کا ایک مسلسل مظاہرہ ہے، ہمان کو اپنے گھر بلا کر شریف اور کریم القس نیز بان کیسی  
کیسی خاطرین کرتے ہیں، لطف و مدارات میں کیا کوئی کسر اٹھا سکتے ہیں؟ پھر وہ جو  
سب کریموں سے بڑھ کر کریم، اور سب حالتوں سے بڑھ کر حاتم ہی، جو کرم اور کریمی  
سب کا خالق و پروردگار ہی، کیا وہ اپنے گھر کے ہمانوں پر لطف و نوازش کی بارش  
کرنے میں کوئی بات اٹھا سکتے گا؟ اس کے خزانہ میں مغفرت و رحمت کی کوئی کمی  
ہے؟ اس کے جو دو عطا میں نخل کی کسی آمیزش کا امکان ہی؟ میدان عرفات  
میں آپ کے سرور و سردار نے آپ کے حق میں، اپنے مولا و پروردگار کے سامنے  
ہاتھ پھیلا پھیلا کر جو کچھ مانگا تھا، اور وہاں سے جو کچھ ملا تھا، اس سے آپ واقف  
ہو چکے، اب سنئے کہ آپ کا اور ساری دنیا کا وہ غوار اور عکسار جب عرفات سے  
مزدلفہ پہنچتا ہی، تو کیا مانگتا ہی، اور کیا پاتا ہی، کیا طلب کرتا ہے، اور  
کیا کیا ملتا ہے، خوب یاد ہے، کہ مانگنے والا کون تھا، اور دینے والا کون تھا، عجا

ہو جائیں، تو غریب پر دیسوں کو کتنی سہولت اور کتنی آسائش ہو جائے! سلطان کے  
شیردن، خصوصاً ہندی شیردن نے خدا مہلوم کبھی رفاہ غلغلی و خدمت عباد کی ان  
صورتوں کا بھی مشورہ پیش کیا ہے؟

روزِ وفد میں قیام صرف شب بھر رہتا ہے، اور کی صبح کو، امام کو چاہئے، کہ مسجد  
مشترک احرام میں نماز ادا کرے یعنی صبح صادق طلوع ہوتے ہی، اندھیرے میں بڑھ  
لے، صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت موجود ہے، کہ آج کے دن حضور ﷺ  
نے نماز فجر معمولی وقت سے پہلے پڑھی تھی، علماء حنفیہ نے بھی اسی وقت پر زور  
دیا ہے، نماز کے بعد چاہئے، کہ عرفات کی طرح بہان بھی قبلہ رخ ہو کر وقوف کریں،  
اور خوب جی لگا کر دعائیں مانگیں، بقولیت دعا کی یہ خاص جگہ اور خاص گھڑی  
ہے، اس سے فایز ہو کر آفتاب نکلتے نکلتے یہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہو جانا  
چاہئے، اور منیٰ پہونچ کر شیشاؤں پر جو کنکریاں ماری جائیں گی، انکا بھی یہی چن لینا  
سنون و افضل ہے، منیٰ میں اگر ۳۱ تک رہنے کا قصد ہو تو، کنکریاں گن کر لے لے،  
اور اگر صرف ۱۲ ہی تک ٹھہرنا منظور ہو تو، کم کنکریاں کافی ہوں گی، کنکریاں  
چھوٹی ہوں تو بہتر ہے، دانہ باقلہ کے برابر، اگر اس سے بڑی یا چھوٹی ہوں تو بھی  
جائز ہے، ان کنکریوں کو دھو کر ساتھ رکھنا لینا چاہئے، غصہ کنکری پھینکنا مکروہ ہے  
و قوتِ مشرک احرام کے وقت یہ دعا پڑھے، تو افضل ہے:-

اے اللہ! مشرک احرام کے حق سے اور فائدہ  
کے حق سے اور اس پاک مینہ کے حق سے، اؤ

اللهم عجب مشرک احرام ابد البیت  
الحرام و المشہد الحرام و المہکن

عالم اسلامی میں جو بدظمی و انتشار سرایت کئے ہوئے ہیں، اسکا نمونہ جس طرح عرفات  
 میں دیکھنے میں آیا تھا، یہاں بھی دیکھنا پڑا، اتنا بڑا مجمع، اور نہ کسی قسم کا نظم نہ تنظیم، ایک  
 طوائف الملوک سی پھیلی ہوئی، رات کا وقت، اجنبی ملک، اجنبی زبان، ممکن نہ تھا،  
 کہ کوئی شخص اپنے قافلہ سے کسی ضرورت کے لئے جدا ہو، اور پھر وہاں تک مانی  
 سے واپس پہنچ سکے، بازار تک پہنچ جانا تو خیر آسان تھا، اس لئے کہ دو قانون  
 پر خوب روشنی ہو رہی تھی، اور دور سے نمایان تھیں، لیکن بازار جا کر واپس آنا چاہتا  
 تو آخر کس پتہ، کس نشان سے واپس آئے؟ ہمارے ساتھی کیویاں، دن بھر کے سفر  
 اور تھکان کے بعد قدرۃً بھوک کی تھیں، قافلہ کے دو تین مرد بازار کھانے لینے کو لگے،  
 واپسی میں راستہ بھولے، اور ان پر جو کچھ گذری، بس انھیں کا دل جاتا ہی، ایک ہی  
 طرح کے ہزار ہا اونٹ اور ہزار ہا شغوف ہر طرف نظر آرہے تھے، بالکل بھول  
 بھلیاں کا سامنظر، قدم قدم پر بٹھکتے تھے، اور اپنے قافلہ والوں کو چیخ چیخ کر پکارتے  
 پکارتے گلے پڑ پڑ گئے، جب جا کر کس مشکل سے پہنچ پائے ہیں، کیا حکومت کی استطاعت  
 سے یہ باہر ہے، کہ مختلف ملکوں کے حاجیوں کے لئے مختلف عارضی سڑکیں ایک شب  
 کے لئے تیار کر دے، اور ان سڑکوں کے نام انھیں ملکوں کے نام پر رکھ دے مثلاً ہندوستان  
 مصریہ وغیرہ، اور پھر ان سڑکوں کو مختلف قطعات (PLOTS) میں تقسیم کر کے،  
 ہر ہر قطعہ (پلاٹ) پر ایک ایک معلم کے لئے نمبر ڈال دے، اور سڑکوں  
 کے ناموں اور ان نمبروں کو روشنی میں خوب نمایاں کر دیا کرے؟ اور پھر بٹھکتے ہوئے  
 کی رہنمائی اور رہبری کے لئے تربیت پاسے ہوئے، اور مختلف زبانیں جانتے والے  
 باقاعدہ اور مستعد رضا کاروں اور پہرہ داروں کے اگر صرف چند ہی دستے مقرر

دختر الحسن

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قول  
کے مطابق قبل فجر، اس نماز کا اعادہ کرنا چاہئے،

اور باب الناسک میں ہے۔

ولا یصلی المغرب کلاً المشاء بعتاً  
ولا فی الطریق حتی یدخل من دلقۃ  
وینزل بہا..... لوصی الصلاۃ  
واحد اھما قبل الوصول الی مناد  
لم یخیر وعلیہ اعادتهما بہا اذا  
وصل،

اور ہدایہ میں ہے۔

ویصلی الامام بالباس المغرب والشاء  
بازاین واقامتہ واحدۃ.....  
ومن صلی المغرب فی الطریق لم  
یحسن عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ،

مغرب اور عشا کی نماز میں نہ عنوات میں پڑھنی  
چاہئیں اور نہ راستہ میں یہاں تک کہ مزدلفہ  
آجائے اور حاجی وہاں اترے.....  
.... اور اگر کوئی نماز یا دونوں نماز میں مزدلفہ  
پہنچنے سے قبل پڑھ لی ہیں، تو وہ درست  
نہیں ہوئیں، اور انکا اعادہ وہاں پہنچ کر  
لازم ہے،

امام جماعت کے ساتھ مغرب اور عشا کی نماز میں  
صرف ایک ہی اذان و اقامت کے ساتھ  
ادا کرے..... اور اگر کسی نے  
مغرب کی نماز راستہ ہی میں پڑھ لی، تو امام  
ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نا درست  
نہیں ہوئی،

صرف ایک امام ابو یوسف سے اختلاف منقول ہے، مگر فقہائین سے کسی نے ان کے  
قول پر فتویٰ نہ دیا،

سَلَامُ الْعِشَاءِ فِي وَقْتِهَا لَمْ تَحْتَجِ  
لِلْأَعْلَامِ كَمَا لَا احتِياجَ هُنَا لِلْأَعْلَامِ  
وَلَوْ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِي الطَّرِيقِ  
لَوْ فِي عَرَافَاتٍ أَعَادَا

پڑھے، ایک اذان اور ایک اقامت سے کیونکہ  
عشا کی نماز تو اپنے وقت ہی پر ہو رہی ہو اور  
اس لئے اس کے اعلان کی حاجت نہیں، جیسا  
کہ یہاں اس جمع بین الصلوٰتین کے لئے امام  
بھی ضروری نہیں، اور اگر مغرب یا عشا کی  
نماز راستہ میں یا عرفات میں پڑھ لیجائے تو چاہے  
کہ یہاں دہرائے،

اور یہی درمختار کے دونوں شارحین طحاوی و شامی نے اختیار کیا ہے،  
صاحب کنز کہتے ہیں:-

آج کے دن مغرب کی نماز راستہ میں پڑھ  
یعنی جائز نہیں،

وَلَمْ تَحْجِ الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيقِ

ان کے شارح صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں:-

مزدلفہ پہنچنے سے قبل نماز مغرب پڑھ لینا  
جائز نہیں،

لَمْ تَحْجِ الْمَغْرِبَ قَبْلَ الْوُضُوءِ

إِلَى مَزْدَلِفَةٍ

صاحب بدایع الصنائع لکھتے ہیں:-

اگر کسی دن نے غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب  
مزدلفہ پہنچنے سے قبل ہی پڑھ لی، تو اگر کب  
بھی اس کے اسکان میں قبل طلوع فجر مزدلفہ  
پہنچ جائے، تو اس کی یہ نماز صحیح نہیں ہوگی

وَلَوْ صَلَّى الْمَغْرِبَ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ  
مَزْدَلِفَةَ فَإِنَّ كَانَتْ يَكُونُ أَنْ يَأْتِيَ مَزْدَلِفَةَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ  
لَمْ تَحْجِ صَلَوتَهُ وَعَلَيْهِ أَعَادَتُهُمَا لَمْ  
يَطْلُعِ الْفَجْرُ فِي قَوْلِ إِبْنِ حَنِيفَةَ وَتَمَّ



تمام اگر مسجد مشرأ احرام کے متصل حیل قرح پر ہو سکے تو سبحان اللہ ہم لوگوں کے نصیب ایسے کہاں تھے، عظم صاحب نے اپنی مہربانی سے جہاں چاہا ہمارے اونٹ بٹھائیئے مسجد میں اذان کب ہوئی اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور نہ کسی کی ہمت پڑی کہ مسجد کی تلاش میں اپنا قافلہ چھوڑ کر روانہ ہو، اور گم ہو جانے کا قوی خطرہ اختیار کرنے پہنچنے کے ساتھ ہی نماز مغرب و عشاء بغیر درمیان میں کوئی نفل پڑھے یا کسی اور طرح فاصلہ دے، جمع کر کے اپنے قافلہ کی جماعت کے ساتھ پڑھی گئی، آج کے دن حالت احرام میں نماز مغرب و عشاء مزدلفہ ہی میں اگر عشاء کے وقت اکٹھے پڑھا، کم از کم حقیقیٰ ازہ میں ضروری ہو، یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز مغرب مزدلفہ کے راستہ میں پڑھ لی، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ نماز درست نہیں ہوئی، اور چاہئے کہ مزدلفہ میں پہنچ کر اسے دوبارہ پڑھے اس وقت کے لئے اذان اور اقامت بھی ایک ہی ہے یعنی مغرب و عشاء کے لئے الگ الگ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی تکبیر دونوں نمازون کے لئے کافی ہوگی۔

ان مسائل سے عموماً ناواقفیت ہے، یا اگر واقفیت بھی ہے، جب بھی بے پروائی برتی جاتی ہو، نماز مغرب کوئی صاحب عرفات ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور کوئی صاحب راستہ میں، نماز عشاء بھی بعض جلد باز حضرات راستہ میں پڑھ لیتے ہیں، اس لئے بہتر ہو گا کہ یہاں پہنچ کر ایک نظر فقہاء کی تصریحات پر کر لیجائے، صاحب عشاء کھتے ہیں:-

وصلی العشاءین باذان و اقامة اور مغرب و عشاء دونوں نمازیں مزدلفہ میں

سلسلہ سورہ غاشیہ کی آیات کریمہ اَخْلَقَ یَظْهَرُ وَدِیَ الْاِیَّامِ کَیْفَ خَلَقْتَ وَدِیَ السَّمَاءِ  
 کَیْفَ رَفَعْتَ وَدِیَ الْجِبَالِ کَیْفَ نَصَبْتَ وَدِیَ الْاَرْضِ کَیْفَ سَطَّحْتَ، کی وانشین  
 تفسیر، بغیر کسی لفظ و عبارت کی وساطت کے، زبانِ حال سے از خود ہوتی چلی جا رہی  
 ہے، ابھٹتا لکھتے ہیں، کہ مزدلفہ کے راستہ میں تکبیر و تہلیل اور اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوا اس  
 زبان سے حمد و ثنا تو بار بار ہوا، یہ وہ نادر وقت ہے، جب دل بھی زبان کا شریک  
 ہو رہا ہو، اور ایک قلب ہی کے مضغہ گوشت پر کیا موقوف ہے، ہر ہر نبی ہوا اس وقت  
 شکرِ نعمت کی صدائیں دیر ہا، صبر کے مرحلہ اس سفر میں چھینے کو بکثرت ملتے ہیں یہ  
 موقع خالص مرتبہ شکر کے طے کرنے کا ہے، شکر گزاروں کی تو ہر گھڑی شکر میں گذرتی  
 ہے، یہ گھڑی وہ ہے، کہ ناشکرے بھی شکر گزار بن جاتے ہیں، اللہ اکبر و کلا لا  
 الا للہ والحمد للہ،

کوئی دو گھنٹہ میں مزدلفہ پہنچ گئے، یہاں صرف ایک ہی رات بسر کرنی  
 ہوتی ہے، اور افسوس ہے کہ بہت سے لوگ تو اتنا بھی نہیں کرتے، گذرتے ہوئے،  
 سیدھے منیٰ چلے جاتے ہیں، اس لئے یہاں خمیہ وغیرہ نہیں لگتے، توں ہی کھلے میدان  
 میں لوگ زمین پر بستر بچھا کر یا اپنے تختہ فون کے اندر لیٹ کر گزار دیتے ہیں، خوا  
 وسیع میدان ہے، جگہ کی چپقلش نہیں ہونے پانی، کھانے کی دوکانیں بہ کثرت،  
 پورا بازار لگا ہوا، جا بجا روشنیان بھی نصب، ہلکی خشکی، سناہو، اس میدان میں عجم  
 رہتی ہے، اب کی سال تو اچھی خاصی خشکی ہے، پانی کی وقت اب کی سال کچھ نہیں  
 ہوئی، نہ زیادہ گراں نہ زیادہ گندلا تھا، اور ملا بھی خاصی افراط کے ساتھ

کی خوش انتظامیوں کی نذر ہوا، بہر حال غروب آفتاب کو کوئی قریب آدمہ گھنٹہ  
 ہوا ہو گا جب ہمارا قافلہ روانہ ہوا، مولانا مناظر صاحب کی گشدگی سے  
 ہمارے ساتھیوں میں ایک کی کمی ہو گئی تھی، اور  
 اونٹ کے سفر میں یہ کمی ایک اہمیت رکھتی ہے، بغیر دو سواریوں کے شہدت کی  
 میزان برابر نہیں رہتی، اگر شہدت میں صرف ایک ہی طرف ایک سواری بیٹھی  
 تو شہدت اس طرف جھک کر زمین پر گر جاتا ہے، خیر، مولانا کی جگہ پر معلم صاحب کے  
 صاحبزادہ نے قبضہ کیا، اور قافلہ چلا، اس وقت کے سفر کی کیا کیفیت بیان ہو،  
 عرب میں اونٹوں اور موٹروں پر سفر بہت سے کئے، دن اور رات کے مختلف حصوں  
 میں بھی کئے، لیکن اتنا پر لطف، اتنا دلکش، اتنا فرحت انگیز سفر نہ اس کے قبل کوئی ہوا  
 نہ اس کے بعد، چاندنی رات، پانی برس کر آسمان بالکل کھل چکا تھا، کھلے ہوئے  
 آسمان میں شب و ہم کا چاند، ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی، بارش ہو جانے سے موسم کی حالت  
 بالکل بدلی ہوئی، نہ تیش، نہ لو، نہ گرد، نہ آس، اس کے بجائے خوشگوار خشکی، لطیف  
 و سبک ہواؤں کے جھونکے چلے آ رہے ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے صوبہ یوپی میں  
 ازج یا اکتوبر کے مہینے کی شام ہے، مصری اور بدوی حاجی راج کی خوشی میں طرح  
 طرح کے ترلے گا رہے ہیں، پہاڑیوں سے آواز مگراتی ہے، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا  
 پہاڑیان اور چٹانیں بھی جشنِ بسمرت و طرب میں شریک ہیں، طرح طرح کی بڑی  
 بڑی شیلیں اور گیس کی روشنیوں نورِ علی نور، دہنے اور بایں آگے اور پیچھے سوچا  
 نہیں، ہزار ہا اونٹ، اوپر نظر اٹھائے، تو دلکش اور پیارا آسمان، نیچے دیکھئے تو  
 مضبوط اور بوجھ اٹھانے والی زمین، ادھر ادھر نظر دوڑائیے، تو ہر طرف پہاڑیوں کا

میں اللہ اکبر اللہ اکبر دھلا دھلا اللہ دھلا اللہ دھلا پڑھتا ہوا آئے اور لبیک اور استغفار کو بھی جاری رکھے، مزولفقہ پہنچ کر کوئی خاص دعا منصوص نہیں، مناسک کی کتابوں میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں، راستے میں وہ وادی بھی پڑتی ہے، جہاں خانہ کعبہ اور رب کعبہ کا مشہور دشمن ابرہہ، اپنے زمانہ کی پر قوت امپیرلزم (جہانگیریت و قیصریت) کا نایندہ مع اپنے سارے ساز و مان، لاؤ لشکر کے دم کے دم میں ہلاک ہو گیا تھا اس ادی کا نام وادی مختصری فقہاء رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب اس وادی سے گزرے تو سواری کو تیز کر دے، اور یہ دعا پڑھے،

<p>اے اللہ ہم کو نہ مارنا اپنے غضب سے اور نہ ہلاک کرنا اپنے عذاب سے، اور معاف کرنا اس سے پہلے ہی،</p>	<p>اللھم لا تقتلنا بغضبتک ولا تعذبنا بعد ایت و عاقباً قبل ذالک،</p>
---	---

دعا کے الفاظ بہتوں نے دہرائے ہونگے، خدا معلوم کسی کے دل سے ان قوم کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں، جو آج چودہویں صدی ہجری میں، کعبہ اور رب کعبہ کی عداوت میں، اس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کہیں پڑھی ہوئی ہیں، جن کی جلدین سفید ہیں، مگر جن کے دل عداوت حرم میں حبشہ کی اس قوم کے چہروں سے کہیں زیادہ سیاہ ہو چکے ہیں، اور جن کو ابرہہ کے ہاتھوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں، ہوائی جہازوں اور مسلح موٹر کاروں پر دعویٰ اور غرہ ہے؟

عرفات سے چلنے میں کچھ دیر تو بارش کی وجہ سے ہوئی، اور کچھ وقت بعد صبح

کہ لفظ مزدلفہ مشتق ہے از دلائل ہے، جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور اس میدان کا نام مزدلفہ اس لئے پڑا، کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام جنت سے نکلنے کے بعد پہلے یہیں ملے تھے، ۱۹ اور ۱۰ کی درمیانی شب یہیں بسر کرنی ہوتی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت اگر پیادہ ہو اور غسل بھی کرے، تو بہتر ہے۔  
والمسحون یدخل المزدلفہ ما یشاء (الفصل لدخولھا) (فتح القدیر)

اگر ضعیفی، کمزوری یا بیماری کے عذر قوی کی بنا پر یہاں کا قیام ترک کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن بغیر کسی قوی عذر کے محض تن آسانی کے خیال سے یا جھوم سے پھنکے لئے، یہاں قیام نہ کرنا اور عرفات سے میدے متی چلے جانا ہرگز مناسب نہیں، امام اوزاعیؒ اور بعض تابعین کے نزدیک تو دو دن مزدلفہ رکن حج ہے، یعنی فرائض حج میں داخل ہے، یعنی اگر یہ فوت ہو گیا تو حج ہی فوت ہو گیا (جیسا کہ قاضی ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد میں اس جماعت کا مذہب نقل کیا ہے) اور قاضی خان نے ایسا ہی مذہب امام مالکؒ کا بھی نقل کیا ہے، حنفیہ کے اہل ان گو وہ رکن حج نہیں، لیکن مرتبہ وجوب رکھتا ہے، اور کسی نے بلا عذر خاص، یہاں کا قیام ترک کر دیا، تو اسے قربانی دینی ہوگی، آج کی شب مبارک، بعض فقہاء و محدثین کے بیان کے مطابق، شب قدر سے بھی بڑھ کر ہے، جہاں تک ممکن ہو ساری رات تلاوت اور نماز اور مناجات واستغفار میں گزارے، آج جو ساری رات جاگ گیا، وہ خود کیا جاگا، اس کا نصیب جاگ گیا، بہر حال جتنی دیر بھی ممکن ہو عبادت ہی میں وقت گزارنا چاہئے، عرفات سے آتے ہوئے راستہ

# باب ۳۱

## مزدلفہ

حج کا رکنِ عظمیٰ مجدّد ختم ہو چکا، اس وقت دل کی مسرتوں کا کیا پوچھنا، جس پر گزری ہے، وہی اندازہ کر سکتا ہو، ہر چہرہ کھل جا رہا ہو، ہر طرف مسرت و انبساط، عرفات کے بعد ہی حاجیوں کو مزدلفہ میں قیام کرنا ہوتا ہے، یہ ایک وسیع میدان کا مشہور نام ہے، جو منیٰ و عرفات کے درمیان واقع ہے، منیٰ سے عرفات کے دور استے ہیں، ایک سیدھا اور ایک کسی قدر جکڑے ہوئے منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے سیدھے راستے سے جانا مسنون ہے، اُدھر مزدلفہ نہیں پڑتا، عرفات سے واپسی دوسرے راستے سے مسنون ہے، جو ذرا چکر کھا کر ہے، مزدلفہ اسی راستے میں پڑتا ہے، عرفات سے اس کا فاصلہ ۷-۸ میل ہوگا، اور منیٰ یہاں سے ڈھائی میل رہ جاتا ہے، اس میدان کا معروف نام مزدلفہ ہے، قرآن مجید میں اس کا نام مُذَلِّفٰتِ آیا ہے، اور یہاں کے قیام کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے، کہ خود کلام پاک میں یہ تصریح موجود ہے، کہ عرفات سے واپسی میں مُشْعَرِ اَحْرَامِ میں ذکر الہی کرو، فاذا مضیتم من عرفات فاذا ذکر اللہ عند المشعر الحرام مشعر احرام کے مفہوم میں سارا میدان داخل ہے، اور ایک مسجد بھی یہاں اسی نام سے موسوم و مخصوص ہے، علماء لکھتے ہیں

عرف کے دن سالہا سال کے بعد ہوتی ہے، بزرگوں نے کہا ہے، کہ عرفات کی بارش  
 حج کی مقبولیت کی علامت ہے، یہ اگر سچ ہے، تو خدا ہی کو علم ہے، کہ اب کی حج میں کون  
 اللہ کا شیر شریک تھا، بارش پانی کی کیون تھی، یوں کہئے کہ عفو و مغفرت کی بارش  
 تھی، اور جو جو بوند صبح پر گرتی تھی، بس یہ معلوم ہوتا تھا، کہ معاصی کی سیاہیاں دھل  
 رہی ہیں!



یہ ساری آبادی ویرانی سے بدل جائے گی، اور ہبان آج دن بھر لکھو کھا انسانوں کا مجمع رہا، وہاں اب ایک تنفس بھی نہ نظر آئیگا اور سال بھر کی ویرانی کے بعد پھر آج ہی کی تاریخ اسی طرح کی آبادی اور تپیل پیل ہوگی! آج کے دن جس طرح یہاں نماز عصر اپنے وقت سے پہلے ہٹا کر نمازِ ظہر کے ساتھ لاکر پڑھ لی گئی، اسی طرح حکم ہے کہ آج نمازِ مغرب بھی اپنے وقت سے پیچھے ہٹا دیجائے، اور بجائے یہاں پڑھنے کے مزدلفہ پہنچ کر رات گئے، نمازِ عشا کے ساتھ لاکر پڑھی جائے، بعض ناواقف بیچارے جلدی جلدی یہیں نماز پڑھنا ادا کرنے کے لئے نیت باندھ رہے ہیں، ناواقفیت کی بنا پر مواخذہ سے تو غالباً بچ جائیں، لیکن اتباعِ سنت کا اجر تو بہر حال اپنے ہاتھوں کھو رہے ہیں، ہزار ہا ایسے ہیں، جو جلد بازی کر کے کچھ دن رہے ہی روانہ ہو جاتے ہیں، سنوں وقت روانگی کا، غروبِ آفتاب کے بعد ہے، لیچے، آفتاب غروب ہونے لگا، سب کے خیمے اکھڑ چکے، ہمارے خیمے اکھڑ ہی رہے تھے، کہ بے شان و گمان بغیر کسی موسمی توقع و تغیر کے، دفعۃً آسمان پر ایک طرف سے بار کا ٹکڑا آتا ہوا نمودار ہوا، دو چار بجلی چمکی، ابو ندین شرفِ ہونین، اور چند ہی لمحوں میں اچھی خاصی بارش ہونے لگی، اکرم کی کریمی اور مولا کی رحمتوں کی تھماہ کون پاسکتا ہے! احرام پوشوں کے جسم کمان تو ابھی جلجلائی ہوئی دھوپ میں تپ رہے تھے، اور کمان ابھی پانی میں لت پت ہونے لگے، بارش ہوئی، او خوب اچھی طرح ہوئی، لوگ بھیکے اور خوب بھیکے، "بارانِ رحمت" کا لفظ سنا بارہا تھا، حقیقتہً "بارانِ رحمت" کا مشاہدہ آج ہی ہوا، لوگ کہتے تھے، اتنی بارش



انتظامی کمیٹی قائم کرے، لیکن جب تک اُس میں مختلف زبانیں جانتے والوں اور مختلف ممالک کے مذاقِ طبیعت سے واقفیت رکھنے والوں کو شریک نہ کرے گی، کوئی بڑی کامیابی ممکن نہیں، یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، حاشاً، اس سے موجودہ حکومتِ حجاز کی تقیص یا اُس پر مخالفانہ کٹر چینی مقصود نہیں، بلکہ مقصود صرف آئندہ کے لئے اصلاحِ حال ہے، جس سے حاجیوں کو بھی راحت پہونچے، اور حکومت بھی نیکنامی حاصل کرے،

اعمالِ حج کا رکنِ عظیم یہی وقوفِ عرفات ہے، جس وقت سر پہر کو (اندازہ کے لئے اوسط وقت عصر سمجھے) امام خطبہ پڑھ چکا ہے، تو وہ وقت عجب مسرت کا ہوتا ہے، ”حج ہو گیا“ ”حج ہو گیا“ کی صدائیں ہر طرف سے آنے لگتی ہیں، اور ایک دوسرے کو گرجوشی کے ساتھ مبارک بادیں دینے لگتی ہیں، معلّٰینِ خیون پر آکر اپنے اپنے حاجیوں کو کچھ دعائیں پڑھاتے ہیں، جو نہ اس وقت یاد آتی ہیں، اور نہ کسی دوسری کتاب میں نظر سے گذری ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ، وہ خود اور اُن کے ملازمین اور کارندے کچھ نہ کچھ وصول بھی کرتے جاتے ہیں۔ لیجئے، دیکھتے ہی دیکھتے، عصر کا وقت آخر ہونے لگا، آفتاب میں زروئی آنے لگی، اور نیچے اکھڑنے شروع ہو گئے، سبحان اللہ و بحسبہ، کیا خدا کی قدرت ہے، اب تھوڑی ہی دیر میں

اور ان میں ایک دوسرے سے فوری پیام رسانی کے لئے ہارنسی ٹیلیفون کا انتظام  
 باسانی ہو سکتا ہے، حکومت حجاز لکھو کھا روپیہ ان حاجیوں سے موسم حج میں وصول  
 کرتی ہے اگر اس میں سے دس میں ہزار روپیہ انھیں کی سہولت و آسائش کے  
 سامان پر لگا دیا جائے تو حکومت کے خزانہ پر ہرگز کوئی بار نہیں پڑ سکتا۔

حکومت کے نظم و انتظام کی افسوسناک کمی صرف اسی ایک حیثیت سے واضح  
 نہیں ہو رہی تھی، عرفات سے واپسی کے بعد سننے میں آیا کہ وہاں پانی ابرت،  
 شربت، فالودہ، چائے اور قہوہ کی دوکانیں بھی موجود تھیں خدا معلوم کہاں تھیں عرفات  
 دورانِ قیام میں تو ہمارے قافلہ کو انکا پتہ کہیں چلا نہیں، ظاہر ہے، کہ میلون کے وسیع  
 رقبہ میں کسی ایک گوشہ میں، یا عین وسط میں بھی، اگر چند دوکانیں ہوئیں، تو دو  
 والوں کو ان کی کیا خبر ہو سکتی ہو، بجائے کسی ایک جگہ کے چاہئے یہ تھا کہ مختلف  
 ملکوں کے کمیون میں الگ الگ دوکانیں ہوتیں، دوکانیں ہوتیں چاہے چھوٹی  
 ہی، لیکن انکا متعدد ہونا، اور مختلف حصوں میں پھیلا ہونا لازمی تھا، ہندوستان  
 میں جن لوگوں نے، کانگریس کے یا اس کے زمانہ عروج میں خلافت کا فرس کے  
 سالانہ جلسوں کے انتظامات میں حصہ لیا ہے، وہ عرفات میں بھی اپنی رضا کارانہ خدمات  
 بخوشی پیش کر سکتے تھے، اور سودی حکومت اگر انھیں موقع دیتی تو ان خدمات  
 کو وہ اپنے لئے وسیلہ نجات و باعث سعادت خیال کرتے، پچھلے سالوں جو کچھ ہونا  
 تھا، ہو چکا، آئندہ کے لئے اب بھی کچھ نہیں گیا، حکومت حجاز کا اس موقع پر  
 باہر کے حاجیوں سے اشتراکِ عمل لازمی ہے، حکومت لاکھ ٹیک نیسی کے ساتھ کوئی

جاتے ہیں، اپنے خیمہ سے نکل کر چند قدم چلے، کہ راستہ کھم ہو گیا، اب نہ جہان جانے کے لئے نکلے تھے، وہ ان پہونچ سکتے ہیں، نہ اپنے خیمہ کا راستہ پاتے ہیں، عجب مصیبت و سبکی کا وقت ہوتا ہے، راستہ پوچھیں تو کس سے، اور کوئی بتانا چاہے بھی تو کیا بتائے، سب انھیں جیسے نادان تھے، ہم لوگ نماز کے لئے کسی بڑی جماعت کی تلاش میں ایک بار اپنے خیموں سے باہر نکلے، لیکن چند ہی قدم چلنے کے بعد عافیت واپسی ہی میں نظر آئی، حکومت اگر چاہے، تو ان دشواریوں کا سدباب آسانی سے کر سکتی ہے، اول تو موجودہ حالت انتشار و بے نظمی کے بجائے خیموں کے مختلف محلے (کمپ) مختلف ملکوں کے اعتبار سے قائم کر دینے چاہئیں، مثلاً ایک محلہ مغربی کا ایک ہندیوں کا، ایک حجازیوں کا، ایک جاویوں کا وغیرہ وغیرہ، پھر بڑے ملکوں کے محلوں کے اندر صوبہ وار تقسیم کر دینی چاہئے، مثلاً پنجاب کمپ، بنگال کمپ، اتر علی ہذا، اور پھر اس کے بعد خود ان صوبہ وار محلوں کے اندر خیموں پر نمبر ڈال دینے چاہئیں، ہر کمپ کا بھی ایک الگ نمبر ہونا چاہئے، اور علاوہ نمبروں کے مختلف رنگ کے بلند جھنڈوں اور جھنڈیوں کے ذریعہ سے مختلف کمپوں کو ممتاز و نمایان کرنا چاہئے، عارضی سرکون اور روشن کو بنا کر اور ان پر نمبر ڈال کر بھی بہت کچھ سہولت پیدا کی جا سکتی ہے، صوبہ وار کمپوں کے اندر مختلف معلون کے نام بھی ان معلون کے حاجیوں کے خیموں کے گرد و اگر نمایان کر دیئے جائیں، تو دشمنین اور زیادہ گھٹ سکتی ہیں، ان سب تدبیروں کے علاوہ چار پانچ سو کی تعداد میں مختلف زبانیں جاننے والے رضا کار یا پولیس کے رضا کاروں کے کمپ کسی خاص نمایان رنگ کے ساتھ میدانِ عرفات کے مختلف حصوں میں ہو چاہئیں

مکن ہر بعض پچھلے سالوں البتہ سنا ہے، کہ پانی بہت کم ملا تھا، اور دو دو روپیہ فی  
 مشک کے حساب سے ملا تھا، اور بہت گندلا ملا تھا، اب کی سال اللہ کا بڑا فضل  
 رہا، اللہ ٹھنڈا رکھے زبیدہ خاتون کی تربت کو اسی کی تعمیر کرائی ہوئی نہر سے،  
 صد ہا سال سے اللہ کی بیشمار مخلوق سیراب ہوتی چلی آرہی ہے، اور آئندہ  
 بھی خدا معلوم کب تک اسی طرح سیراب ہوتی رہے، البتہ ضرورت اس کی  
 ہے کہ نہر کی صفائی، پابندی اور انتظام کے ساتھ ہوتی رہے، سفری چولھا  
 (یا لکڑ) اگر ہمراہ ہو تو بہتر ہے، ہم لوگوں کے ساتھ مین انگلیٹھی اور کوئلے تھے،  
 ان سے بھی کام چل سکتا ہے، مخمق کھانا بطور ناشتہ کے پک گیا، ستوا ایسے موقع  
 پر خاص طور سے کام آتے ہیں، غذا کی غذا، اور پیاس کی تسکین الگ، اور  
 پھر بغیر کسی دشواری و اہتمام کے دم بھر مین تیار، مڑ مڑے (لائے) کے ستو  
 سب سے بہتر ہیں، تال کھانے کے ستو مناسب نہیں، نقصان کا احتمال  
 ہے، خصوصاً جبکہ طبیعت پختی کی جانب از خود آمادہ ہو رہی ہو،

خمیوں کے اس جنگل میں اپنے خیمہ سے باہر نکل کر کچھ دور تک جانا، غضب  
 کا سامنا کرنا ہے، خمیوں کے نصب کرنے میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہوتی،  
 یا اگر ہوتی ہو بھی تو کم از کم حاجی غریب کو تو اس کا علم ہوتا نہیں، نہ خمیوں  
 پر کوئی نمبر یا اور کوئی خاص علامت، سیکڑوں ہزاروں خیمے، بس ایک ہی رنگ  
 کے ایک ہی وضع و قطع کے، ہر طرف مسلسل چلے گئے ہیں، بے پڑھوں بوڑھوں  
 اور بوڑھیوں کا ذکر نہیں، اچھے خاصے جوان جہان، ہوشیار پڑھے لکھے حکمران

کے لئے دو خیمے تھے ایک خیمہ میں خاص میرے قافلہ کے آٹھ آدمی (زن و مرد) آگئے  
 دوسرے میں بقیہ آٹھ آدمی رہے معلم صاحب نے جو خیمے دیئے ہیں، وہ آٹھ آٹھ  
 آدمیوں کے رہنے کے قابل تو کسی طرح پر بھی نہیں، لیکن خیر چند ہی گھنٹوں کا  
 معاملہ ہے، کسی نہ کسی طرح گزر ہو جائیگی، اپنے اپنے شغف بھی خیموں سے بالکل  
 متصل رکھوائے، عورتیں زیادہ تر شغفوں ہی کے اندر رہیں، شغف خیمہ سے  
 زیادہ آرام و ثبات ہوئے، بڑی وجہ یہ ہے کہ شغف ادبچے پلنگ کی طرح زمین  
 سے کافی بلند ہوتے ہیں، اس لئے اُن میں پیچھل کر کم از کم زمین کی گرمی سے امن رہتا  
 ہے، خیمے اگر ہر طرف سے بند رہتے ہیں، تو بڑی اس پیدا ہو جاتی ہے، دم گھٹنے  
 لگتا ہے، پسینہ کی حد نہیں، لیکن اگر خیمہ کی قناتیں دو طرف سے کھول کر دروازہ  
 سے بنا دیئے جائیں، تو پھر خاصی ہوا آنے لگتی ہے، زمین خوب چلتی اور تپتی ہوتی  
 ہے، اس پر بچانے کے لئے کوئی موٹا فرش ہمراہ لانا ضروری ہے، اور اگر کپڑے کی  
 کرسی یا ٹوٹ کا پلنگ ہمراہ اس کے تو یقیناً زیادہ آرام ملے گا، بیسی سے ڈک چیرا کپڑے  
 کی کرسی، اگر ہمراہ لے لیجائے، تو ہوا زمین بھی بہت کام دیگی، اور عرفات و منی  
 میں بھی اسی قدر مفید ثابت ہوگی، پانی کی بابت بہت سی ڈراونی روایتیں سننے  
 میں آئی تھیں، سنا تھا کہ عرفات میں پانی بہت مشکل سے، اور بہت کم اور  
 بہت گران، اور بہت خراب ملتا ہے، اب کی سال تو خدا کے فضل سے کوئی  
 ایسی دقت نہیں پیش آئی، پانی پیچے والے کثرت سے پکارتے پھر رہے ہیں، اور  
 پانی کچھ ایسا آند لا بھی نہیں، خاصہ صاف ہے، زیادہ گران بھی نہیں، ایک کنسٹر  
 یا اوسط درجے کی مشک آٹھ آنے میں، یا اگر زیادہ چکایا جائے تو چھ آنے میں بھی ملتا

اداکی، اور اس کے بعد جبل عرفات کے دامن میں جو خشک جھاڑیاں ہیں، انہیں  
 سے ایک ایک جھاڑی ہر بزرگ نے اپنے اپنے لئے مقرر کر لی، اور پوری یکسوئی  
 و فراغ خاطر کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی عبادتوں میں مصروف ہو گئے، جھاڑیاں  
 نہ اتنی قریب قریب، کہ ایک شخص کی آواز دوسرے کی توجہ میں مغل ہو، اور نہ  
 اتنی دور دور، کہ فراغت کے بعد ساتھیوں کے تلاش کرنے میں دقت ہو۔  
 یہ انتظام اگر کسی سے بن پڑے، تو کیا کہنا، یکسوئی و سکون خاطر کا بہترین نسخہ  
 اور بہترین نقشہ ہی، اس سفر نامہ کے مصنف کی تقدیر بھلا ایسی رسا کب تھی، اپنا  
 تو سارا وقت اکٹھا چاہئے، کہ محض ضائع ہی ہوا، اور نفس بہانے یہ کرتا رہا، کہ قافلہ  
 کی ضروریات، اور مستورات کے آرام وغیرہ کا انتظام کرنا ہی، اکی فرلانگ طے  
 کر کے اس کڑی دھوپ میں، اپنے پست ہمت کو مسجد نمروہ تک جانے کی توفیق کیوں  
 نصیب ہونے لگی تھی، یہی غنیمت ہوا، کہ اپنے خیمہ ہی میں مختصر سی جماعت مل گئی  
 مولانا مناظر صاحب ہر موقع کی طرح آج بھی ہمارے قافلہ میں سب سے زیادہ  
 نصیبہ و در رہے، نماز پڑھنے مسجد نمروہ گئے، واپسی میں خیمہ کا راستہ بھول کر خدا جانے  
 کہاں تک بھٹک گئے، اور ساتھیوں سے گم ہو کر یہاں کی تنہائیوں اور خلوتوں  
 میں خدا معلوم کیا کیا پالیا اذلت فضل اللہ یوتیہ من لیشاء کی تصدیق ایک بار  
 پھر ہو کر رہی،

ہم لوگ یہاں قبل دوپہر پہنچ گئے تھے، دوپہر ہوتے ہوتے جھین غسل  
 کرنا تھا، وہ غسل سے، اور باقی تازہ وضو کر کے تیار ہو گئے، ناولہ آدمیوں

ان رجتوں اور خشون کی کوئی حد و انتہا ہی! — ان حکایتوں پر حیرت  
 کیون کیجئے! کیا روزمرہ آپ نہیں دیکھتے رہتے کہ غلہ کے انبار میں جو مٹی اور تنکے  
 پڑ جاتے ہیں، وہ بھی غلہ ہی کے حساب سے بکتے ہیں، اور سونے میں گرد و غبار  
 کے جو ذرات شامل ہو جاتے ہیں، وہ بھی سونے ہی کے ساتھ تلنے لگتے ہیں!  
 کتا ایک غصہ اور ناپاک جانور ہی، اصحابِ کف کے طفیل میں کہاں سے کہا  
 پہنچ گیا! پھر انسان تو بہر حال انسان ہی، اور جو عرفات میں حاضر ہوتا ہی، وہ  
 آخر اللہ اور رسولِ صلعم کا نام لیا تو ہوتا ہی ہے، اس سے بڑھ کر بد نصیب اور  
 کون ہوگا جو آج اور یہاں کی حاضری کے وقت بھی رسولِ پاک (صلعم علیہ السلام)  
 ارشاد مبارک کو بھلائے رکھے، کہ: —

سب بڑھکر گنہگار وہ ہیں جو عرفات میں حاضر  
 ہو، اور پھر بھی یہ خیال رکھے کہ اللہ نے اُسے  
 نہیں بخشا،

اعظم الناس ذنباً من وقف بغيره  
 فظن ان الله لم يغفر له،

ایک زندہ بزرگ کا (خدا انہیں مدتوں زندہ و سلامت رکھے) معمول ہے  
 سننے میں آیا کہ وہ صبح کو مکہ سے منیٰ پایادہ آجاتے تھے، اور پھر وہ صبح  
 کو سچے اپنے تین یا چار ہم شرب و ہم مذاق یا رانِ سلسلہ کے متی سے عرفات بھی  
 پیدل ہی آتے تھے، ایک ایک جا نماز، پانی کی ایک ایک بوتل، اور بسکٹ وغیرہ  
 کی قسم سے مختصر ناشتہ، بس اس قدر سامان ہر ہر رفیق کے ہاتھ میں، عرفات پہنچنے  
 ذرا دم لیا، غسل فرمایا، ظہر و عصر کی نماز جمع کر کے جماعت کے ساتھ مسجدِ نمروز میں

نمود بابت! آج تو وہ دن ہے، کہ کسی کا کرم بے حساب اور رحمت بے پایان  
اپنے سایہ و امن میں لے لینے کے لئے حیلہ ڈھونڈتی ہوتی ہے، اللہ والوں کی  
سفارش سے بڑھ کر اور کیا حیلہ ہوگا، ان مقبولوں کے طفیل میں خدا معلوم  
کتنے غیر مقبول آج مقبول بناتے ہیں، اور کتنے مفلسوں اور تہیدستوں کا  
شمار آج سرمایہ داروں میں ہونے لگتا ہے! کریم جب دینے پر آئے، اور کریم کے  
در کے بھکاری مانگنے میں کمی نہ کریں، تو داد و دہش کی کمی اہل و نااہل کس کس  
حقدار اور بے حق، کھرے اور کھوٹے، سب ہی اپنی اپنی قسمتوں کے حصہ کے  
مطابق نعمتوں سے سرفراز اور دولتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

صوفیہ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ علی بن ہنفی ایک بہت قدیم بزرگ گزرے  
ہیں، حج کے لئے حاضر ہوئے، نوین شب میں منیٰ میں خواب دیکھا، کہ دو فرشتے  
باہم گفتگو کر رہے ہیں، ایک نے دوسرے سے پوچھا، کہ اب کی کتنے حاجی آئے  
جواب ملا، کہ ۷ لاکھ، پھر پوچھا، کہ حج مقبول کتنوں کا ہو؟ جواب ملا، کہ ۷ لاکھ  
۷ لاکھ میں کل چھ! بول و دہشت سے آنکھ کھل گئی، اور دل نے کہا کہ اپنا شمار  
اُن چھ خوش نصیبوں میں تو بہر حال نہیں ہو سکتا، معلوم ہوتا ہے، یہ ساری محنت  
و شقت بیکاری کی، دسویں شب میں عرفات سے واپسی کے بعد، پھر اسی طرح  
خواب میں انھیں دونوں فرشتوں کو دیکھا، ایک نے پوچھا کہ حج مقبول کل چھ  
کا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا، کہ اُن چھ کے طفیل میں پورے چھ لاکھ کے حج  
مقبول ہو گئے! اعظمہ اللہ! ان نواز شدہ اور سرفراز یوں کا کوئی ٹھکانا ہے!



# باب ۳۰

## عرفات مبارک

لکھو کھا کے جمع میں لوگ سب ہی طرح کے ہیں، ہر مزاج، ہر مذاق، ہر مرتبہ کے نمونے موجود ہیں، ہزاروں ایسے ہیں، جو عرفات کی حاضری کو ایک طرح کی تفریح کی تقریب سمجھتے ہوئے ہیں، اور چالے پیٹنے پلانے کی دعوتوں میں مصروف ہیں، بیکاروں ہزاروں ایسے ہیں، جو سو سو کر اپنا وقت کاٹ رہے ہیں، کہیں کہیں دنگین چڑھی ہوئی ہیں، اور اعلیٰ درجہ کی بریائی اور پلاؤ کا سامان ہو رہا ہے، پھر بھی ہزاروں بندے اللہ کے ایسے بھی ہیں، جو وقت کی قدر و قیمت کو پہچانے ہوئے، اور مقام کی اہمیت کو پوری طرح جانے ہوئے، اس دوپہر کی ایک ایک گھڑی، اور اس سہ پہر کا ایک ایک لمحہ اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلانے اور چٹائی رکھنے اور گڑا گڑا آنے، استغفار و مناجات کرنے میں بسر کر رہے ہیں، انہیں میں کیسے کیسے مقبول و برگزیدہ ہون گے، کیسے کیسے اپنے رب کے پیارے ہون گے، کیسے کیسے مخلص متقی ہون گے، قطب ہون گے، ابدال ہون گے، اولیاء ہون گے، کاملین ہون گے، انکی دعائیں کیا تنہا اپنے نفسوں کے لئے ہونگی؟ ان کے رب کی رحمتوں کا نزول کیا صرف انہیں کے لئے ہوگا؟ اللہ اور اللہ والوں سے تنگ دلی کی بدگمانی

جاؤ فی شعثا غبرا میر جون جہمتی دینا خون  
عن ابی دلہریرہ فی فکیف لو امرونی،

پر فتنہ و فساد ہی کر چکا، انہیں دکھا دکھا کر عزت  
کی ماضی دینے والوں پر غر کیا جاتا ہے

اور کہا جاتا ہے کہ دیکھو، خاک کے پتلون کا ذوقِ جمین سائی دیکھو، آج جب اپنے  
کو اتنے حجابات میں رکھا ہو، اس وقت تو ان کی تمنائے دیدار اور دیوانگی کا یہ حال ہو  
پھر جس وقت حجابات اٹھ جائیں گے، اس وقت اس شمعِ رخ پر یہ پردے کس کس انداز  
مستی و دیوانگی سے گرہیں گے!

کے بھڑانے کے لئے آج سے بہتر تاریخ اور یہاں سے بہتر سرزمین اور کون سی دھونڈھکرا لائے؟

دینا کی کوئی قوم اور دے زمین کا کوئی مذہب اس خالص تو حید و خدا پرستی کے عظیم نشان مظاہرہ کا نمونہ پیش کر سکتا ہو؟ کس نے کبھی پیش کیا؟ کوئی آج نہیں پیش کر رہا ہو؟ کوئی آئندہ کبھی پیش کر چکا ہو؟ بتوں کے بندے بے شمار عرصوں و ہول کے پرستار لاتعداد سیر و تماشہ کے سودائی بے گنتی، لیکن دیتا ہوتے ہمارے کون اور سبزہ زاروں کی سیر کرنے والی دینا آئے، بازار دن اور نیا ش گاہوں کی گشت لگائی والی دینا آئے، بیچنا و خریدنا اور چڑیا خانوں میں وقت گزارنے والی دینا آئے اور اس بیویں صدی عیسوی میں ایک ایسا ذرا اللہ کی فوج کے ان سپاہیوں کو اپنے رب کے ان ستون اور دیوانوں کو دیکھے کہ اس جیلاقی دھوپ میں پتی ہوئی ریت کے اوپر ننگے سر اور پسینہ شرابور مٹی میں اٹے ہوئے اور خاک میں لتھڑے ہوئے، کس کس طرح جھک جھک کر اور گر کر اور گر کر اور گرا کر اور گرا کر گرا کر اپنے ان دیکھے مولاد مالک کے آگے، مانگتے اور بھیک مانگنے کے لئے کن کن آرزوؤں اور تمنائوں کیساتھ، کس عجز و شوق و اشتیاق کیساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں اور دعائیں انکی نہ قبول ہو گئی تو کس کی قبول ہو گئی؟ جو کچھ مانگیں گے ملے گا جو سوال ہو گا پورا ہو گا، لیکن اتنا کرم تو دینا کے کریم بھی کر دکھاتے ہیں، انھیں تو وہ میٹھا جواں کے وہم و خیال میں بھی نہیں، یہ تو وہ پائین گئے جیسا سوال ان کے ذہن میں بھی نہیں! نور کے بنے ہوئے فرشتے ظلم و جہول انسان کی اس طاعت و اطاعت

پر دمگ رہ جاتے ہیں انھیں دکھایا جاتا ہو اور جنہوں نے کبھی کہا تھا کہ انسان رسوا

ان الله ينزل الی معاء الدینا  
بهم الملائکة یقولون مکمل عبادی

اور یہ سارا مجمع کیوں آپ ہی آپ اکٹھا ہو رہا ہے؟ کوئی دھچپ تماشہ ہونے والا ہے؟  
 کوئی بزم مشاعرہ ہو؟ کوئی ہنسنے ہنسانے والی نقل دکھائی جائیگی؟ کوئی گھوڑ دوڑ  
 ہے؟ پلو ہو؟ ہاکی یا فٹ بال کا میچ ہے؟ رستم دوران گامان پہلوان کی کشتی کا  
 دنگل ہو؟ تجارتی مصنوعات کی نمائش ہو؟ ڈربی سویپ (SWEEP) ہے؟  
 گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بازار لگنے والا ہے؟ کسی کانفرنس، کسی کانگریس کا افتتاح  
 ہے؟ کسی کا کچر ہونے والا ہے؟ کسی درگاہ پر عرس ہو رہا ہے؟ کسی دیوی دیوتا کی  
 پوجا ہونے والی ہے؟ کوئی گنگا نشان ہے؟ کوئی کبھ میلہ ہے؟ بجز ایک اللہ کی عبادت کے  
 بجز ایک اللہ کے حکم کی تعمیل کے، بجز ایک اللہ کے نام پر مرٹنے کی تمنا کے، اور کوئی  
 نے ان ہزار ہا بندوں کو، ان لاکھوں کلمہ گو یوں کو یہاں اس تپتی ہوئی ریت میں  
 گھسیٹ کر لائی ہے؟ مجمع دنیا میں اور بہت سے ہوتے رہتے ہیں، میلے ٹھیلے خدا معلوم  
 کتے ہوتے رہتے ہیں، کھیل تماشوں میں ٹھٹ کے ٹھٹ ہر جگہ لگ جاتے ہیں، لیکن  
 اللہ کے نام پر جمع ہونے والوں کا، لبیک لبیک کی رٹ لگا کر اللہ کا نام جینے  
 والوں کا اور محض بن دیکھے مولا و مالک کے آگے رونے اور گڑ گڑانے، بھجکنے اور  
 گرنے والوں کا اتنا بڑا مجمع، دریاؤں اور سمندروں کو پار کر کے، پہاڑوں اور  
 پہاڑیوں کو چھاند کر کے، دنیا کے طول و عرض میں کہیں، اور وقت کے کسی حصہ  
 میں کبھی بھی ہوتا ہے؟ دعائیں، ان اللہ والوں کی نہ قبول ہونگی، تو اور کس کی  
 ہونگی؟ بے حساب رختوں اور بے شمار برکتوں کا نزول ان کے سروں پر نہ ہوگا  
 تو اور کس پر ہوگا؟ مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ اسی مقام پر اور آج ہی کے  
 دن قبول ہوئی تھی، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن بہر حال نبی آدم اپنے گناہوں

رہنما وقت اعظم ہی مقام کھاتا ہے، جیل رحمت کے نیچے بڑے بڑے سیاہ پتھر بہت سے |  
 دھیر ہیں، اگر جگہ مل جائے، اور ہمت ہو، تو یہیں کہیں میٹر کر فراغت و کیسولی کیساہ  
 دعا و مناجات میں مشغول ہو جائے، سہ پہر کے وقت امام حسین آتا ہے، اور قبلہ رخ، اونٹ |  
 پر سوار ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، اور دعائیں مانگتا ہے، لوگوں کو بھی چاہئے کہ دعا کے رتہ |  
 قبلہ رخ ہی رہیں، اگر امام کے قریب پہنچ سکیں، تو فضل ہے، ورنہ جہان کہیں بھی |  
 ہوں، وہیں اپنے کام میں لگے رہیں، سارا میدان عرفات بجز دادی عرس کے جو مسجد |  
 سے متصل ہے، موقوف ہی موقوف ہے،

امام غزالی، اعمال عرفات کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ:-

اس وقت خوب ہی لگا کر دعا کرے، اللہ راز کا	دعا بیا لٹھ کند کہ سر سچ اجتماع
یہ کہ اس وقت کیسے کیسے مقبول و برگزیدہ ہے	دلہا و ہتھائے عزیزان ست درین وقت
ایک ساتھ دعا میں لگے جوتے ہیں !	شریف،

اللہ اللہ! یہ عرفات کا لائق و دق ویرانہ، جو نہ انسان کے بننے کے لائق ہے، نہ حیوان |  
 کے، اور جہان سال بھر انسانی آبادی تو لگ رہی، پرندہ پر بھی نہیں مارتا، دم کے دم |  
 میں، آن کی آن میں، کیسا سے کیا ہو جاتا ہے! دن بھر کے لئے، سیکڑوں کا نہیں، ہزاروں |  
 کا نہیں، لاکھوں کی آبادی کا ایک عظیم الشان شہر آباد ہو جاتا ہے! ان میں بوڑھے |  
 بی اور جوان بھی، بچے بھی اور عورتیں بھی، شہزادہ پلو ان بھی، اور لب مرگ کمزور |  
 ناتوان بھی، گورے بھی کالے بھی، سانٹوں بھی پیلے بھی، مشرقی بھی مغربی بھی، جنوبی |  
 بھی شمالی بھی، عالم بھی حامی بھی، امیر بھی فقیر بھی، عابد و زاہد بھی، فاسق و فاجر بھی،

مضبوط و مدلل معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم وعلہ التمر

حج کا فرض اتر جانے کے لئے عرفات کی محض حاضری کافی ہے، خواہ انسان کچھ بھی نہ کرے، یہاں تک کہ اگر سو رہا ہو، یا بے ہوشی کی حالت میں، اور کوئی اسے چند لمحوں کے لئے میدان عرفات سے آج کے دن گزر دے، تو بھی اس کا حج ہو جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اپنے قصد و ارادہ سے آج کی قیمتی گھڑیوں کو ضائع کرنا کون شخص گوارا کرے گا، سرور کائنات (صلعم) نے اس میدان میں اور آج کے دن جو دعا کی ہے، اسکا نقشہ حضرت ابن عباسؓ ان الفاظ میں کھینچے ہیں۔

میں نے حضور کو وفات میں اس طرح دعا مانگتے ہوئے دیکھا جیسے کوئی بھوکا مسکین اپنا ہاتھ کسی سختی داتا کے آگے پھیلائے ہوا!

سہایت علیہ السلام مرید و بعضہ  
ید الی صدرہ کا المستطعم  
المسکین،

جب رسول مصعوم کا یہ حال تھا، تو امت کے یہ کارون اور تباہ حالون کو اسدن اور اس جگہ اپنا کیا حال رکھنا چاہئے؟ الحاح و تضرع، خشوع و خضوع کا کوئی دقیقہ آج اٹھا رکھنا چاہئے؟ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں، تو کیا پوچھنا، لیکن اگر روانہ آئے، تو اس پر زیادہ حسرت بھی نہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ (صلعم) کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں ملتا، کہ دعا کے وقت چشم مبارک سے آنسو بھی جاری تھے، جہاں میدان ختم ہوتا ہے، وہاں ایک سمت ایک اونچی پہاڑی ہے، اس کا نام حیل رحمت ہے، سرور کائنات (صلعم) نے اسی کے نیچے وقوف کیا تھا اور ہمیں اونٹنی پر سوار ہو کر حجۃ الوداع کا مشہور و معروف خطبہ ارشاد فرمایا تھا، البتہ

میں پڑتی ہو، حاضر ہو جائے امام کو چاہئے، کہ جون ہی زوالِ آفتاب ہو، سب پر آئیے  
 اور مؤذن اس کے سامنے اذان دے، جیسا کہ نماز جمعہ میں ہوتا ہے، اب امام دو  
 خطبے دیگا، جس میں مناسکِ حج کی تعلیم و تفصیل ہوگی، اس کے بعد اقامت اور ظہر کی چاہ  
 فرض رکعتیں، امام کے سلام پھیرنے پر، متابعد، بغیر فوافل وغیرہ کا وقت دیئے دوسری  
 اقامت ہوگی، اور اسی وقت اپنے عام و معمولی وقت سے بہت قبل نماز عصر کی چار رکعتیں  
 جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں گی، اور بس اس کے بعد سے شام تک دعا و مناجات، تسبیح  
 و استغفار کے لئے، اطمینان و یکسوئی کے ساتھ سارا وقت ہی وقت پڑا ہو، عرفات  
 میں روزہ رکھنا بہتر نہیں، کہ خلاف سنت ہے، البتہ غذا اگر لگی اور مختصر رکھی جائے  
 تو بہت مناسب ہے، تاکہ گرانی اور ضعف دونوں سے امن رہے، اور اپنے مشاغل  
 کے لئے پوری فرصت نصیب رہے، دو نمازون کا ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا  
 حقیقہ کے نزدیک صرف آج ہی جائز اور مستحب ہے، اس پر دوسرے حالات و اوقات کو  
 قیاس نہیں کر سکتے، مسجد تک پہنچنا، خصوصاً اگر قیام گاہ دور ہے، اور گرمی کا موسم  
 ہے، ہر ہمت کا کام، ہر شخص کے لئے پہنچنا اور جماعت میں شریک ہونا ممکن نہیں،  
 ہزار ہا آدمی اپنے اپنے خیموں ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اور یہ بالکل جائز ہے، مفرد  
 اگر جماعت میں نہ شریک ہو سکا، اور خیمہ ہی میں نماز پڑھ رہا ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے  
 قول کے مطابق اسے ظہر اور عصر کی نمازیں الگ الگ اپنے معمولی وقتوں پر پڑھنا  
 چاہئے، مگر صاحبین (امام محمد و ابو یوسف) کا فتویٰ اس کے برعکس یہ ہے، کہ ایسی صورت  
 میں بھی دونوں نمازون کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے، فقہ کی کتابوں میں  
 دونوں مذہبوں کے جو دلائل منقول ہیں ان سے تو امام ابو حنیفہؒ ہی کا قول زیادہ

حاجتی انت علی کل شیء قدیر

میرے سفر کو مبارک بنا، اور عرفات میں میری حاجت پوری کر، تو سرشتے پر قدرت رکھنے والا ہے

اور عرفات میں داخلہ کے وقت اس ذکر کا تحب ہونا تو اوپر گزری چکا ہو، سبحان  
 اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر خود سرور کائنات صلعم کی زبان مبارک  
 سے عرفات میں کسی دعا کے الفاظ حدیث کی چھ مشہور و مستند کتابوں میں تو درج نہیں  
 البتہ ایک طویل دعا بعض اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے، جو اردو خوانانِ علم  
 کو مع ترجمہ کے، مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ)  
 عثمانی (جلد ۶) میں ملجائیگی، کتب مناسک میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں،

وقوف عرفات کا وقت، مذہب حنفیہ میں اور کو زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اور حنفیہ ہی کی بعض کتابوں میں ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک وقتِ وقوف بطورِ طلوعِ آفتاب شروع ہو جاتا ہے، لیکن خود قاضی القضاۃ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں کہ :-

وارجعوا على ان من وقف بعرفة قبل

الزبد الودافاض منها قبل الزوال

انه لا يعتد بوقوفه ذلك.

(بدایۃ المبتدی، جلد اول، ص ۲۸)

اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے، کہ اگر کوئی عرس  
میں قبل زوال وقوف کرے، اور قبل زوال  
ہی وہاں سے روانہ ہو جائے، تو اس کا ثناء  
وقوف میں نہ ہوگا،

بہر حال حاجی کو چاہئے کہ دوپہر تک یا اس کے قبل یہاں پہنچ جائے، اور بہتر ہے کہ اس وقت غسل کرے، ورنہ وضو بھی کافی ہے، اس کے بعد مسجد نمبر ۷ میں، جس کا دوسرا نام مسجد ابراہیم بھی ہے، اور جو متنی سے آتے ہوئے عرفات کے شروع ہی



میں پڑتی ہو، حاضر ہو جائے، امام کو چاہئے کہ جون ہی زوالِ آفتاب ہو، منبر پر اٹھنے  
 اور موذن اس کے سامنے اذان دے، جیسا کہ نمازِ جمعہ میں ہوتا ہے، اب امام دو  
 خطبے دیگا، حسین مناسکِ حج کی تعلیم تفصیل ہوگی، اس کے بعد اقامت اور ظہر کی چار  
 فرض رکعتیں، امام کے سلام پھیرنے پر، مثلاً بعد، بغیر، نوافل وغیرہ کا وقت دینے پر دوسری  
 اقامت ہوگی، اور اسی وقت اپنے عام و معمولی وقت سے بہت قبل نمازِ عصر کی چار رکعتیں  
 جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں گی، اور بس اس کے بعد سے شام تک دعا و مناجات، تسبیح  
 و استغفار کے لئے، اطمینان و یکسوئی کے ساتھ سارا وقت ہی وقت پڑا ہوا ہے، عرفات  
 میں روزہ رکھنا بہتر نہیں، کہ خلافِ سنت ہے، البتہ غذا اگر ملے اور مختصر رکھی جائے،  
 تو بہت مناسب ہے، تاکہ گرانی اور ضعف و دونوں سے امن رہے، اور اپنے مشاغل  
 کے لئے پوری فرصت نصیب رہے، دو نمازون کا ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا  
 حقیقہ کے نزدیک صرف آج ہی جائز اور مستحب ہے، اس پر دوسرے حالات و اوقات کو  
 قیاس نہیں کر سکتے، مسجد تک پہنچنا، خصوصاً اگر قیام گاہ دور ہے، اور گرمی کا موسم  
 ہے، ہر ہمت کا کام، ہر شخص کے لئے پہنچنا اور جماعت میں شریک ہونا ممکن نہیں،  
 ہزار ہا آدمی اپنے اپنے خیموں ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اور یہ بالکل جائز ہے و مفود  
 اگر جماعت میں نہ شریک ہو سکا، اور خیمہ ہی میں نماز پڑھ رہا ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے  
 قول کے مطابق اسے ظہر اور عصر کی نمازیں الگ الگ اپنے معمولی وقتوں پر پڑھنا  
 چاہئے، مگر صاحبین (امام محمد و ابو یوسفؒ) کا فتویٰ اس کے برعکس یہ ہے، کہ ایسی صورت  
 میں بھی دونوں نمازون کو جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے، فقہ کی کتابوں میں  
 دونوں مذہبوں کے جو دلائل منقول ہیں، ان سے تو امام ابو حنیفہؒ ہی کا قول زیادہ

حاجتی انت علی کل شیء قدیر

میرے سفر کو مبارک بنا، اور عرفات میں میری حاجت پوری کر، تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا

اور عرفات میں داخلہ کے وقت اس ذکر کا سبب ہونا تو اوپر گزر ہی چکا ہے، سبحان اللہ والحمد للہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر خود سرور کائنات صلعم کی زبان مبارک سے عرفات میں کسی دعا کے الفاظ حدیث کی چھ مشہور و مستند کتابوں میں تو درج نہیں البتہ ایک طویل دعا بعض اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے، جو اردو خوانان ظہر کو مع ترجمہ کے، مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب الحج والزیارة (فتاویٰ عثمانی، جلد ۶) میں ملجائیگی، کتب مناسک میں متعدد دعائیں لکھی ہوئی ہیں،

وقوف عرفات کا وقت، مذہب حنفیہ میں ور کو زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے، اور حنفیہ ہی کی بعض کتابوں میں ہے، کہ امام مالکؒ کے نزدیک وقت وقوف طلوع آفتاب شروع ہو جاتا ہے، لیکن خود قاضی القضاۃ ابن رشد مالکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔۔۔  
والجمعوا علی ان من وقف بعرفة قبل الزوال واخاض منها قبل الزوال فإنه لا یعتد بوقوفه ذلت، (بدایۃ المجتہد جلد اول، ص ۲۸۱)  
اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے، کہ اگر کوئی عرفات میں قبل زوال وقوف کرے، اور قبل زوال ہی وہاں سے روانہ ہو جائے، تو اس کا شتہ وقوف میں نہ ہوگا،

بہر حال حاجی کو چاہئے کہ دوپہر تک یا اس کے قبل یہاں پہنچ جائے، اور بہتر ہے کہ اس وقت غسل کرے، ورنہ وضو بھی کافی ہے، اس کے بعد مسجد نمرہ میں، جس کا دوسرا نام مسجد ابراہیم بھی ہے، اور جو منی سے آتے ہوئے عرفات کے شروع ہی

آج کا دن دعا و مناجات، توبہ و استغفار، الحاح و زاری، بھگنے اور گڑگڑانے کے لئے مخصوص ہے، جتنا اور جہان تک ممکن ہو، وقت اسی میں لگایا جائے، جو کچھ مانگنا ہو، اپنے رب سے مانگ لے، مانگے اور مانگتا جائے، بے حساب مانگے، اور بے ٹکان مانگے، جب وہ ہمہ جو و و کرم اور ہمہ بخش و عطا بے حساب دینے اور دلانے، بخشنے اور دلانے پر آجائے، تو خاک کا پتلا، جو ہمہ فقر و ہمہ طلب، ہمہ احتیاج و ہمہ دمانگی ہے، مانگنے اور طلب کرنے میں کوئی کسر کیوں اٹھا رکھے، اور دین و دنیا کی نعمتوں کا کوئی ارمان اور کوئی حوصلہ اپنے دل میں کیوں رہنے دے! افضل الدعاء دعا یہ ہے، دعائے عرفات کی دعاسب دعاؤں سے بڑھکر ہے، یہ اس کا ارشاد ہے، جو جسے زیادہ دعائیں کرنے والا تھا، اور جسکی دعائیں سب سے زیادہ قبول ہونے والی تھیں، آج کے لئے کسی خاص دعا کا حکم نہیں، جو چاہے مانگتا رہے، البتہ ان کلمات کی بڑی فضیلت آئی ہے، اے اللہ! دعائے استغفار کا ثبوت لے لے، الملک دلہ الحمد للہ و عیت و دعویٰ کا عیون بیدار الخیر و دعویٰ کی شئی قدیر، جہان تک ہو ان کلمات کو حضور قلب کے ساتھ بار بار پڑھتا رہے، اور تلبیہ بھی ابھی موقوف نہیں ہوا ہے، لیک لیک بھی برابر پکارتا رہے، بعض کتابوں میں یہ بھی منقول ہے، کہ جب عرفات کو آنے لگے، تو راستہ میں یہ دعا پڑھتا ہوا آئے۔

اے اللہ میں نے اپنا سہ تیری طرف پھراؤ  
تیرے اوپر بھروسہ کیا، اور تیری توبہ کی طلب ہو  
بس میرے گناہوں کو معاف کر، اور میرے جرم کو  
قبول کر، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے محروم نہ کر

اللھم ایلک تو جھت و عیلت و عیلت  
و جھت آس دت ما جعل ذبی مغفوا  
و عی مبر و سدا و ارحم منی و کما تجنبنی و  
یا ارحم منی فی سفہای و اقض بعثت

جو ہمہ رحمت و رحمت اور ہمہ شفقت و مغفرت ہے، اس کی تجلیات، امت کے بڑے سے بڑے تباہ کار کو بھی اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں، اور اسی کو وہ مولیٰ اپنے بندوں کے قریب اپنے آجانے سے تعبیر کرتا ہے، اور بندوں نے تو اپنے مالک پر خدا معلوم کتنی بار فخر کیا، اسی ہو گا، آج وہ دن ہے کہ خود مالک اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے

عن عائشة ان رسول الله صلعم  
ما من يوم اكثر من ان يعتق الله  
عنه رجل فيه عبد من الناس من يوم  
عرفة وانه ليد لنا ثرياً  
بهم الملائكة فيقول ما اسرج  
هؤلاء

صحیح مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں، جس میں اللہ  
بندوں کو آگ سے اتنا آزاد کرتا ہو، جتنا  
عرفہ کے دن کرتا ہو، اور اللہ تعالیٰ قریب  
ہو جاتا ہے اور بندوں کا حال فرشتوں پر  
ظاہر کر کے فخر کرتا ہے، اور فرشتوں کو قائل  
کرنے کے لئے، پوچھتا ہے کہ یہ بندے کس ارادہ  
سے جن ہوئے ہیں؟

آج اور یہاں رحمت الہی سے مایوسی کفر ہے، اور آج اس سے بڑھ کر ناشکر  
اور گنہگار کوئی نہیں، جو یہاں کی حاضری کے بعد بھی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے نامہ  
اعمال کی سیاہیاں رحمت و مغفرت کی بارش سے دھل کر نہیں رہیں، پسے کا  
ارشاد ہے

اعظم الناس ذنباً من وقف بعرفة  
فظن ان الله لم يغفر له،

سب سے بڑھ کر گنہگار وہ ہے جو عرفات میں  
وقوف کرے اور پھر بھی یہ سمجھے کہ اللہ نے اس کی  
مغفرت نہیں فرمائی!

کہ اگر ہمارے اوپر کہیں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ہوتی تو ہم نے تو اس کے یوم نزول کو روزِ عید قرار دے لیا ہوتا، آپ نے فرمایا کہ مجھے یاد ہو کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تھی، وہ رات جمعہ کی رات تھی، (اور وہ دن عرفہ کا دن تھا) اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عرفات میں حاضر تھے، (سنن نسائی) یہ کہہ کر آپ نے گویا یہ ارشاد فرمادیا کہ وہ دن ہماری سب سے بڑی عید کا تو تھا ہی، کسی اور جشن کے مقرر کرنے کی کیا حاجت؟

آج کی چہیتیں بے حساب ہیں، اور آج وہ دن ہے کہ شیطان آج سے زیادہ حقیر و ذلیل، مایوس و پریشان اور کبھی نہیں ہوتا۔

عن طلحة ان رسول الله صلي الله عليه وسلم قال	حضرت طلحہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ما ساء اى الشيطان يوم ما هو فيه	فرمایا کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ
ولا ادم كمالا احق كمالا اضيانه	ہست اور بے اعتبار اور حقیر اور پریشان کسی
في يوم عرفته ما ذلت الا لقا	دلہا نہیں دیکھا گیا، اور یہ سب اس لئے کہ آج
سائى تنزل الممجة وتجادى الله	ڈاڈ کی رحمت کے نزول اور بڑے بڑے گنہگاروں
عن ابن نوب العظام الا ما ساء يوم	سے اس کے عفو و مغفرت کو دیکھتا ہو، البتہ سوا
بداي	ایک روز بدد کے کہ اس روز بھی وہ ایسا ہی پریشان
(موتخارا ام نکتہ)	دیا یوس ہوا تھا)

آج کی رحمتوں کی نہ کوئی حد ہے نہ حساب، نہ کوئی اندازہ ہے نہ پیمانہ، بڑے بڑے مجرم آج رہا کئے جاتے ہیں، سب کو عفو عام کی بشارت ہوئی ہے، و

# باب ۲۹

## عرفات منبر (۱)

جج کسی مفرد عمل کا نام نہیں، ایک طویل و سلسلہ مجموعہ اعمال کا نام ہے، جن میں کچھ فرض ہیں اور کچھ واجبات، کچھ سنن ہیں اور کچھ مستحبات، اس مجموعہ کا سب سے اہم جز ہی ۹ رذی الحجہ کو عرفات کی حاضری ہے، جسے اصطلاح میں وقوف عرفات کہتے ہیں۔ دو وقوف کے لفظی معنی ٹھہرنے کے ہیں، کسی شخص نے اگر اور سارے اعمال و مناسک ادا کر لئے، اور آج کی تاریخ میں عرفات کی حاضری خدا خواستہ کسی سبب سے رہ گئی، تو سرے سے حج ہی رہ گیا، دوسرے سال حج کر کے اس قصہ کو ادا کرنا ہوگا، آج کی تاریخ، دنیا کی تاریخ میں وہ اہم تاریخ، اور عرفات کا میدان روئے زمین کے مقامات میں وہ اہم مقام ہے، کہ دین خدا و ندی کے جامع و مکمل ہونے اور اسلام کے آخری اور کامل پیام ہدایت ہونے کے باضابطہ اعلان کے لئے، اسی سرزمین اور اسی تاریخ کا انتخاب فرمایا گیا، اور آج او یہیں ہمیشہ کے لئے اور ہر قوم کے لئے اس فرمان کی منادی کی گئی کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دنیا، ایک صحابی طارق بن شہابؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے سیدنا عمر فاروقؓ سے کہا

عرفات کہ منظمہ سے ٹھیک جانب مشرق کوئی ۱۵، ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے مئی سے  
 اس کا فاصلہ کوئی ۱۰-۱۱ میل ہوگا اور یہاں سے شمال مشرق میں ہو، ساتھ ساتھ کہ عرفات  
 میں پانی کی بہت قلت رہتی ہو، پانی کم ملتا ہو، خراب اور گندلا ملتا ہو، اور بہت گران  
 قیمت پر ملتا ہو، یہاں تک کہ بعض غریب غریبا کو پیاس کی شدت سے ہلاکت کی نوبت  
 آجاتی ہو، یہ ڈراونی روایتیں سنکر صراحیاں پانی سے بھر بھری گئیں اور ناشتہ  
 کے لئے بسکٹوں کے ڈبے کہہ ہی سے ساتھ لے لئے گئے تھے، آج کا دن خاص فضیلتوں  
 اور برکتوں اور رحمتوں اور نوازشوں کا دن ہو، راستہ میں جس قدر بھی ہو سکے تعلیم  
 و تکبیر اور دواستغفار جاری رہنا چاہئے، سعادت کی یہ گھڑیاں اگر عمر میں لکھا  
 بھی نصیب ہو جائیں تو خوش نصیبی ہو، ————— لیجئے عرفات کے حدود شروع ہوئے  
 ایک نئی ووق میدان، مبصر دن کا اندازہ ہے کہ دس میل مربع سے کیا کم ہوگا  
 جہاں تک نظر کام دیتی ہو، میدان ہی میدان اور ارد گرد پہاڑیاں، اونٹنوں  
 کی تعداد حساب و شمار سے خارج، اونٹنیوں کا گویا ایک جنگل لگا ہوا، ہر طرف نیچے  
 ہی نیچے جن کو خیمہ کی استطاعت نہیں، انھوں نے مموئی چادرین تان رکھی ہیں  
 بعض جگہ یہ بھی نہیں نصیب، بیچارے دھوپ میں پناہ لینے کے لئے شخرفوں کے  
 نیچے گئے ہوئے دوپہر سے کچھ قبل کوئی گیارہ، پونے گیارہ کا وقت ہوگا، کہ ہلوگ  
 ہو چکے گئے،

سبحان الذی کما عجباء کما عجباء  
اکلا الیہ

ایک ہر دو وقت کہ میں کے سوز و گم کے  
ذبات

میں میں تھوٹ تھوٹے فاصلہ پر تین تین چائون کی مہمونی کے نور پر تھوٹ تھوٹ  
سینہ ستون سے پتھر کے کھڑے ہوئے ہیں ہمارے مظلوم صاحب نے اپنے نایب کو ہر  
ہمارے قافلہ کو عین اس جگہ آمارا، جہاں درمیان شیطان نصب تھا، کو یہاں کے  
گھر کے مان پوری ایک شب شیطان کے ٹھیک پڑوس میں یہ خودست ہریت مقدس  
پڑوس میں اشد سے متذبات کا موقع تو کیا ملتا ایسی قیمت جو شیطان مردود  
پر لا حول بھیجے میں اگر کچھ وقت نہرت ہوتا رہا ہر

حکم اور تبال جس طرح اپنی شرارت سے تھی میں حایون نور سے بہت دیر  
میں ہیں اسی طرت یہ کوشش بھی برابر جاری رہتی ہو کہ جس قدر جہنم ہو چکا  
سے لے بھی جائیں، چنانچہ ہمارے قافلہ سے بھی یہی اصرار شرع ہو رہا تھا چلی شب  
میں عرفات کے لئے کوپت کر دینا ہو گا، گویا میں پانچ ہزاروں کے ادا  
کرنے کی سنت جو جس طرح ۸۔ کو نماز پھر کے ترک کی محرومی ہو چکی تھی، اسی  
طرح ۹۔ کو نماز پھر سے بھی محرومی ہو جائے، لیکن ہم لوگوں نے اتنے سویرے  
روانہ ہونے سے قبلی انکار کیا، عبدالقادر سلکند رنور دے تو یقیناً بات بڑھتی  
لیکن ان کے لڑکوں اور کارندوں میں فی الجملہ انسانیت تھی، کچھ دیر بعد جب  
آفتاب اچھی طرح بلند ہو لیا، اپنی ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے کوئی  
سات ساڑھے سات کا وقت ہو گا، اُس وقت ہمارا قافلہ روانہ ہوا، میدان



متحد دعائیں ماثور اور اُن کی فضیلتیں منقول ہیں، کہہ سے منی کے لئے روانہ ہوتے وقت  
 سب یہ ہو کہ لبیک پکارنے کے ساتھ لا الہ الا اللہ بھی پڑھتا رہے، اور جو دعا  
 چاہے مانگے، اور ہرستہ میں استغفار اور درود شریف کی جتنی کثرت رکھ سکے، بہتر ہے،  
 جس وقت مٹی نظر آنے لگے، اس وقت یہ دعا پڑھے۔

اللھم ہدی منی فامنت علی بہا | اے اللہ یہ منی ہے، تو مجھ پر وہ احسان کر، جو تو نے  
 مننت بہ علی اولیاءک | اپنے دوستوں پر کئے ہیں،

نویں شب برکت والی شب ہے، مٹی کا مقام برکت والا مقام ہے، چاہئے کہ شب میں  
 جقدر بھی ہو کے دعائیں پڑھتا رہے، استغفار کرتا رہے، اور لبیک کہتا رہے بعض  
 روایات میں آتا ہے، کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے، کہ اسی شب کو منی میں جو شخص ایک ہزار  
 بار یہ دعا پڑھے، وہ اپنی جود ادا اللہ سے مانگیگا، اسے ملی گی۔

سبحان الذی فی السماء شہ	پاک ہو وہ ذات جبارِ ارحم الراحمین
سبحان الذی فی الارض موطئۃ	پاک ہو وہ ذات زمین جیکے قدموں کے نیچے ہے،
سبحان الذی فی البحر سبیلہ	پاک ہو وہ ذات جبارِ راستہ مستدرین ہے،
سبحان الذی فی النار سلطانہ	پاک ہو وہ ذات جبارِ ملکِ مکرمات آگ پر ہے،
سبحان الذی فی الجنة راحۃ	پاک ہو وہ ذات جبارِ رحمتِ جنت میں ہے،
سبحان الذی فی القبر قضائہ	پاک ہو وہ ذات جبارِ حکمِ قبر میں جاری ہے،
سبحان الذی فی الہواء روحہ	پاک ہو وہ ذات جبارِ بنائی ہوئی روحِ ہوا میں ہے،
سبحان الذی وضع السماء	پاک ہو وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا،
سبحان الذی وضع الارض	پاک ہو وہ ذات جس نے زمین کا فرش بنایا،

شرح باب الناسک (ملا علی قاری) میں ہے:-

وان بات بکة تلك الليلة جائد  
اساء لترك السنة،

اگر یہ شب کہہ ہی میں گذاری، تو یہ جائز ہو لیکن  
مخالفت سنت کا گناہ ہوا۔

اور قراوی قاضی خان میں ہے:-

ولو بات بکة دخر ج منها یوم  
عرفة الی عرفات کان مخالفا  
للسنة،

اگر وہ کی شب بجائے متی کے کہہ ہی میں گذاری  
اور وہ کو وہاں سے عرفات کے لئے روانہ ہوا  
تو یہ سنت کے مخالف ہے،

معلوم ہوتا ہے، یہ دستور کچھ عرصہ سے چلا آرہا ہے، صاحب رد المحتار (شامی) کو  
اپنے زمانہ میں لکھنا پڑا:-

واما ما یفعله الناس فی هذه الايام  
من دخولهم بارض عرفات فی الیوم  
الثامن فخطا مخالفت للسنة ویفو  
بسبب سنن کثیرة منها الصلوات

اور اس زمانہ میں لوگوں نے جو یہ طریقہ نکالا ہے،  
کہ عرفات میں نہری کو آجاتے ہیں (اور مٹی کو چھوٹ  
جاتے ہیں) سو یہ طریقہ مخالف ہے سنت کے، اور ایسا  
کرنے سے بہت سی سنتیں فوت ہو جاتی ہیں، مثلاً  
متی کی نمازین وہاں کی شب باشی وغیرہ،

بنی

بڑی حسرت و قلق کا مقام ہے، کہ انسان اتنی محنت اور اتنا صرف گوارا کر کے  
حج کو جائے، اور ایک تھوڑی سی تن آسانی کے خیال سے اتنی بڑی فضیلت کو  
چھوڑ دے،

متی کے لئے کوئی خاص عبادت یا کچھ مخصوص دعائیں، واجب نہیں، البتہ

مئی میں قیام، اور آٹھویں اور نویں کی عیسائی شبیں شب بارشی، تمام ائمہ کے نزدیک مستحب  
ہو، قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں، کہ سعی کے بعد جس عمل کی طرف حاجی کو متوجہ ہونا  
چاہئے، وہ یہی ہے، کہ اگر کوئی مئی میں آئے، اور شب میں یہاں رہے، اور اس پر چاروں  
مذہبوں کا اتفاق ہو، کہ امام جماعت کے ساتھ مئی میں، کو ظہر، عصر، مغرب و عشا کی  
نازین پڑھے، اور اگر کوئی امام لوگوں کے ساتھ عرفات آئے، اور یہاں وقوف کرے،  
البتہ جس کے پاس اتنا وقت نہ ہو، وہ سیدھا عرفات ہی کو جاسکتا ہے، (بداية المجتهد  
جلد اول ص ۱۲۱) اور حقیقہ کی کتابوں میں تو اس کی تصریح موجود ہے، کہ اگرچہ  
راج، بنیر مئی میں، اگر کوئی قیام کئے ہوئے بھی اور جو آئے، لیکن مئی میں نہ ٹھہرنے والا ترک  
سنت کا گنہگار ہوگا، ہدایہ میں ہے، ۱۔

اگر نویں شب کہہ ہی میں گزار دی، اور میں سے  
صبح کو عرفات روانہ ہوا، تو جمع ہو جائیگا، اس لئے  
کہ آج مئی کا قیام مناسب، ع میں داخل نہیں  
لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کرنے کا  
گناہ گار ہوگا۔

ولو بات بعلقة ليلة عرفة وصلى بها  
المجتهد عدل الى عرفات وصلى بميتي  
جزاها لا تنكلا يعلق بميتي في هذا  
اليوم اقامة فلت ولكن اساء  
بتركه الا قتد بع رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور طحاوی شرح در مختار میں ہے،

اگر کوئی کی طرف روانہ ہوا، تو وہاں اور کی صبح  
تک قیام کرے، اور اتباع سنت میں شب  
وہیں بسر کرے، اور اگر ایسا نہ کرے، بلکہ وہی کو کرے، روزہ  
ہو تو جمع ہو جائیگا، لیکن تکبیر سنت کا گناہ ہوگا۔

ثامن الشهر خرج الى منى وكثرت بها  
الى فجر عرفة فبات بها مستنانيا  
فلو لم يخرج من مكة الا يوم عرفة  
اجزا ولا ولكن اساء لترك السنة

آسمان کی چھت کے نیچے، اور زمین کے فرش کے اوپر بسر کرنا ہی! تعمیلِ ارشاد کے سوا چارہ کیا تھا؟ اور صبر و خاموشی سے کام نہ لیتے، تو آخر کرتے کیا؟ یہ بھی غنیمت ہوا کہ یہاں سابقہ خود معلم سے نہیں اُن کے لڑکوں اور کارندوں سے پڑا جو فی الجملہ ہندو اور زبان کے میٹھے تھے، خود معلم صاحب کی شریعت میں مہی کا قیام غالباً فضول سا تھا، وہ خود آج مکہ ہی میں رہے، وہ موجود ہوتے تو شاید ہم لوگوں کو زبان کے گناہوں میں کچھ اور مبتلا ہونا پڑتا، بہر حال جس طرح بن پڑا، ہم مردوں نے کہیں اڑ تلاش کر کے ضروریات سے فراغت کی، زمانہ قافلہ کے لئے ایک مہربان کامکان مل گیا مسجد خیف جس کی فضیلت حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، مہی ہی میں واقع ہے، حضور نے حجۃ الوداع میں یہیں نماز پڑھائی تھی، بڑی وسیع مسجد ہے، لیکن حاجیوں نے اسے سراپا مسافر خانہ بنا کر ہر طرح گندہ کر رکھا ہے، اور موجودہ حکومت نے شاید مسجد کی صفائی اور احترام قائم رکھنے کو بھی بدعت سمجھ رکھا ہے! ہماری منزل گاہ سے اس کا اچھا خاصا فاصلہ تھا، اور پھر سڑک پر ابنوہ عظیم، سب سے بڑھ کر اپنی پست مہتی، پست مہتوں کو کوئی نہ کوئی بہانہ لجانا چاہئے، بہر حال کسی نماز کے لئے بھی وہاں تک سائی نہ ہو سکی، عصر مغرب، عشا اور فجر کی نمازیں وہیں میدان میں جماعت کیساتھ ادا ہوئیں، اور رات کو وہیں سوئے، ہزار ہا عرفات کے جانے والے رات بھر اسی راستہ سے گذرتے رہے، اور مہی میں قیام نہ کیا، ان اللہ کے بندوں کے نزدیک، رسولؐ کی سنت محبوب پر عمل گویا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!

اس غلطی میں دس میں، سو پچاس نہیں، ہزار ہا حاجی مبتلا پائے گئے، حالانکہ

لے سکتے وہ خیموں میں رہتے ہیں، جو غیر کارایہ بھی نہیں دے سکتے، وہ یہ چارے کھلے میدانوں  
میں محض اللہ کے بھروسہ پر گزار کرتے ہیں، ہندوستانی حاجی، اپنے ملک پر قیاس کرنے  
درختوں اور درختوں کے سایہ کی کوئی توقع ہرگز نہ قائم کریں، پانی، انواع و اقسام  
کے شربت، دودھ، دہی، قہوہ، چائے کی دوکانیں کثرت، برت اور فالودہ  
بھی موجود، کھانے کی دوکانیں کثرت، لیکن موجود، وہ بھی، لیمن، نارنگی، گڑھی، کیلا،  
انار وغیرہ اشاداب و تر و تازہ پھولوں اور میوؤں کی گویا منڈی لگی ہوئی، جو وسطیٰ  
کے شدید ریگستانی دھوپ میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، بازار اچھا خاصہ لگا ہوا  
ضرورت کی ہر شے میاں، اور بہ افراط، پانی دے گھروں اور خیموں پر بھی، مشکون اور  
ٹین کے کنسروں میں پانی پہنچا دینے کو حاضر،

ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب کہ منظر سے چلے تھے، عصر کا اوسط وقت  
گزر چکا، جب مئی پہنچے، کل صبح عرفات کے لئے روانہ ہونا ہی، سنوں طریقہ یہ ہے،  
کہ ۸ رذی الحجہ کی ظہر سے لیکر ۹ کی فجر تک، پوری پانچ نمازیں یہاں ادا کرے،  
اور اسی لئے ۸ کو ہم لوگ کہہ سے صبح سویرے چلنے کی اس قدر عجلت کر رہے تھے،  
لیکن معلم صاحب کا خدا بھلا کرے، محض انکی عنایت سے ہم لوگ ایسے وقت یہاں  
پہنچے کہ جوہر ظہر کا وقت الگ رہا، عصر کا بھی اول وقت کچھ دیر ہوئی رخصت  
ہو چکا تھا، خیموں کی طرف سے تو معلم صاحب چلتے وقت مایوس کر رہی چکے تھے، اس  
کے کنارے میدان میں ہمارے شہوت انار کر رکھ دیئے گئے، اور ہم کو حکم ملا، کہ  
اس سہ پہر سے لیکر کل صبح تک کا وقت انہیں شہوتوں کے اندر یا ان کے باہر،

جھیل سا تھوین نہ ہو، اور وقت بھی ذرا ٹھنڈا، یعنی صبح یا شام کا ہو، تو پیدل  
 کا سفر یقیناً زیادہ آرام دہ اور پر لطف رہیگا، جب تھک جائے بہان چاہے  
 دم لے سکتا ہے، چائے، قہوہ، شربت کی دوکانیں بہ افراط روانہ ہونے کے  
 دوپونے دو گھنٹہ کے بعد مٹی کی آبادی شروع ہو گئی، اور ہمارے جالون نے شروع  
 آبادی ہی میں ہماری منزل کرا دی،

مٹی کے متعلق تخیل یہ تھا کہ ویران و غیر آباد، مسنان میدان ہوگا، اکثر تخیلات  
 کی طرح یہ تخیل بھی غلط ثابت ہوا، حضور کے زمانہ میں بے شبہ یہ چٹیل میدان ہی  
 تھا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے جب حضور سے اس کی اجازت  
 چاہی تھی، کہ یہاں ایک مکان بنادیا جائے، تو حضور نے اس درخواست کو منظور  
 نہیں فرمایا تھا، لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی ہے، اب مٹی میدان کا  
 نہیں، پختہ اور بلند مکانات کی ایک مسلسل آبادی کا نام ہے، مکہ مکرمہ سے مشرق کی  
 جانب واقع ہے، کسی قدر مائل بہ جنوب، طول تقریباً ڈیڑھ دو میل ہوگا، عرض  
 بھی ایک میل سے کیا کم ہوگا، مکانات، ظاہر ہے کہ سال بھر خالی پڑے رہتے  
 ہیں، ساری چہل پہل اسی ایک ہفتہ کے اندر ہو جاتی ہے، مالکان مکانات  
 کی آمدنی کا یہی زمانہ ہوتا ہے، کرایے منہ مانگے وصول کرتے ہیں، اگر انسان خدا  
 استطاعت ہے، تو یہاں کے قیام کے لئے مکان ضرور لے لے، خواہ کتنا ہی مختصر  
 ہو، رات تو میدان میں گزر جائے گی، لیکن دن کی لو اور دھوپ میں، بغیر پختہ  
 مکان کے سایہ کے اچھی خاصی تکلیف اٹھانی پڑے گی، جو لوگ مکانات نہیں

منظر احسن صاحب اور حکیم عبدالحق صاحب، اسی طرح دو دو سواریاں باقی  
سب پر، اونٹ پر سوار ہونے کا یہ پہلا تجربہ تھا، جو سخت و دشمن پہلے تھی، سوار ہونے  
کے بعد غائب، شذت اگر اچھے بندے ہوں، تو اونٹ کی سواری خاصی آسان  
وہ ہے، پاکی یا میانہ کی سواری کا سا لطف آتا ہے،

منی کا فاصلہ حرم شریف سے چار میل کا ہے، ہمارے ہاں سے چند فرلانگ  
زائد ہوگا، خوب چوڑا اور کشادہ راستہ ہے، کئی کئی اونٹ ایک ساتھ آسانی  
چل سکتے ہیں، ایک میل تک تو خاص کمہی کی آبادی پڑتی ہے، اس کے بعد میدان  
شروع ہوا، اور اس کے کوئی دو میل کے بعد منی کے حدود شروع ہو گئے، کمہی کے  
گورنر اور ولیعہد سلطنت شہزادہ فیصل بن سعود کا محل حرم شریف سے بالکل متصل ہی  
تھا، خود سلطان کا قصر منی کے راستہ میں پڑا، اندر کا حال تو معلوم نہیں، البتہ  
باہر سے ہندوستان کے رئیسوں کی طرح خاصی شاندار، پر تکلف و عالیشان  
عمارت، جسے دور خلافت راشدہ کی سادگی سے کوئی دور کی بھی نسبت نہیں  
آخر دوپہر کا وقت تھا، پیاس خوب زدور کی، اور بار بار لگ رہی تھی، پانی کی  
صریحان ساتھ میں بھی تھیں، ان کے علاوہ دو پیہ میں صراحیان بھیچے والے  
رٹکے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی بکثرت قدم قدم پر اونٹوں کو گھیرے ہوئے  
اپنی مصومانہ اداؤں کے ساتھ خوش خوش اپنے سوئے کو بیچے میں لگے ہوئے  
اس عام شاہ راہ کے علاوہ، بعد کو سننے میں آیا کہ پیدل چلنے والوں کے لئے  
کوئی اور مختصر راستہ بھی ہے، جس سے فاصلہ بہت کم رہ جاتا ہے، اگر عورتوں کا

# باب ۲۸

## منی قبل حج

لبیک اللہم لبیک، لبیک، لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملك  
 لا شریک لک، لبیک اللہم لبیک، لبیک وسعدیک والخیر بیدیک، ۸ روزی الحج  
 جمعہ، سہ پہر، ہم لوگوں کو چلنے میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ وقت مستحب نکل چکا، ہزار ہا  
 قافلے آگے جا چکے، پھر بھی بہت سے باقی بھی رہ گئے، میں، اور ساتھ ہی ساتھ  
 چل رہے ہیں، ہزاروں انسان پیدل چل رہے ہیں، ہزار ہا اونٹوں پر سوار  
 ہیں، اور ہزار ہا خچروں اور گدھوں پر، ہر شخص احرام پوش، لبیک لبیک کی  
 صدا ہر طرف سے چلی آرہی ہے، ہم لوگوں کی زبان پر بھی اس وقت یہی کھلے ہوئے  
 تھے، لیکن لاحول ولا قوۃ، اتنے نصیب کہاں تھے، معلم صاحب کی عنایتوں کا  
 چرکا، ابھی دلوں پر تازہ تھا، زبانیں بجائے لبیک لبیک کے اپنے اوپر اور اپنے  
 معلم پر لاحول پڑھنے میں مصروف، قافلہ کے آٹھوں اونٹ سولہ سواریوں کو لئے  
 ہوئے، ایک دوسرے کے آگے پیچھے، دو یا تین بدو ہمراہ، ہر اونٹ کے ساتھ  
 ایک ایک شتربان نہیں ہوتا، تین تین چار چار اونٹوں کے لئے ہیں ایک ہی  
 بدو کافی سمجھا جاتا ہے، ایک اونٹ پر ہم دونوں میان بیوی، ایک پر مولانا



کم لگین گے تکلیف کم ہوگی، اور راحت زیادہ ملے گی، اچھی بندش کے بعد شغف مین  
 لیٹ کر یہ آرام تمام سونا ممکن ہو، نیند بغیر وقت آجاتی ہے، دوسری ضروری چیز یہ ہے  
 کہ اونٹ کے ساتھ چلنے والے جو بد ہوتے ہیں، اور خنیں جال کتے ہیں، (یہ سن رکھیں)  
 کہ یہ لوگ اونٹ کے اوپر سوار نہیں ہوتے بلکہ پیدل اونٹ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں  
 انھیں خوش رکھا جائے، ان کو خوش رکھنا آسان ہے، بہت تھوڑے سے انعام اور خوش خلقی  
 سے خوش ہو جاتے ہیں، موٹر کے شور و فون کی طرح ان کے لئے یہ ہرگز ضروری  
 نہیں کہ ان کے ہاتھ مین کم از کم دس پانچ روپے رکھے جائیں، جب جا کر انکا  
 منہ سیدھا ہو، آنہ دکانہ مین (یہاں ایک آنہ کو قرش کہتے ہیں) یا چنڈ بسکون، یا  
 شربت یا پانی کے دو ایک گلاس سے، چائے کی ایک دو پیالیوں سے انھیں بآسانی  
 خوش کیا جاسکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جو کچھ از خود اور خوش دلی کے ساتھ  
 دیدیا جائے، لڑکھکڑ کر تیور و ن پر بل ڈال کر بڑی سے بڑی رقم بھی بیکار رہے گی،  
 تھوڑی سی دلہی اور خاطر داری کے بعد آپ کا جمال آپ کا بندہ بے دام ہو جائے  
 دوڑ کر آپ کے لئے پانی ڈھرت لائیگا، آپ کا اسباب خوشی خوشی اتار دیگا، سوار  
 ہونے مین آپ کو مدد دیگا، شغف ڈھیلا ہونے لگے گا، تو خود ہی لپک کر اسکو  
 درست کر دیگا، غرض ہر حیثیت سے آپکا بہترین رفیق سفر و خادم ثابت ہوگا،

اور کھانے، سونے اور حوائج ضروری سے فراغت سب کو اسی میدان میں ہزاروں  
 لاکھوں کے مجمع کے درمیان کرنا ہی! اور یہ وہ شخص پوری ڈھٹائی اور دیدہ دلیری  
 کے ساتھ کہ رہا ہے جو یہی نہیں کہ لکھنؤ میں ہم لوگوں کے، اور ہماری عورتوں کے طرز  
 معاشرت سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا ہے، بلکہ جو کل صراحت کے ساتھ خیموں  
 کا وعدہ بھی کر چکا تھا! — لوگ حیرت سے کہتے ہیں، کہ مکہ والوں پر  
 بار بار بتا ہی و بربادی کیوں نازل ہوتی ہے، کاش وہ دیکھتے کہ خود مکہ والوں  
 کا اللہ کے ہمانوں کے ساتھ، غریب الوطن پر دلیوں کے ساتھ، برتاؤ کیا رہتا ہے،  
 مکہ کا مالک، ساری دنیا جہان کا مالک ہے، اسکے ہاں مہلت ملتی ہے، لیکن غفلت اسے  
 کسی کے حال سے بھی نہیں رہتی!

تو مشو مغرور برہم خدا  
 دیر گیر دہشت گیر دم ترا!

ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے جب سفر حج کی سختیوں کا خیال آتا تھا، تو اس خالی  
 فہرست مصائب و شدائد میں ایک عنوان، اونٹ کی سواری کا بھی ضرور ہوتا  
 تھا، تجربہ کے بعد معلوم ہوا، کہ اور بہت سے موہوم خطرات کی طرح یہ تخیل بھی بہت  
 مبالغہ آمیز تھا، بہت سی منزلوں کا طویل و مسلسل سفر ممکن ہے، تکلیف دہ ہوتا ہوا سکا  
 تو تجربہ ہوا نہیں، لیکن آٹھ دس میل کے مختصر سفر میں تو کوئی قابل ذکر تکلیف نہیں  
 ہوتی، اور جس حد تک ہوتی ہے، وہ بھی ناگزیر اور لازمی نہیں، بلکہ اس کا انتظام  
 آسانی سے ہو سکتا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شدت کی بندش اچھی ہونی چاہیے،  
 اور توازن قائم رہے، توازن اور بندش جتنی اچھی ہوگی، اسی نسبت سے بچکولے

بھی بسکل ہی سنائی دیتی تھی، نماز کے بعد فوراً اُٹھ کھڑے، اور اب پھر صبر و تحمل کی  
 آزمائش شروع ہو گئی، گھنٹہ سوا گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد معلم صاحب مہ اڈٹون  
 کے نمودار ہوئے، کچھ وقت سامان کے چڑھانے اور سوار یون کو چڑھنے میں لگا،  
 اڈٹ کی سواری ہم سب لوگوں کے لئے ایک نئی سواری تھی، عورتوں کو خون  
 معلوم ہونا واجبی تھا، جب خود مردوں کی طبیعت چکچا رہی تھی، اور دفعہ حبیب اللہ  
 بیچارے اگر مرد نہ دیتے، تو تنہا معلم صاحب تو اس مرحلہ کو بھی جلد نہ طے کرا سکتے، دوسرے  
 ٹوہل چکی تھی، اور نظر کا وقت قریب ختم تھا، کہ ہمارا قافلہ روانہ ہوا، ابھی چند ہی قدم  
 چلے تھے، کہ معلم نے بڑھ کر سوال کیا، مٹی میں آپ ٹھہریں گے کہاں؟ حیدر آباد کے  
 سرکاری مکان میں؟ سوال کا سننا تھا، کہ فرط حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں  
 اور کھلی معلم صاحب کے چہرہ پر لگ گئی، پہلے تو دل نے اپنے کو یون بھی پایا، کہ معلم صاحب  
 اس وقت مزاح و طرافت سے کام لے رہے ہیں، لیکن ان کے کڑے تیور دن پر  
 جو نظر گئی تو یہ خیال بھی چند لمحوں سے زیادہ نہ قائم رہنے پایا، جی کڑا کر کے جواب  
 دیا، کہ یہ سوال آپ ہم سے کر رہے ہیں؟ ہم تو آپ کے بھروسہ پر چل رہے ہیں، اگر آپ  
 جہان ٹھہرائیں گے ٹھہریں گے، اٹے آپ ہم سے دریافت کر رہے ہیں، کہ تم کہاں  
 ٹھہرو گے؟ سبحان اللہ! اور ہم تو دو خیمے اپنے لئے آپ سے ٹھہرا ہی چکے تھے، کیا انکے  
 لئے میں کچھ شک پیدا ہو گیا ہے؟ جواب گرجتی ہوئی آواز میں ملا، کہ وہ خیمے عرفات او  
 وہاں سے واپسی پر مٹی کے لئے ہیں، آج وہ خیمے نہیں مل سکتے، آج میدان  
 میں شند فون پر رہنا ہوگا، انا اللہ دانالہ راجون، گویا آج سہ پہر سے لیکر کل صبح  
 تک کا وقت، کھلے میدان میں کاٹنا ہی، صرف مردوں ہی کو نہیں، عورتوں کو بھی

بعد مولانا مناظر صاحب اور ایک رفیق سفر معلم صاحب کے مکان کی تلاش میں نکلے، بعد دشواری و زحمت بڑی تلاش کے بعد مکان تو ملا، لیکن مکین غائب! اتنا شہ گھنٹہ بھر کی حیرانی و سرگردانی کے بعد، دونوں صاحب خستہ و خراب مایوس واپس آئے،

ایک ایک گھڑی پہاڑ ہو رہی تھی، ولوں کے اندر خون جس طرح کھول رہا تھا، اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہو، جس کے پہلو میں دل ہی بعض زبانوں پر بھی دل کے جذبات بے تکلف آنے شروع ہو گئے تھے، اور وہ وقت جو تکبیر تسلیل، ذکر و دعائیں بسر ہونے کا تھا، سب ظالم سکندر کی دعا گوئیوں اور منقبت سرائیوں میں صرف ہو رہا تھا؛ وقت کچھ اور کھسکا، اور کھسکتا رہا، یہاں تک کہ حرم شریف کے مناروں سے جمعہ کی اذانیں بلند ہونے لگیں، اس وقت ہاں تک خدا خدا کر کے تشریف لائے، اور اس معصومیت اور بھولے پن کی ادا کے ساتھ کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں، بلا کسی معذرت و اظہارِ افسوس کے، فرمانے لگے، کہ ”اونٹ فوراً بعد نماز جمعہ آجائیں گے، اس سے پہلے کیونکر لاتا، ہجوم کے اندر اونٹوں کو راستہ کیسے ملتا؟ گویا یہ ہجوم اونٹوں کا نہیں، کسی اور کا تھا! اول یہ ہجوم، سیکڑوں ہزاروں دوسرے اونٹوں کے گزرنے کا مانع تھا! بہر حال صبر کے سوا چارہ کیا تھا، بھاگتے ہوئے حرم شریف کی طرف چلے، مسجد کا کونہ کونہ بھرا ہوا، اتنی دیر کے بعد جگہ کہاں مل سکتی تھی، جون توں گھس پل کر ایسی جگہ گھوٹے ہونے کو ملی، جہاں امام و خطیب کی آواز الگ رہی، یکسروں کی تکبیر

تھے، ہم لوگ نماز فجر حرم شریف میں پڑھتے ہی، جلدی جلدی اپنی قیامگاہ پر واپس  
آئے کہ معلم نے قبل طلوع اونٹ پہنچا دینے کا وعدہ کیا ہے، کہیں اونٹ والے ہمارے  
انتظار میں گھبرانے لگے ہیں، یہاں جو پہنچے تو نہ اونٹوں کا پتہ، نہ معلم صاحب کا! لیجئے،  
اب تو آفتاب بھی نکل آیا، اور ابھی طرح بلند ہو گیا، اب تک اونٹوں کے نہ آنے کی  
آخر کیا وجہ؟ ٹھنڈے ٹھنڈے نکل جاتے تو دھوپ کی تمازت سے بچ جاتے اور  
سفر بڑے لطف سے کٹ جاتا، اتباع سنت کا جو اجر ملتا وہ الگ، چائے اور ناشتہ  
سے یہیں نہ فراغت کر لیجائے، لیجئے اب تو ناشتہ سے بھی فراغت ہو گئی، اور چائے کے  
دور بھی ختم ہو چکے، اور اونٹوں کا اب بھی پتہ نہیں! کس کو خبر تھی کہ معلم صاحب سی  
موقع پر یوں اپنے شتر غزون کی مشق ہم پر دیوں پر کریں گے! بار بار اضطراب  
میں نگاہیں دروازہ تک دوڑتی ہیں، اور پیرسٹرک تک دوڑتے ہیں، لیکن نہ معلم  
صاحب کا نشان ملتا ہے، نہ ان کے کسی کارندہ و ملازم کا، سیکڑوں ہزاروں اونٹ  
اسی سڑک سے ہمارے دروازہ کے سامنے سے گزر رہے ہیں، حسرت و محرومی شایہ  
ہمارے ہی حصہ میں ہے! ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے، آٹھ بجے، ساڑھے آٹھ بجے،  
نویسے، دس بج گئے، اور ہنوز وہی انتظار! وسط مئی کا زمانہ، عرب کی دھوپ،  
اس ٹھیک دوپہر میں کس سے سفر کیا جائیگا، اور تنہا یہی ایک فکر ہوتی، تو بھی غنیمت  
تھا، دوسرا دھڑکایہ لگا ہوا، کہ جمعہ کا وقت قریب آتا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو، کہ جمعہ  
حرم شریف کا بھی جائے، اور مئی کا بھی! جمعہ سکون قبل زوال ہی کوچ کر جانا، اور  
مئی میں جا کر نماز پڑھنا، افضل ہے، یہاں کھٹکا اسکا لگا ہوا کہ فاضل و مفضل کی  
بحث الگ رہی، کہیں سرے سے نماز جمعہ ہی سے محروم نہ رہنا پڑے! دس بجے کے

منی و عرفات میں عام لوگ بچا رہے تو یوں ہی کھلے میدان میں بسر کرتے ہیں، ہم جیسے آرام طلبوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا، معلم سے دو خیموں کی بابت بھی مسالمت طے ہو گئی، ہر خیمہ اتنا بڑا کہ آٹھ آٹھ آدمیوں کی گنجائش اُس میں نکل سکے، اونٹوں کا کراہ شغذ فون کی قیمت اونٹ پر چڑھنے کے لئے میٹھی کی قیمت، خیموں کا کرایہ، جو کچھ معلم صاحب نے بتایا، بغیر کسی سوال و بحث کے بلاتامل منظور کر لیا گیا، اور ہر شے کا انتظام بالکل انہیں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا، خیموں کا کرایہ غالباً دو دو گنی فی خیمہ قرار پایا، ضروری سامان سفر میں سب پہلا نمبر پانی کی صراحیوں کا آتا ہے، فی اونٹ میٹھی کی دو دو صراحیاں خرید لی گئیں، مختصر بسترے، پکانے کا ہلکا اور مختصر سامان، خیموں میں بچھانے کے لئے دریاں، پانی کے کنسٹر، لالٹین، منی میں قربانی و غسل کے بعد ہینے کیلئے ایک ایک جوڑا کپڑا، اور کچھ ناشتہ جس کا سب سے اہم جزو متوتھے، رکھ لیا گیا، اور رات ہی میں یہ سب سامان درست کر کے رکھ لیا گیا، کہ صبح سویرے دن نکلتے ہی چلنا ہوگا، معلم صاحب نے حرم شریف کے اندر بیٹھ کر بیت اللہ کے سامنے یہ وعدہ مکرر اور موقت لے لے میں فرمایا، کہ بعد نماز فجر قبل طلوع آفتاب روانگی کے لئے اونٹ دروازہ پر آجائیں گے، اور اس وعدہ پر قدرۃ ہم لوگ مطمئن ہو گئے۔

۸۔ رمذی الحجہ، یوم جمعہ، آج کا دن یہاں کی اصطلاح میں یوم الترویہ کہلاتا ہے، آج ہی وہ مبارک دن ہے، جب سارے حاجی مکہ سے منی و عرفات کے لئے روانہ ہوتے ہیں، سنون اور افضل وقت روانگی کا بعد نماز فجر سورج نکلنے کا وقت ہے، حضورؐ نے مع جماعت صحابہ کرام نماز فجر مکہ میں پڑھی تھی، اور آفتاب نکلنے پر روانہ ہو گئے

محمد صلوات اللہ علیہ

ابتداء

میں بلکہ عطا فرماتا اور محمد مسلم کے حوض سے دو بار  
پلا، جس کے بعد میں کبھی یا سائون،

حطیم و میرزا پرحمت کا ذکر بیان فرمنا آگیا، لیکن تمنا ضروری، بہر حال مولانا  
کے ارشاد کے ایک جزو کی تعمیل تو ہو گئی، یعنی احرام کے لئے صبح کے طلوع ہونے  
کا انتظار نہیں کیا گیا، بلکہ شب ہی میں باندھ لیا گیا، البتہ اس کے لئے مقام حطیم  
نہ ہو سکا، یہ اس وقت احرام کا باندھ لینا صرف ہمارے ہی قافلہ والوں کے ساتھ  
نہ تھا، مغرب و عشا کی نمازون کے وقت حرم شریف کے اندر ایک خاصی بڑی تعداد  
احرام پوشوں کی نظر آئی، آج ہی عصر کے بعد اپنے معلم عبدالقادر سکندر کو کل کے سفر  
کے متعلق تمام ضروری ہدایات دیدیں، سولہ آدمیوں کے لئے آٹھ اونٹوں کے انتظام  
کو کھدیا گیا، جن لوگوں کو مشق و عادت ہو، وہ اونٹ کی تنگی پیٹھ پر، یا محض کجاوہ  
رکھ کر بہ آرام دہلیان سو کر سکتے ہیں، ہم لوگوں کو بھلا اس کی کمان عادت، ایسے  
لوگوں کے لئے بہترین صورت شذوف کی ہو، یہ مثل چھوٹے پلنگ یا بڑے کھٹولے کے  
ایک چیز ہوتی ہو، جس پر پھولی قد و جسامت کا آدمی لیٹ سکتا ہو، ہر شذوف کے اندر  
دو دو پلنگریاں ہوتی ہیں، اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے یہ پلنگریاں، چٹائیوں کی  
چھت اور دیواروں سے منڈھی ہوئی ہوتی ہیں، اونٹ پر اگر شذوف کو اچھی طرح  
کس کر باندھ دیا جائے، اور دونوں پلنگریوں پر وزن ساوی رہے، تو خاصی آرام دہ  
سواری ہو، اور اونٹ کے چلنے کے جھٹکے بہت کم لگتے ہیں، یہ کو سنائی میں قیام کرنا ہی  
۹ کے دن میں عرفات میں، شب میں مزدلفہ میں، اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ کو پھر سنائی میں،

حضرت عائشہؓ سے فرمایا، کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حطیم کو از سر نو خانہ کعبہ کے اندر شامل کر لیا جائے لیکن قریش خواہ مخواہ بھڑکین گئے، کہ ہماری ہر شے سے مخالفت کیجاتی ہو، اس لئے ایسا نہیں کرتا، ایک عباسی خلیفہ نے اپنے زمانہ میں چاہا کہ حضورؐ کی اس مرضی مبارک پر عمل کی سعادت حاصل کرے، اور امام مالکؒ سے استفتاء کیا، امامؒ نے فتویٰ دیا، کہ "ایسا کرنے سے خانہ کعبہ بلعہ بلوک و ملاطین ہو جائیگا، جو بادشاہ اس میں ترمیم کرنا چاہیگا، اسے ایک سند لجا ئیگی، اس لئے ایسا کرنا مناسب نہیں، غرض اس وقت سے حطیم برابر اسی حالت میں چلا آرہا ہے، اور حرم مقدس کے اندر مقدس ترین مقامات میں سے ہے، طواف خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ہوتا رہتا ہے، اور اس کے اندر نماز پڑھنا، خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مساوی رکھا گیا ہے، گویا حکماً یہ بھی خانہ کعبہ ہی ہے حطیم ہی کا دوسرا نام حجر ہے، ایک روایت یہ بھی سننے میں آئی، کہ حضرت ہاجرہ صدیقہؓ اور ان کے تحت جگر حضرت اسماعیلؑ ذیح اسی زمین کے نیچے مدفون ہیں، و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال، ایک سونے کا پر نالہ جسے میزابِ رحمت کہتے ہیں، اور جو کعبہ کی شمالی سمت میں چھپت کے اوپر نصب ہے، اس کا پانی بھی برسات میں حطیم ہی میں اگر گرتا ہے، میزابِ رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر دعا مانگنا ایک خاص محلِ اجابت میں دعا مانگنا ہے، کتابوں میں اس موقع کے لئے یہ دعا منقول ہے:-

اے اللہ! میں تجھ سے طلب کرتا ہوں وہ ایمان جو  
اُٹل نہ سکے، اور وہ یقین جو ختم نہ ہو، اور تیرے نبی  
محمدؐ کی رفاقت، اے اللہ! مجھے اس روز جگہ کوئی  
سایہ یخ تیرے سایہ عرش کے نہ ہوگا، اپنے سایہ عرش

اللھم! انی اسألت ایمانا لا ینزل  
ولیقینا لا ینفذ و مہ افقۃ بینک محمدؐ  
اللھم! ظلّی تحت ظلّ عم شاک یوم لا ظلّ  
الا ظلّ عم شاک و اسقنی بکاس



حاجی دکھائی دیئے، ان سے ملنے جلنے کا سلسلہ بھی جاری رہا، کل منی ڈرافٹ کے مختصر  
لیکن اہم مفرہ روانگی ہو، اس کی تیاریاں بھی شام سے ہوتی رہیں۔

سچ "قرآن" کا ذکر اوپر آچکا ہے، جو لوگ قائل تھے، اُن کے احرام تو بندے ہوئے  
تھے ہی، انہیں کسی جدید احرام کی ضرورت نہیں، باقی دوسرے لوگوں کو، رذیٰ اللہ  
کی صبح کو احرام باندھ کر روانہ ہو جانا چاہئے، لیکن اگر اس کے قبل ہی احرام باندھ  
لیا جائے، تو بہتر ہے، اور فقہائے اسے سخت لکھا ہے، مولانا شفیع الدین مدظلہ نے بھی یہ  
خاص طور پر ارشاد فرمادیا تھا، کہ احرام، ارادہ، رکعت میانی شب ہی میں بعد عشا  
حرم شریف ہی میں، بلکہ حطیم کے اندر باندھ لینا، حطیم کا ذکر شاید پہلے نہیں آیا، حطیم، مطاف  
کے اندر، خانہ کعبہ کے شمالی صحن کا نام ہے، جو ایک قوس دیوار سے گھرا ہوا ہے، دیوار  
اچھی خاصی چوڑی اور کچھ کم قد آدم بلند ہے، ذیل کے نقشے سے حطیم بآسانی سمجھ  
میں آجائے گا۔



خیل اللہ کے بنائے ہوئے کعبہ میں یہ پھوٹی ہوئی زمین بھی کعبہ کے اندر تھی، قریش  
نے جب اپنے زمانہ میں عمارت کعبہ کی تجدید کرنی چاہی، تو کچھ سامان کم پڑ گیا، ارے یہ  
قراد پائی، کہ تعمیر ابو اسہبی سے کچھ کم کر دینا چاہئے، چنانچہ اتنا حصہ چھوڑ دیا گیا، اور اس  
میدان کو دیوار سے گھیر دیا گیا، حطیم کے لفظی معنی ٹکڑے کے ہیں، اور چونکہ یہ زمین کعبہ  
ہی کا ایک ٹکڑا ہے، اس لئے اس کا نام بھی حطیم پڑ گیا، رسول خدا صلعم نے ایک بار

# باب ۲

## آغاز حج

۴ رذی الحجہ، پنجشنبہ، آج کے دن کی کوئی مخصوص مشغولیت نہ تھی، عمرہ بفضلہ ادا  
 ہی ہو چکا تھا، اب ارکانِ حج کے آغاز کا انتظار تھا، آج ہی کے دن حرم شریف میں  
 باضابطہ اعلان ہوتا ہے، کہ پرسون و رذی الحجہ کو عرفات میں حاجیوں کا اجتماع ہوگا  
 اور آج ہی ظہر کے بعد حرم شریف میں امام خطبہ پڑھتے ہیں، حسین سائلِ حج کی تشریح  
 ہوتی ہے، دوپہر کی شدید گرمی میں شوق کے ساتھ اس خطبہ کے سننے کی ہمت کس کو،  
 اور پھر اتنے بڑے مجمع میں خطیب کے قریب خطبہ کے الفاظ سننے کے لئے جگہ ملنی کہاں۔  
 اور جگہ گھس پل کر مل بھی جائے، تو خطبہ کی زبان سمجھنے والے ہندوستانیوں میں کتنے وہاں نہیں  
 جہاں تک ممکن ہو، خطبہ سننے کی فضیلت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے، رسول  
 و اصحابِ رسولؐ کے اتباع کا شرف اسی میں ہے، اور پھر اس مجمع میں خدا معلوم کیسے  
 برگزیدہ بندے اور مقبولانِ حق شامل ہوتے ہیں، ان کی عنشتینی خود کیا کم ہے، خطبہ تقریباً  
 دیر میں ختم ہو جاتا ہے، طواف، نماز، ولادت کے لئے رات اور دن کا سارا وقت ہے، اور  
 حرم شریف کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے، عتبی دیر جس شغل میں چاہے لگا رہے،  
 ہمارے قافلہ والوں میں سے جس کے نصیب میں جو کچھ آنا تھا، آیا، وطن کے متعدد

بحر کی دڈر دھوپ کے بعد شنگی اور تیکان کا پورا احساس اب ہوا ہم مردوں کو تو کھلی  
 ہوئی چھت پر جگہ مل گئی، ساتھ کی سیویں بیچاریوں کو اندر ہی کے جھون میں گزر کر نا  
 پڑا، مولانا مناظر احسن ہر جگہ کی طرح یہاں بھی سب شاہ نکل گئے، قافلہ اور قافلہ مالوں  
 کو چھوڑ چھاڑ حرم شریف کے صحن میں سونے کے لئے جا پہنچے اور وہاں پہنچ کر سوتے تو  
 کیا ہون گے، لیکن اپنے جن حالات کو وہ خود راز رکھنا چاہتے ہیں، وہ ان کے نیاز مند خاد  
 کی زبان سے کیوں فاش ہوں!



لیکن یہ سب اللہ ہی کی دین ہی، این سعادت بزورِ بازو نیست، کا معاملہ ہر علم و فضل، زہد و تقویٰ، فقر و سلوک کی یہ جامعیت، گو حضرت حاجی صاحب کے خلفاء و متبیین میں عنقا نہ ہو، لیکن جب یہ یاد پڑتا ہو کہ یہ بیسویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے دجال و یاجوج کا دور ہے، تو ایسی ہستیوں کے وجود پر حیرت ضرور ہوتی ہے، خدا معلوم کتنے حج پا یاد رکھے، اور فرائض و واجبات الگ رہے مہموی نوافل مستحبات تک چھوٹے نہ پائے، اس نصف صدی کی مدت میں شاید ہی گنتی کے دو چار حج چھوٹے ہوں، ورنہ ہر سال حج کا معمول رہا، مدتوں فقر و فاقہ سے یہ نوبت رہی، کہ محض سوکھی روٹی پانی میں بھگو بھگو کر نوش فرماتے رہے،

ہر حال یہ موقع ان کے مناقب و فضائل کی تفصیل کا نہیں، صرف تعارف کی غرض سے اتنا تذکرہ کیا، مولوی سلیم صاحب کے ہاں سے واپسی میں نماز عشاء حرم میں ٹھیک ایک رہنما کی رفاقت میں جناب مولانا کے ہاں حاضری ہوئی، قیام باب العصفائین رہتا ہے حرم شریف سے گنتی کے چند قدم کا فاصلہ، حسن اخلاق و وسعت مدارات کا کیا پوچھنا، بزرگ کرم و نوازش کا مجھ نمونہ، اخفا و حال و کمال کا اس درجہ اہتمام، کہ ملنے والے کو ان کے مرتبہ کا شبہ بھی نہ ہونے پائے، اتنا مترشح فقہی مسائل پر ٹالنے کی انتہائی کوشش <sup>ستان</sup> بہتوں کے بعض انھیں کے ہم مرتبہ بزرگوں کے سلام و پیام خدمت والا میں پہونچائے گئے، اور اپنے حق میں دعاے خیر کرائی گئی، اٹھنے کو جی تو نہ چاہتا تھا، موصوف ہی کی زحمت کا خیال کر کے اجازت چاہی، اور قیامگاہ (رباط حیدر آباد) پر واپس آیا، جامہ احرام اتارنے کا موقع ابھی تک کہاں ملا تھا، گھر پہونچ کر وہ ملبوس اتارا، اور عام لباس پہنا، دن

بہت مختصر ہے۔ اس میں بھی اگر بہت سی غامضین بعد مسافت کے عذر پر حرم میں ملنے سے  
 رہ گئیں، تو بڑی ہی محرومی اور شدید حرمان نصیبی ہوگی، اس لئے مولوی سلیم صاحب سے  
 اُن کے ہاں اٹھ آنے کا پختہ وعدہ نہ کر سکا، اور اُن کے دلی شکر یہ پر ملاقات ختم کر کے  
 واپس چلا آیا،

حرم پاک کی پاک سرزمین مقدس بزرگوں کے وجود سے اب بھی خالی نہیں، اللہ دے  
 اگر اللہ کے شہر میں نہ ہوں گے، تو اور کہاں ہوں گے، بلدا لا میں کے گوشوں میں اللہ کے  
 پیارے، خدا معلوم کہنے، آج بھی موجود ہیں، ان میں سے کم از کم ایک بزرگ کی زیارت  
 تو اپنے نصیب میں بھی آئی، اور مزید مسرت اس کی، کہ وہ بزرگ اپنے ہی دیس ہندوستان  
 بلکہ اپنے ہی صوبہ، یوپی، کے نکلے، مولانا محمد شفیع الدین صاحب نگینہ ضلع کجھنوی کے رہنے  
 والے، آج سے اڑتالیس سال قبل کراۓ مظہر حاضر ہوئے تھے، اور اللہ کے گھر کی محبت  
 ایسی غالب آئی، کہ اپنے گھر کو بھول گئے، نصف صدی کا زمانہ دیکھئے، اور ایک مرتبہ بھی اس دریا  
 میں وطن کا رخ نہیں فرمایا! ساری عمر تجرد میں گزار دی، نہ بیوی نہ بچے، شیخ الشیخ  
 حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر کی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس وقت ان کے  
 اجل غلامین میں، ایک معتبر وثقہ راوی سے سننے میں آیا، کہ اس ساری طویل مدت  
 میں شاید ایک نماز فرض بھی ایسی نہیں گذری جو حرم شریف کے اندر نہ ادا کی ہو! او  
 محض اتنا ہی نہیں، بلکہ جماعت کے اہتمام والزام میں بھی فرق نہیں آنے پایا! او  
 پھر اس سے بھی بڑھ کر کمال یہ نصیب میں آیا، کہ نجدیوں کے تسلط کے قبل تک، جماعت  
 میں بھی صفت اول چھوٹنے نہ پائی! — ان خوش نصیبوں پر کس کو رشک نہ آئے!

برت ڈال ڈال کر پئے گئے، اور اُسی وقت بجلی کی روشنی میں ایک عجم کی آراستہ  
 و شاندار دوکان میں سر منڈائے گئے، اور بال کترائے گئے! مغرب کے وقت کو ابھی  
 آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ ہوا تھا، عشا کے وقت میں ابھی خاصی دیر تھی، رباط حیدر آباد  
 میں جگہ کی تنگی اور اہل قافلہ کے لحاظ سے حقیقت کا اندازہ ہو چکا تھا، خیال یہ ہوا  
 کہ رات کو سب کی گزر گیونکر ہوگی، خصوصاً عورتیں جو اس موسم میں صحن میں <sup>لینے</sup>  
 کی عادی ہیں، ان بیچارے یوں سے اندر کے درجوں میں کیونکر بسر ہو سکے گی! طبیعت  
 بے اختیار یہ چاہ رہی تھی، کہ اب فوراً لیٹ کر سویا جائے، لیکن اول تو ابھی عشا  
 باقی تھی، اور پھر خانہ داری کی یہ فکر میں ہمت کر کے اسی وقت ایک راہبر کو ساتھ  
 لیکر مدرسہ صولیتہ والے مولوی محمد سلیم صاحب کے مکان پر پہونچا، مولوی صاحب  
 موصوف کے اخلاص و اخلاق کا اندازہ اُن کے عنایت ناموں سے ہو چکا تھا، ملاقات  
 ہونے پر وہ اسی لطف و محبت، مدارات و اخلاق سے پیش آئے، یہ معلوم ہی نہیں  
 ہوتا تھا کہ آج پہلی ملاقات ہی، یہ معلوم ہوتا تھا، کہ برسوں کی پرانی ملاقات ہو  
 رات کے اندھیرے میں مکان سے اپنے ہمراہ مدرسے لائے گئے، مدرسہ کی جدید  
 عمارت کو کھلو کر اوپر سے نیچے تک سب منزلیں ایک ایک کمرہ کھول کر دکھلائی  
 اور یہ اصرار فرماتے رہے کہ "ہیمن اٹھ آؤ" مدرسہ کی عمارت کا کیا کہنا، ماشاء اللہ بہت  
 وسیع ہے، اگر یہاں اٹھ آنا، تو بڑی فراغت کی جگہ مل جاتی، اور مکان کی صحت سے  
 کہیں بڑھ کر متولی مکان کی وسعت اخلاق اور مسافر نوازی ہم لوگوں کے آرام و  
 آسائش پہونچانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتی، لیکن حرم شریف سے مکان مدرسہ  
 کا فاصلہ اچھا خاصہ نظر آیا، اور خیال یہ گذرا کہ مکہ معظمہ میں مدت قیام یوں ہی

متوجہ ہونا، بڑی قیمتی اور قابلِ قدر گھڑیوں کو برباد کر دینا ہی، اتنے ہجومِ عظیم میں اور عین بازار کی چیل پیل کے درمیان حضورِ قلب قائم رکھنا واقعہً بہت دشوار، لیکن بہر حال اپنی طرف سے تو کوشش اسی کی رکھنی چاہئے، اور اجر کا دار و مدار کوشش ہی پر ہے، سا تو ان پھر امر و نہی پر تمام ہو گا، اس کے بعد چاہئے، کہ حرمِ شریف میں جا کر مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھے، جس طرح طواف کے ختم ہونے پر پڑھی جاتی ہے، اور بس عمرہ کرنے والے کا عمرہ اسی پر ختم ہو جاتا ہے، جس نے حجِ تمتع کی نیت کی تھی اسے چاہئے کہ حرمِ شریف سے باہر آکر اپنا سر منڈائے، یا کم از کم بال کٹوادے اور احرامِ آکر حجِ کا مقرر رہے، حجِ قرآن کی نیت کرنے والا بدستور احرام پہنے دے، اور بال ہرگز نہ منڈائے نہ کترائے،

ابھی سہی کر ہی رہے تھے کہ مغرب کا وقت آگیا، اور حرم میں جماعت کھڑی ہو گئی، ہم لوگ بھی سہی کو نا تمام چھوڑ کر، لپک کر جماعت میں شریک ہوئے، حرم کے اندر تو کیا جگہ ملتی، یا ہریڑھیوں کے نیچے، سڑک کے اوپر جگہ ملی، اور جون توں کر کے نماز ختم کی، اس کے بعد سہی کے بیتہ شوط پورے کئے، لیچے، جن رفیقوں کا میری طرح حج تمتع تھا، ان سب کا عمرہ ختم ہو گیا، اس وقت کی خوشی کا کیا پوچھنا، عمرہ سے فراغت کیا ہوئی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خزانہ مل گیا ہے، ہنستے ہوئے چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگی، طویل سفر سے چلے آ رہے تھے اور آتے ہی طوافِ و سہی میں مشغول ہو گئے تھے، خوب تھکے ہوئے تھے، لیکن دل کے انبساط نے جسم کے مکان کو بڑی حد تک رفع کر دیا، پیاس کی شدت میں شربت کے گلاس خوب

ناواقف عمل کرتے رہتے ہیں، اس وادی کا طول کتا یوں میں پھیر گز (سوا وید  
 فٹ) لکھا ہوا ہے، وادی کے دونوں سروں پر سبز رنگ کے اونچے پتھر بطور ستون  
 نصب کر دیئے ہیں، ان کو میلین اخترین کہتے ہیں، انھیں دیکھ کر ہر عالمی حاجی بھی  
 بغیر معلم کی وساطت کے سمجھ سکتا ہے کہ بس اتنی دور دراز دور کر چلنا ہے، اس کے بعد  
 پھر اپنی وہی معمولی چال اختیار کر لے، اصل مسحی (دوڑنے کی جگہ) اسی وادی کا نام  
 ہے، میلین کے درمیان معلمین جو دعائیں پڑھاتے ہیں، وہ تو خاصی لمبی چوڑی ہیں  
 لیکن اگر اس قدر بھی پڑھ لے تو کافی ہے، سب اغفر و ارحم و تجا د نہما تعلم بانك  
 انت الاعلم الاکھم، صفا اور مروہ دونوں پر چڑھتے وقت آیہ کریمہ ان الصفا والروہ  
 من شعائر اللہ فمن حج البیت و اعتمر فاد جناح علیہ ان یطوف بہما و من  
 تطوع خیر فان اللہ شاکر عظیم، پڑھتا رہے،

سعی، مذہب شافعی میں فرض ہے، اور رکن حج ہے، بغیر سعی کے ان کے ہاں  
 حج ہی نہ ہوگا، فقہ حنفی میں فرض نہیں، لیکن واجب، اور ایک نہایت موکد سنت  
 ان کے ہاں بھی ہے، سعی کے سات پھیرے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص صرف چار ہی  
 پھیرے کرے، تو بھی سعی ہو جاتی ہے، گو یہ بہتر نہیں سمجھا گیا ہے، اور چار سے بھی کم  
 پھیرے کرنا، گویا سعی سرے ہی سے نہ کرنا ہے، یا وضو نہ لازمی نہیں لیکن بہت  
 مستحسن و مستحب ہے، سعی کے سارے وقت میں حضور قلب کے ساتھ دعا و مناجات میں  
 لگے رہنا چاہئے، بلا ضرورت دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے، کھانا پینا، خرید و فروخت  
 کرنے لگنا، اگرچہ جائز رکھا گیا ہے، لیکن بلا ضرورت ان میں سے کسی چیز کی طرف



فقہ حنفی کی کتابوں میں سہی کا طریقہ یہ لکھا ہوا ہے کہ حرم شریف سے نکلے وقت  
 ذکر کرتے ہوئے اور درود پڑھتے ہوئے نکلے، گوہ صفا پر چڑھنے لگے تو دل میں سہی  
 کی نیت کرے اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی یہ الفاظ کہے، اللھم انی اسید المسوی  
 بین الصفا والحدۃ سبعة اشواط لوجهک الکریم فی سبیلہ ولی دقبلہ منی، ایک  
 زینہ پر چڑھنے سے کعبہ نظر آنے لگتا ہے، اس لئے زیادہ زینے چڑھنے کی ضرورت  
 نہیں، جب خانہ کعبہ نظر آنے لگے، تو اسی طرف منہ کر کے تکبیر اور تہلیل کرے، او  
 رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر درود پڑھ کر جو دعائیں مانگنا چاہے، مانگے، کہ یہ خاص محلِ بیت  
 ہے، یہاں قیام اتنی دیر رکھے، جتنی دیر میں دو تین رکوع بہ اطمینان پڑھے  
 جا سکتے ہوں، یہاں کے لئے دعاؤں کے جو الفاظ منقول و ماثور ہیں، وہ  
 متعد ہیں، اور اکثر ان میں سے طویل ہیں، ایک مختصر دعا اس موقع کے لئے  
 حسب ذیل بھی نقل ہوئی ہے، اللھ اکبر اللھ اکبر اللھ اکبر اللھ اکبر واللھ الحمد، اللھ  
 الحمد، اللھ وحده لا شریک لہ، لا الہ الا اللہ، الملک، ولہ الحمد عظمیٰ و عظیم و هو علی کل  
 شئی قدیر، لا الہ الا اللہ، وحده لا یخضع عنہ و لا ینصوب عنہ و حسنہ  
 الا لہ اب و حدہ اس کے بعد صفا سے یہ دعا پڑھا، ہوا اترے، اللھم استعینی  
 بنسبۃ نبیک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و توفیقی علی ملتہ و اعذنی من مضات  
 الفتن و رجعت یا اسرہم الہا امین، اس کے بعد اپنی معمولی رفتار سے چلنا  
 شروع کرے، اوڑھو و سو قدم چلنے پر وہ وادی شروع ہو جائیگی جہاں ہاجرہ  
 صدیقہ علیہا السلام دوڑ کر چلی تھیں، یہاں چاہئے کہ اپنی رفتار بھی تیز کر دے، اول  
 ہلکی دوڑ شروع کر دے، سر پٹ بھاگنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ اکثر

ہجوم قدرۃ اپنے پورے منتہی پر تھا، آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف خلقت ہی خلقت، انسانوں کے ہجوم کے علاوہ کہیں کہیں اونٹوں کی بھی مسلسل قطار سے سابقہ پڑ جاتا تھا جسکا تانتا پانچ پانچ دس دس منٹ تک ٹوٹنے میں نہیں آتا تھا مجبوراً اونٹوں کے نیچے سے نکل نکل کر گزرنا ہوتا تھا، اونٹوں سے زیادہ تکلیف دہ سرکاری اور سلطانی موٹروں تھیں جو عین حرم شریف کے متصل، زور زور سے اپنے بگل اور ہارن بجاتی ہوئی، چیختی چلاتی ہوئی، اس ہجوم کو چیر کر تیزی سے گزر جانا چاہتی تھیں، اور اونٹوں اور موٹروں دونوں سے زیادہ تکلیف دہ بعض بجدی و بددی قبائل تھے جو کئی کئی مرد و عورت ایک ایک قطار قائم کئے، ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے، بلاوجہ دوڑتے اور جھپٹتے ہوئے مجمع میں گھستے تھے، اور جب انکار کیا آنے لگتا تو بس یہی معلوم ہوتا تھا، کہ کمزور جبہ والے اکادکا حایون کو یہ دل کچل کر بلکہ ان کی ہڈیوں تک کو سرمہ کر کے رکھ دیگا، — سعودی پولیس اور محکمہ امر بالمعروف کے پیادے، خشکی زبانیں مدینہ منورہ میں روضہ نبویؐ کے متصل، بات بات پر چلتیں، اور جن کے بید و بان بار بار اٹھتے رہتے تھے، یہاں ان میں سے کسی کا وجود نہیں! یہاں راستہ کے انتظام کے لئے مجمع میں نظم و امن قائم رکھنے کے لئے زخمیوں کو اٹھانے کے لئے کمزوروں اور ناتوانوں کو زبردستوں اور ظالموں کی زیادتیوں سے بچانے کے لئے حکومت کا کوئی پیادہ موجود نہیں! محض اس مقام کی عظمت و بزرگی، جلالت قدر و کرامتِ عالی ہی، کہ گرنے اور چوٹ کھانے کے حادثات بالکل نادرا و نادر ہوں اور نہ اسباب ظاہری و قرائن کے لحاظ سے تو جو کچھ بھی ہو جائے ہتھوڑا ہی،

سب زیادہ آباد و بارونق، اور پہل پہل والے حصہ میں واقع ہے! اچھی چوڑی پختہ  
 سڑک، اور تک اوپر سے سائبان پڑا ہوا، کچھ دور تک ایک طرف حرم کے دروازے  
 اور دونوں طرف تقریباً سارے راستہ بھر ہر قسم کی آراستہ و پروتی دوکانیں، خوشبو  
 شربتوں کے گلاس اور ٹھنڈے پانی کی صراحیان بکنے کے لئے ہر چند قدم پر موجود ملتے  
 وقت یعنی سحری کرتے وقت یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی عبادت کر رہے ہیں، بس معلوم  
 ہوتا ہے کہ گویا دہلی کے چاندنی چوک یا لکھنؤ کے امین آباد میں مل رہے ہیں!

عصر کا وقت قریب ختم تھا، جب ہم لوگ حرم شریف سے نکل کر صفا پر پہنچے، اور  
 مسلم کی رہنمائی میں سحری شروع کی، سحری کے سات شوط ہوتے ہیں، یعنی صفا و مردہ کی  
 درمیانی مسافت کو سات مرتبہ طے کرنا ہوتا ہے، گویا تقریباً دو میل چلنا ہوتا ہے، جو  
 بہت سے لوگوں کے لئے ایک اچھی خاصی اور تھکا دینے والی مسافت ہے، خصوصاً  
 گرمی کے موسم میں اور ہجوم کی کشمکش کے درمیان، لیکن شریعت نے مسلسل سحری ضروری  
 نہیں رکھی ہے، تھک جانے والے کو درمیان میں ستا لینے اور میٹھ جانے کا پورا اختیار  
 دیا ہے، جو لوگ کچھ دور بھی پیدل چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہوں وہ سواری  
 کے اوپر سحری کر سکتے ہیں، اور اس غرض کے لئے سب سے بہتر چیز بیان کی شہری ہے،  
 جو ایک طرح کا پلنگ ہوتا ہے، جس پر ضعیف و مریض آسانی سے لیٹ سکتے ہیں،  
 اور اس کو اپنے کانڈھوں پر اٹھانے والے حامل (مزدور) یہ کثرت ہر وقت ملتے  
 رہتے ہیں، شام کا وقت دو کا اندازی کے شباب کا وقت تھا، اور پھر حاجیوں کی  
 بھی بڑی تعداد، دن کی گرمی سے بچنے کے لئے اسی وقت سحری کو نکلی تھی، اس لئے

# باب ۴۶

## عمر

”صفاء و قروہ“ کا نام جب ہندوستان میں سنتے تھے، یا کتا بون میں پڑھتے تھے تو خیال ہوتا تھا کہ شہر سے دور آبادی سے الگ، کسی ویرانہ میں یہ خشک پہاڑیاں ہونگی، کافی مسافت طے کرنے کے یہاں پہونچنا ہوتا ہوگا، اور ان کے درمیان سعی کرنا بجائے خود ایک مستقل سفر ہوتا ہوگا، یہ تخیل کہہ پہونچنے تک قائم رہا، آج سعی کے وقت سا لہا سال کی یہ غلط فہمی دور ہوئی، اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سارا تخیل بالکل بے بنیاد تھا، صفا و قروہ کسی زمانہ میں پہاڑیاں تھیں، مگر اب تو ان پہاڑیوں کے نشان محض کچھ اونچے چوٹے سے، اور ان کے چند زینے باقی رہ گئے، میں، اس پاس کے بلند مکانات ان پہاڑیوں سے کہیں زیادہ بلند ہیں، پھر یہ پہاڑیاں آبادی سے دو کسی ویرانہ میں نہیں، بلکہ عین وسط شہر میں، ناف آبادی کے اندر اور حرم شریف سے فاصلہ کچھ بھی نہیں، گویا بالکل متصل، ایک دروازہ سے نکلے، تو صفا بالکل سا، دوسرے دروازہ سے نکلے، تو چند قدم چل کر قروہ، دونوں کے درمیان کا فاصلہ کچھ کم دو فرلانگ ”سعی“ نام ہر اسی درمیانی مسافت کے طے کرنے کا، اور اس راستہ کو مسے (جائے سعی) کہتے ہیں، یہ سعی کسی ویران و سنسان مقام میں ہونا الگ نہ، شہر کے

حرم شریف سے باہر نکلے، اور ان مقامات کے درمیان سات پھیرے کرے، اس طرح کہ پہلا پھیر اصفائے شروع ہو، اور ساتواں پھیر امروہ پر ختم ہو، صفاد مروہ کسی زمانہ میں اونچی پہاڑیاں تھیں، پانی ہاجرہ پانی کی تلاش میں مضطرب و سیرا ہو کر انھیں پہاڑیوں پر چڑھ چڑھ کر دکھیتی تھیں، کہ شاید دور سے کوئی قافلہ نظر پڑ جائے، اور اُس سے پانی حاصل ہو جائے اب تو پہاڑیاں باقی نہیں رہیں، معمولی بلندی کے چوڑے سے کچھ باقی رہ گئے ہیں، حضرت ہاجرہ سات ہی پھیرے کرنے پانی تھیں، کہ شیر خوار نور نظر کی ایڑیوں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا تھا، اور اُس صدیقہ کی سہی ختم ہو گئی تھی، بس اسی سہی کی یادگار آج تک قائم چلی آرہی ہے۔ — اللہ والوں اور اللہ والیوں کا مرتبہ ذرا دیکھنا! طالب خود اس راہ میں مطلوب بنجاتے ہیں، اپنے چاہنے والوں کی ادائیں کس کس طرح محفوظ رکھی جاتی ہیں، ہاجرہ صدیقہ نے زندگی میں ایک بار سات پھیرے کئے تھے، اس کی یادگار میں "اس سارے تیرہ سو برس کی مدت میں، کتنے لاکھ، کتنے کروڑ کتنے ارب، گئے، اسی راہ پر اپنے دربار کی حاضری دینے والوں سے پھیرے کرائے جا چکے ہیں، اور دنیا کا کوئی ریاضی دان حساب لگا سکتا ہو، کہ قیامت تک ان پھیروں اور پھیرے کرنے والوں کی تعداد کہاں تک پہنچے گی! ساہا سال نہیں، صدیاں گزر چکی ہیں، اور ہاجرہ کے نقش قدم پر چلنے والوں کا ناتا ہے، کہ کسی کے توڑے نہیں ٹوٹا ہوا۔"

کوئی اسے پیاس بجھانے کے لئے پئے، تو اللہ اس کی پیاس بجھا دیگا، متعدد اکابر امام شافعی، عبد اللہ بن مبارک، ہما قضاہ بن حجر وغیرہم اپنا تجربہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے جس شخص کے لئے اسے پیادہ مقصد پورا ہو کر رہا خود حضور کو بھی یہ پانی، نہایت مرغوب و محبوب تھا، بہتر یہ ہے کہ اسے جب پیاجائے، تو تین سانسوں میں سیر ہو کر پیاجائے، اور پیتے وقت یہ الفاظ ثورہ بطور دعا پڑھ لئے جائیں :-

اللهم سلكت علما نافعاً دسراً قادراً (سعاً)  
اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں کام آئندہ عالم،  
اور فراموشی کے ساتھ روزی اور ہر بیماری سے شفا،  
و شفاء عن کل داء.

ایک مستقل کرامت اس کی یہ ہے کہ لوگ اسے اپنے ہمراہ مین کے ڈبوں یا ڈبوں میں بھر بھر کر لے آتے ہیں، اور لاکر برسوں رکھتے ہیں، پھر بھی نہ یہ پانی سڑتا ہے، نہ مین کیڑے پڑتے ہیں، یہ فضائل سب بجا و مسلم، لیکن مرنے میں مدینہ کے پانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، بد مزہ یہ بھی نہیں، لیکن ایک طرح کی نگین ہے، اور مرنے میں دودھ کی سی چکنا ہٹ محسوس ہوتی ہے، پھر تھوڑا سا پینے میں طبیعت سیر و اسودہ ہو جاتی ہے، مدینہ منورہ کے پانی کی سی نہ ٹھنڈک نہ شیرینی، نہ لطافت، کہ جتنا چاہئے، بشیر گرائی محسوس کئے ہوئے پیتے چلے جائیے !

عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب ہم طواف و تعلقات طواف سے فارغ ہو کر ”سعی“ کے لئے باہر نکلے، سعی کے لفظی معنی تیز چلنے یا دوڑنے کے ہیں اصطلاح میں سعی نام ہے، اصفا و مردہ کے درمیان سات پھیرے کرنے کا، جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خانہ کعبہ میں حجر اسود کو بوسہ دے، اس کے بعد باب بنی مخزوم سے یا اور کسی دروازہ سے،

حرم شریف سے باہر نکلے، اور ان مقامات کے درمیان سات پھیرے کرے، اس طرح کہ پہلا پھیر اصفا سے شروع ہو، اور ساتواں پھیر امر وہ پر ختم ہو، صفا و مردہ کسی زمانہ میں ادنیٰ پہاڑ یاں تھیں، انہی ہاجرہ پانی کی تلاش میں مضطر و مقرر ہو کر انھیں پہاڑیوں پر چڑھ کر چڑھ کر دیکھتی تھیں، کہ شاید دور سے کوئی قافلہ نظر پڑ جائے، اور اس سے پانی حاصل ہو جائے۔ اب تو پہاڑیاں باقی نہیں رہیں، معمولی بلند سی کے چوڑے سے کچھ باقی رہ گئے ہیں، حضرت ہاجرہ سات ہی پھیرے کرنے پائی تھیں، کہ شیر خوار نور نظر کی آڑیوں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا تھا، اور اس صدیقہ کی سعی ختم ہو گئی تھی، بس اسی سعی کی یادگار آج تک قائم چلی آ رہی ہے۔ — اللہ والوں اور اللہ والیوں کا مرتبہ ذرا دیکھنا، طالب خود اس راہ میں مطلوب بجاتے ہیں، اپنے چاہنے والوں کی ادائیں کس کس طرح محفوظ رکھی جاتی ہیں، باوجود صدیقہ نے زندگی میں ایک بار سات پھیرے کئے تھے، اس کی یادگار میں، اس سارے تیرہ سو برس کی مدت میں، کتنے لاکھ، کتنے کروڑ کہتے اور بگئے، اسی راہ پر اپنے دربار کی حاضری دینے والوں سے پھیرے کرائے جا چکے ہیں، اور دنیا کا کوئی ریاضی دان حساب لگا سکتا ہو، کہ قیامت تک ان پھیروں اور پھیرے کرنے والوں کی تعداد کہاں تک پہنچے گی، ساہا سال نہیں صدیاں گزر چکی ہیں، اور ہاجرہ کے نقش قدم پر چلنے والوں کا تانتا ہے، کہ کسی کے توڑے نہیں ٹوٹتا ہوا

کوئی اسے پیاس بجھانے کے لئے پیئے، تو اللہ اس کی پیاس بجھا دیگا، متعدد اکابر امام  
شافعی، عبد اللہ بن مبارک، حافظ ابن حجر وغیرہم اپنا تجربہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے جبرئیل  
کے لئے اسے پیایا وہ مقصد پورا ہو کر رہا، خود حضور کو بھی یہ پانی، نہایت مرغوب و محبوب  
تھا، بہتر یہ ہو کہ اسے جب پیاجائے، تو تین سالوں میں سیر ہو کر پیاجائے، اور پیتے وقت  
یہ الفاظ ثورہ بطور دعا پڑھ لئے جائیں :-

اللھم اسئلک علما نافعا ودرسا قاعدا (سعا)  
وشفاعن کل داء،  
اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں کام آینوالعلم،  
اور فراخی کے ساتھ روزی اور ہر بیماری سے شفا،

ایک مستقل کرامت اس کی یہ ہو کہ لوگ اسے اپنے ہمراہ مین کے ڈبوں یا ڈبوں  
میں بھر بھر کر لے آتے ہیں، اور لا کر برسوں رکھتے ہیں، پھر بھی نہ یہ پانی ٹرتا ہو، نہ بھین  
کیرے پڑتے ہیں، یہ فضائل سب بجا و مسلم، لیکن مرنے میں مدینہ کے پانی سے کوئی مناسبت  
نہیں رکھتا، بہ مزہ یہ بھی نہیں، لیکن ایک طرح کی ٹکینی ہو، اور مرنے میں دودھ کی  
سی چکنا ہٹ محسوس ہوتی ہو، پھر تھوڑا سا پینے میں طبیعت سیر و اسودہ ہو جاتی  
ہے، مدینہ منورہ کے پانی کی سی نہ ٹھنڈک نہ شیرینی، نہ لطافت، کہ جتنا چاہئے بغیر گرائی  
محسوس کئے ہوئے پیتے چلے جائیے !

عصر کا وقت آخر ہو رہا تھا، جب ہم طواف و متعلقات طواف سے فارغ ہو کر  
”سعی“ کے لئے باہر نکلے، سعی کے لفظی معنی، تیز چلنے یا دوڑنے کے ہیں، اصطلاح میں سعی  
نام ہے، صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کرنے کا، سعی کا طریقہ یہ ہو کہ پہلے خانہ کعبہ  
میں حجر اسود کو بوسہ دے، اس کے بعد باب بنی مخزوم سے یا اور کسی دروازہ سے،



تو اوپر کے درجہ سے بھی پانی کا ڈول نکال سکتا ہے، دیواریں زیادہ تر سنگ اسوہ کی ہیں، اوپر کے درجہ میں خانہ کعبہ کے رخ پر ایک چوٹی برآمدہ ہے، جگت خاصی اونچی ہے، کوئی قد آدم، پانی کی سطح سے ذرا نیچے ایک مضبوط جالی لگا دی گئی ہے، تاکہ حاجیوں کے ہجوم و کٹکٹش میں اگر اتفاق سے کسی کی کوئی چیز کنوین میں گر پڑے، تو فوراً نکالی جاسکے، تہ تک نہ پہنچنے پائے، نالیان متعدد بنی ہوئی ہیں، تاکہ گرا ہو یا پانی برابر باہر نکلتا رہے، دروازہ مشرق کی جانب ہے، رات میں بند ہو جاتا ہے دن میں برابر کھلا رہتا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے کہ اپنے ہاتھ سے پانی نکالے، لیکن موسم حج کے ہجوم و چپقلش میں ہر ایک یہ نصیبہ کہاں سے لاسکتا ہے؟ چرخون تک پہنچنا اور ڈول اپنے ہاتھ سے کھینچنا الگ رہا، مگر وہ اندر گھسنے کی بھی ہمت ہر ایک کی نہیں پڑتی،

آب زمزم کی فضیلتیں احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے ماء زمزم لما شرب له، زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے، وہ مقصد پورا ہوگا، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ زمزم کا پانی غذا ہے، پیٹ بھرنے والی اور شفا ہے بیمار کیلئے، ایک اور روایت میں حضور کی زبان سے منقول ہے کہ دنیا میں بہتر پانی زمزم کا پانی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمزم کو شاعہ، یعنی سیراب کر دینے والا، پیٹ بھر دینے والا کہتے ہیں، اور ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اگر اس کو بیمار شفا کی غرض سے پئے، تو اسے اللہ شفا دیگا، اگر کوئی پیٹ بھرنے کے لئے پئے، تو اللہ اسکا پیٹ بھر دیگا، اور اگر

اگر بچپن میں مادی سیرابی کے سامان کا ظہور اُس کے قدموں کے برکت سے ہو گیا ہو، تو کوئی عقل و قیاس اسے اپنے اوپر بار کیوں محسوس کرے؟ —  
 بہر حال حضرت ہاجرہؓ نے جو یہ ماجرا دیکھا تو باغ باغ ہو گئیں، اور مٹی سے گھیر کر پانی کے لئے ایک کنوین کی شکل قائم کر دی، اسی حالت میں زبان سے نکلا تھا "زم زم" جس کے معنی ہیں، ٹھٹھڑ ٹھڑ بس اسی وقت سے اس کا نام زم زم پڑ گیا، مکہ کی آبادی، اسی وقت سے قائم ہوئی، اس وقت تک شہر کے بجائے چٹیل میدان پڑا ہوا تھا، کچھ دنوں کے بعد کنواں پٹ گیا، اور رفتہ رفتہ اہل مکہ اسے بھول بھی گئے، جب سرورِ عالم کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب آیا، تو عبدالمطلب کو خواب میں اس کنوین کا پتہ بتایا گیا، اُس وقت سے زم زم از سر نو دنیا کو سیراب کرنے لگا۔

موجودہ حالت میں چاہ زم زم معمولی کھلے ہوئے کنوین کی طرح نہیں بلکہ باہر سے ایک کمرہ سا معلوم ہوتا ہے، دیوارِ کعبہ سے ۳۲، ۳۳ گز کا فاصلہ ہوگا، کمرہ کی عمارت دو منزلہ ہے، نیچے والے کمرہ کے دو حصے ہیں، ایک حصہ میں کنواں ہے، دوسرے میں آبدار خانہ، کنواں اندر اور باہر دونوں طرف سے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے، پانی کی سطح کچھ کم ستر گز کی گہرائی کے بعد ہے، کنوین کا منہ اچھا خاصا بڑا ہے، جیسا ہمارے ہاں اندازے کنوین کا ہوتا ہے، منہ کا چوڑاں کوئی چار گز کا ہوگا، اور گھیر بارہ گز سے اوپر، چار گھریاں (چرخیاں) لگی ہوئی ہیں، چاروں طرف سے پانی کھینچا جاسکتا ہے، کمرہ کی چھت میں بھی پانی بھرنے کی جگہ رکھی گئی ہے، کوئی چاہئے

کہ اللہ کی عبادت کرنے میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت نہ ہونے پائے اور حتیٰ الامکان کسی دوسرے مسلمان کو کسی نوع اور درجہ کی ایذا نہ پہنچنے پائے، حج کا سفر، قلب کی شکستگی، تجدیت، واثابت کا ایک مدرسہ ہو، اپنی کسی سہولت اور آسائش کے لئے یا کسی سنت کے ادا کرنے میں دوسروں کی راحت و آسائش کی طرف سے بے پروائی کی کوئی گنجائش اس پاک سفر میں نہیں۔

خیر بیان سے چند منٹ میں فارغ ہو گئے، اور اب چاہہ زمزم کی طرف بڑھے، اب زمزم اور چاہہ زمزم کا نام ہر مسلمان کے کان میں پڑا ہوا ہے، زمزم اب ایک کنوین کی شکل میں ہے، لیکن اصل میں چشمہ کا نام ہے، صحیح و مستند روایات میں اسکا جو کچھ تذکرہ آتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے آکر اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچہ زود حضرت اسمعیلؑ کو جب مکہ میں چھوڑ کر واپس جانے لگے، تو ایک مشک پانی اور کچھ کھجوریں ان کے پاس رکھ گئے تھے، ایک مشک کب تک کام دیتی پانی ختم ہوا، اور مان اور بچہ پر پیاس کا غلبہ، قریب میں صفا و مروہ، دو پہاڑیاں تھیں، مائی ہاجرہ مانتا سے بے قرار ہو کر ان پہاڑیوں کی طرف پانی کی تلاش میں بار بار دوڑتی تھیں، ادھر شیر خوار بچہ زود نے جو تڑپ تڑپ کر سر زمین پر پٹھے، تو ایڑیوں کے نیچے زمین سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا، حضرت ہاجرہ جب سات پھیروں کے بعد مایوس واپس آئیں تو دیکھا، صاحبزادہ کے قدموں کے نیچے ایک چشمہ جاری ہے! — اگے چل کر اور جوان ہو کر جس کے قدموں کے نیچے سارے عالم کی روحانی پیاس کی تسکین کے لئے فیض و ہدایت کا چشمہ جاری ہوئے،

جاہتوں کے لئے اور جو دعائیں مانگنا چاہئے مانگئے،

بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں، کہ بعد طواف، یہ دو گانہ، خاص اسی جگہ  
یعنی مقام ابراہیم ہی پر ادا کرنا چاہئے، یہ صحیح نہیں، امام محمدؒ کے الفاظ بالکل صاف و  
واضح ہیں:-

ثم ایت المقام فصل عند الکعتین  
او حیث تیسرے علیہ من المسجد  
مقام ابراہیم پر اگر دو رکعتیں پڑھو، یا مسجد میں  
جان کیں آسانی سے جگہ مل جائے،  
سرخسؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

وسراده ان الزحام یكثر عند المقام  
فلا یبغی ان یحمل المشقة لذلك ولكن  
المسجد كله موضع للصلاة فیصلی  
حیث تیسرے علیہ،  
(مبوط، جلد ۴، ص ۱۲۷، مصری)  
مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر سخت ہجوم  
رہا کرتا ہے، ایسی صورت میں یہ درست نہیں  
کہ خواہ مخواہ اس کے لئے مشقت اٹھائی جائے  
بلکہ غار کی جگہ ماری مسجد میں ہو پس جان  
کیں آسانی سے جگہ مل جائے نماز پڑھ لی جائے،

اسی طرح کی تصریحات دوسرے فقہائے ہان بھی ہیں، دیگر کعتیں فی المقام  
او حیث تیسرے من المسجد (کنز، ثریاتی) المقام فیصلی عند الکعتین او حیث تیسرے  
من المسجد (عدایہ) فی اسی موضع تیسرے علیہ من المسجد الحرام وغیرہ و  
ان صلی فی مقام ابراہیم فهو فضی (سراجیہ) یصلی بعد الطواف سرکعتین عند المقام  
او حیث تیسرے من المسجد وان صلی فی غیر المسجد جائز (قاصیخان)  
حج کے موقع پر جتنے عمال ہیں، سب میں یہ قدم قدم پر ملحوظ رکھا گیا ہے،

اخلاص ہو تو بہتر ہے، اتنے تفسیب کہاں تھے، کہ عین مقام ابراہیم تک پہنچتے اس کے  
برآمدہ میں بھی کثرتِ ہجوم سے نماز پڑھنے کی جگہ نہ ملی، مجبوراً مقام ابراہیم کے متصل جو جگہ  
اس کے اور محرابِ النبویؐ کے درمیان ہو، وہاں نماز پڑھی، یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طواف  
کے خاتمہ یعنی اس کے سات چکروں کے پورے ہونے پر پڑھتے تھے، اور اسی لئے امام  
ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نماز واجب ہو، گو امام شافعیؒ کے ہاں محض سنت کے درجہ میں ہے  
نماز کے بعد معلم نے جو دعا پڑھائی وہ غالباً یہ تھی:-

اللھم انک تعلم سوری و ملا ینقی  
قابل معذرتی و تعلم حاجتی فاعطف  
سوالی و تعلم ما فی نفسی  
فانفع لی ذلونی، اللھم انی  
(مثلک ایماناً یا شوق قلبی  
یقیناً صادقاً حقاً) علم انہ  
لا یصیبنی الا ما کنت لی  
وہم فی بعثت لی یا  
(رحمہم اللہ) (حمین)

اے اللہ تو جانتا ہو، میرا وطن اور میرا خاں میرا  
میرا عند قبول کرو، اور تو میری حاجت سے واقف  
ہے، پس میں جو طلب کرتا ہوں مجھے عطا کرو، اور تو  
جانتا ہو جو کچھ میرے دل میں ہو، پس میرے  
گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ میں تجھ سے  
انگتا ہوں یا ہاں جو میرے دل میں جگہ رکھے، اور  
ایسا سچا یقین جس سے میں جان جاؤں کہ مجھے  
میں وہی ملیگا جو کچھ تو نے میرے لئے لکھ رکھا ہے  
اور اے سب رحیموں سے بڑھ کر رحیم، میں انگتا ہوں  
تجھ سے اس چیز پر رضامندی جو تو نے میری قسمت  
میں لکھ رکھی ہو،

روایتوں میں آتا ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی دعا مانگی تھی، اس کے  
الفاظ کی جامعیت و ہمہ گیری ظاہر ہے، لیکن اختیار ہے، کہ اس کے بعد اپنی دینی و دنیوی

کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا ٹھکانا بناؤ) نماز پڑھنے کے لئے تو سارا خانہ کعبہ ہی سارا  
 صحنِ حرم ہی جیلم ہے، لیکن ایمان والوں کو اللہ کے فرمان بردار بندوں کو سجدہ کرنے  
 پیشانی زمین پر رگڑنے کا حکم صراحت کے ساتھ ملتا ہے، تو اس زمین کے واسطے، جو ابراہیم  
 کے خاکِ پائے پاک و مشرف ہو چکی ہے! اللہ اللہ! اپنے چاہنے والوں کی کیا کیا دلتوازیان  
 ہیں کیسی کیسی سرفرازیان ہیں! اتنی بجا علت للناس اماماً، سارے جہان کی امامت  
 و پیشوائی کا وعدہ آخر انھیں ابراہیم ہی سے تو کیا گیا تھا؟ پھر آخر کیا اسکا ایفاء نہ ہوتا؟  
 اور امام کے جہان پیر ہوتے ہیں، وہیں تو سارے نمازیوں کے سر اگر زمین سے لگتے  
 ہیں! ————— ”کل“ سب دیکھیں گے، اور آنکھوں والے آج بھی دیکھ رہے  
 ہیں، اور ہزار ہا برس سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، کہ جو سب اپنے دل کے بندھن توڑ  
 صرف ایک اور اکیلے سے اپنا رشتہ جوڑ چکا تھا، (اتنی وجہت وجہی للذی فطمہم) و  
 کلاہم من حیفا و ما انامن الملتحکین) اور جو اپنے وقت و زمانہ کی ساری تہذیب  
 و تمدن اور اپنی قوم و ملت کی شان و شوکت، پر لعنت بھیج چکا تھا، (عنذکم و ما  
 تقبذ من دون اللہ) اُس کے لئے کیا کیا انجام و اکرام ہیں، کیسے کیسے صلے اور  
 رستہ ہیں! ”آج“ دنیا جہان کے لئے اس کی امامت اور ”کل“ سب سے پہلا علم و ہستی بھی  
 اللہ کے گھر کے اسی سمار کے لئے! ”آج“ کی نعمتوں کا تو ٹوٹا بھوٹا تصور ہو بھی جاتا ہے ”کل“  
 کی نعمتوں کا اندازہ اور تصور کس انسانی دماغ کے بس کی بات ہے!

فقہ حنفیہ میں حکم ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر اسی مقام ابراہیم میں اگر دو رکعت  
 نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ

کا موقع مل جاتا ہو، مطاف کے کنارے مشرقی جانب ایک خوبصورت محراب پتھر کی کھڑی  
 ہوئی ہو، یہ محراب النبیؐ کہلاتی ہو، اس لئے کہ حضور اکرامؐ اسی راستہ سے قشر لیں لاتے تھے  
 اسی محراب کے قریب بہت جنوب میں وہ نفیس و خوش نما قبہ ہو جس کے نیچے وہ مبارک منبر  
 پتھر کو کھڑی میں بند رہتا ہو، اور اب مجازاً خود اسی کو ٹھہری کو مقام ابراہیمؑ کہنے لگے ہیں  
 سننے میں آیا کہ حجر اسود اور اس مقام کے درمیان ۲۷ گز کا فاصلہ ہو، کہا جاتا ہو، کہ یہ  
 پتھر تین بالشت اونچا اور دو بالشت چوڑا ہو، اور اس پر چاندی کا پتھر چڑھا دیا گیا ہو، ضرر  
 اتنی جگہ جہاں قدم مبارک کا نقش ہو، اپنی اصلی حالت پر چھوٹی ہوئی ہو، ہزار ہا زائرین  
 اس شوق و اشتیاق میں آتے ہیں، کہ اللہ کے خلیلؑ کا قدم مبارک نہ سہی، اس قدم کے  
 نقش ہی کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگائیں، لیکن وہ یہودی میں یہ کہان  
 ممکن؟ سپاہی بید لے ہوئے پہرہ پر کھڑے ہوئے ہیں، اور کو ٹھہری کے اندر رسائی ہونا  
 الگ رہا، جو زائرین اپنے جذبہ شوق کی تسکین کے لئے کو ٹھہری کے دروازہ کی زنجیر کو کس  
 کرنے اور بوسہ دینے کے لئے بڑھتے ہیں، مٹان کے حجم پر نجدی سپاہی کے بید کی ضربیں  
 پڑتی نظر آتی ہیں!

یہ ہے وہ مقام ابراہیمؑ جس کا تذکرہ مقدس کلام میں کسی مقدس موقع پر آتا ہے  
 فیہ آیات بینات مقام ابراہیمؑ، اوپر ذکر کئے گئے، مبارک کا ہو رہا ہو، اور اس مبارک  
 شہر کے بیت مبارک کا ذکر کیا گیا، اور مبارک شہر کے مبارک گھر میں اپنی سب سے بڑی  
 اور کھلی ہوئی نشانی اسی مقام ابراہیمؑ کو فرمایا گیا، اور پھر محض اس تذکرہ ہی پر اکتفا نہیں  
 دوسری جگہ حکم کی صورت میں ارشاد ہوتا ہو، وَتَحِثُّ ذَا مَن مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مَصْلٰی (ابراہیمؑ)

انگلیان اور ان کے پیروں کے تلوے، تو اسی گوشت و پوست کے بنے ہوئے تھے آخر  
 ان کے نشانات کیسے محفوظ رہ گئے؟ دھوپ کی کیسی کیسی کڑی مشامین پڑیں بارش  
 کس زور زور کی ہوتی رہی، ایک دو دن نہیں، سال دو سال نہیں، ہزار ہا برس  
 تک سارے عناصر اپنا زور دکھاتے رہے، اور وہ نقش نہ مٹے، اتنی طویل مدت میں  
 کون باقی رہا؟ کلدانیہ کا مدن مٹ گیا، بابل کا اقبال افسانہ بن گیا، مصری تہذیب  
 خواب و خیال ہو کر رہ گئی، رومیہ مٹ گیا، یونان مٹ گیا، نہ دارارہا نہ سکندر، نہ ہنبال رہا  
 نہ قیصر، نہ چنگیز رہا نہ ہلاکو، جنگو گھمنڈ اور دعویٰ تھا کہ ہم سکونٹا دین گے اور خود مہین  
 مٹ کر اور یلما مٹ ہو کر رہ گئے، پر ایک خاک کے پتلے کے نقش قدم ہیں، کہ وہ کسی  
 مٹائے نہ مٹے، وہ خاک کا پتلا اپنے اللہ کا مطیع ہو گیا تھا، کائنات کی ساری قوتیں خود  
 اس کی مطیع کر دی گئیں! و کذلک انہی المحسنین،

یہ پتھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرت صدیق کے زمانہ تک خانہ کعبہ کی دیوار سے  
 متصل اپنی اصلی جگہ پر رکھا رہا تھا، شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنی تفسیر میں سنن بیہقی کے  
 حوالہ سے لکھتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ایک سیلاب آیا، جس سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر  
 بہ گیا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی، تو آپ خود تشریف لائے، اور اس پتھر کو دیوار کعبہ سے ذرا  
 فاصلہ پر مطاف سے باہر ایک مقام پر رکھوا دیا، اور اب تک وہیں رکھا چلا آتا ہے، البتہ  
 اب یہ پھلی ہوئی جگہ میں نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی جالی دار کوٹھری بنا دی گئی ہے جس کے  
 ایک قبة بھی ہے، اسی کوٹھری کے اندر محفوظ ہے، پہلے ہر شخص آزادی سے زیارت کر  
 سکتا تھا، اب کوٹھری بند رہتی ہے، شاید کسی خوش نصیب کو کسی خاص وقت میں زیارت

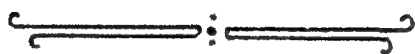


# باب ۲۵

## دیوارِ خلیل

مقامِ ابراہیم کا نام کلامِ مجید میں دو جگہ آیا ہے، لیکن بغیر حاجی ہوئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مقامِ ابراہیم ہے کیا چیز، مقامِ ابراہیم کے لفظی معنی ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ، روایات میں آتا ہے کہ خلیلؑ اللہ کی تعمیر کے وقت جب خانہ کعبہ کی دیوار بن اونی ہوئے لگین، تو قدرۃ پاڑ باندھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت حضرت جبریلؑ نے ایک پتھر لاکر بتِ خلیل کے خلیلؑ کی خدمت میں پیش کیا، اس پر کھڑے ہو کر اللہ کے گھر کے اُس سمار نے کعبہ کی دیوار بن بلند کرنی شروع کر دیں، جب نیچے سے پتھر لگا رہا وغیرہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی تھی، تو یہ پتھر خود بخود چمک کر نچا ہو جاتا تھا، اور جو سون دیوار بلند ہوتی جاتی تھی، اور اونچے تک ہاتھ پہنچانے کی ضرورت ہوتی تھی، یہ پتھر بھی از خود بلند ہوتا جاتا تھا، یہ پتھر حجرِ اسود کی طرح آج تک محفوظ چلا آتا ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ اس پر اللہ کے خلیلؑ کے قدم مبارک اور انگلیوں کے نشان تک بنے ہوئے ہیں! ————— پتھر کے متعلق تو خیر یہ مشہور ہے کہ وہ اس دنیا کا نہیں، جنت سے لایا گیا تھا، اس کے محفوظ رہ جانے پر اتنی حیرت نہ کیجئے، لیکن ابراہیمؑ تو اسی مادی دنیا کے، اسی عالمِ ناموت کے اسی عالمِ آب و گل کے تھے، اُن کی

کرتے دیکھا، اداقت حاجیوں کو تو معلم کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اپنے خاست گئے پڑھے بھی  
 پہلی دفعہ چکر میں آجاتے ہیں، البتہ ایک مرتبہ واقف ہو جانے کے بعد پھر زیادہ دقت  
 نہیں رہتی، بہتر یہ ہو گا کہ ماسک کی کتابیں پہلے سے دیکھ کر ضرور رکھی جائیں، ہم لوگ  
 تو بالکل معلم کے ہاتھ میں تھے، جہاں سے انھوں نے شروع کر دیا شروع کیا اور جہاں پر ختم  
 نے ختم کر دیا ختم کیا، رول، انڈیکس، وغیرہ سب انہیں کی ہدایت کے مطابق کرتے رہے  
 ایک چکر دو چکر تین چکر لیجئے اور دیکھتے کہ اندر پورے ساتوں چکر ختم ہو گئے اور ہم  
 ملوث ختم کر کے دانش دان من مقام ابراہیم مصلیٰ پڑھتے ہوئے مقام ابراہیم کی  
 طرف بڑھے۔



دن کے بعد دوبارہ نہیں آتے بلکہ ان کے بجائے اسی تعداد میں نئے آجاتے ہیں طوائف  
 کرتے رہتے ہیں یہ زمینی خانہ کعبہ ٹھیک اُس کے محاذ میں اور بالکل اُس کے نیچے ہے  
 ان تجلیاتِ رحمت و مرحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو ہر لحظہ اور ہر آن بیت المعمور  
 سے خانہ کعبہ پر پڑتی رہتی ہوں گی! یہ اللہ کے خلیل ہی کی آنکھ تھی جس نے اُن تجلیات  
 اور اُن انوار کا مشاہدہ کیا، اور ٹھیک اُسی مقام پر آدم علیہ السلام کے بعد از سر نو اللہ کا  
 گھر بنا کر اس بارشِ رحمت و کرم میں سب کو شریک کر دیا! اللہ وصل و بیک علی محمد  
 و علی آل محمد کما صلیت و بارکت علی ابیہم و علی آل ابیہم انک  
 حمید مجید

یہی بیت تھا جس کا طواف شروع ہوا معلوم عبدالقادر سکندر اپنے ہمراہ مطاف کے  
 اندر لائے اور سارے قافلہ کو اپنی رہنمائی میں طواف کرانا شروع کیا، ہجوم اچھا خاصہ تھا  
 لیکن مطاف بھی ماشاء اللہ خوب وسیع ہو، زیادہ کنگش نہیں ہونے پاتی، اور اگر بند  
 و بدوسی حجاج اپنے کو ذرا قابو میں رکھیں، تو اتنی بھی کنگش نہ ہونے پائے، خود علین بھی صبح  
 بے احتیاطی کرتے رہتے ہیں، اور لوگوں کو ڈھکیلے اور دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش  
 کرتے ہیں، اس ایک شے کے علاوہ مطاف اور ہر طرح پر بڑے امن اور دلچسپی کی  
 جگہ ہے، بوڑھے جوان، بچے، خورتیں، تندرست و توانا، کمزور و لاغر، سبھی طرح کی خلعت ہو،  
 سب اپنے اپنے چکر میں مصروف جو بوڑھے اور ناتوان اپنے پیروں سے طواف نہیں کر سکتے  
 ان کے لئے اجازت ہے کہ شبری پر طواف کریں، یہ ایک طرح کا کھٹولا ہوتا ہے جسے جوان  
 مزدور اپنے سروں پر اٹھائے رہتے ہیں، بہت سے بیماروں کو اس طرح لیٹے لیٹے طواف

ابراہیم کی دعا قالی نہیں جاسکتی تھی، گھر کے بنانے والوں کو تو جو کچھ مزدوری ملی اسے  
یا تو وہ خود جاتے، یا مزدوری کا دینے والا، لیکن اس گھر کی زیارت کرنے والوں کو  
اس گھر کا طواف کرنے والوں کو، اس گھر کی طرف سفر کرنے والوں کو، اس گھر سے  
تعلق رکھنے والوں کو اس گھر کی محبت و عظمت کو دل میں جگہ دینے والوں کو کیا  
کچھ نہیں مل سکتا؟ کیا کچھ نہیں مل جاتا؟ کیا کچھ نہیں ملا؟

جس گھر کے یہ معمار ہوں، یہ مزدور ہوں، اس گھر کی بے حساب تقدیس اور بے انداز  
عزت پر کسی کو حیرت ہونی چاہئے؟ یہ سب دیکھتے ہیں، کہ گھر، برکتوں اور عزتوں  
کا گھر ہے، مگر یہ بھول جاتے ہیں، کہ گھر کے معمار اور مزدور کیسے برکت والے کیسے عزت  
والے، کیسے تقویٰ اور تقدیس والے تھے، روم کا عارف کہتا ہے،

کعبہ راکش ہر دے عزت فرود      آن ز اخلاصات ابراہیم بود

فضل آن مسجد ز خاک و سنگ نیست      لیک در بنائش حرص و جنگ نیست

اور بالکل سچ کہتا ہے کہ کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم ہر لحظہ جو ترقی و برتری دیکھتے  
ہو، یہ ابراہیم کے خلوص و صدقِ نیت کا ثمرہ ہے، وہی پتھر اور وہی مٹی جس سے ہر مسجد اور  
ہر عمارت کی تعمیر ہوتی ہے، اس مسجد میں بھی لگے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ اس میں کوئی  
نئی چیز نہیں، نئی چیز جو ہے، وہ یہی ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی انجینئر نہ تھا، کوئی ماہرِ فن  
نہندس نہ تھا، کوئی بادشاہ و وزیر نہ تھا، وہ تھا جو اپنے نفس کو پاک کر چکا تھا، اپنی خودی  
کو مٹا چکا تھا، اپنے کو خدا سے ملا چکا تھا، روایات میں آتا ہے کہ آسمان پر جو فرشتوں کا  
کا قبلہ ہے، بیت المعمور، اور جس کے گرد و گرد دہر وقت ستر ہزار ایسے فرشتے جو ایک

الغظۃ اللہ! اللہ پر قربان ہونے والوں کی، اللہ کے خلیلؑ کہلانے والوں کی یہ نشان  
ہوتی ہے! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا ہے کہ یہ اپنے  
کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

آپ کہتے ہیں، آپ مانتے ہیں، کہ اس گھر کا سا کوئی دوسرا گھر دنیا میں نہیں  
لیکن خدا کا یہ تو بتائیے کہ اس گھر کے سے مزدور بھی دنیا کے کسی گھر کو ملے؟ قربان  
اس گھر کے مالک کے، قربان اس گھر کے مزدور دن کے بیت المقدس کو سلیمان علیہ  
السلام نے بنوایا، اور جنوں سے بنوایا، لیکن اس مقدس گھر کو دیکھنا اس کے مزدور  
سلیمان علیہ السلام کے تابع و محکوم جنات نہ تھے، وہ تھے جو خود سلیمان علیہ السلام کے  
بزرگوں کے بزرگ اور اجداد کے جد تھے! دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری  
مانگی جو بیت اللہ کے مزدور دن نے مانگی؟ اور کس کو وہ مزدوری ملی، جو بیت اللہ  
کے مزدور دن کے حصہ میں آئی؟ مزدوری کی طلب تنہا اپنے لئے نہ تھی، ہمارے  
لئے تھی، آپ کے لئے تھی، ان سب کے لئے تھی، جو آج اپنی کوئی ناز اللہ کے  
مقدس گھر کے اس مقدس مزدور پر درود بھیجے بغیر تمام نہیں کرتے، اور نہیں کر سکتے

اے ہمارے رب، ہم دونوں کو اپنا فرمان بردار  
بنا اور ہماری اولاد سے ایک امت اپنی زبان پر  
بلا اور ہمیں ہمارے حج کے اعمال بنا، اور ہم پر  
رحمت سے توجہ فرما، اور تو مشکِ رحمت سے  
بڑا توجہ کرنے والا اور مہربان ہے،

سربادا جعلنا مسلمین لک ومن  
ذہبتنا امة مسلمة لک و ابرہنا  
مننا سکنا و تب علینا انک انت اللہ  
الرحیم

اس گھر کا معمار کون تھا؟ بادشاہوں کے محل تعمیر ہوتے ہیں، تو بڑی بڑے کاریگر اور ہندس بلانے جاتے ہیں، وائیسرے کی کوٹھی تیار ہونے لگتی ہی، تو نامور انجینئرز کی قسمت جاگ جاتی ہے، اللہ کے گھر کی مہاری کس نے کی؟ اللہ کے گھر کا مزدور کون تھا؟ اللہ کے گھر کی تیاری کے لئے اپنے سر پر بھاری بھاری پتھر کس نے لادئے اپنے ہاتھ چونے اور مٹی کے گارے میں کس نے سانسے؟ عرب کی جھلجھلاتی ہوئی دوپٹوں میں، ارگستانوں کی لوکی لپٹوں میں، بغیر روپیہ اور پیسہ کی مزدوری کے لاپچکے، کس مزدور نے اپنے گوشت پوست کو جلایا، تپایا، جھلسایا؟ کون بندہ جواب دئے بندوں کا خالق، اس گھر کا مالک، خود اپنی زبان سے اپنے گھر کے مزدور اور اس مزدور کے نور نظر کا نام لیتا ہے،

اور جب ابراہیمؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسمعیلؑ بھی!

وَذِیْقَہِ اِبْرٰہِیْمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ  
وِاسْمٰعِیْلَ،

مزدور جب کام کرتے ہیں، تو کچھ گن گناتے بھی جاتے ہیں، اللہ کے مزدور بھی جس وقت کام کر رہے تھے، تو اپنی زبانوں پر مہرین نین لگائی تھیں، جس کا گھر بنا رہے تھے، اسی سے کچھ مانگتے بھی جاتے تھے، ہاتھ اگر تعمیریت میں مشغول تھے، تو دل رب البیت میں! دل میں کسی کی یاد تھی، تو زبان پر کسی کا نام، عاجزی تھی اور خوشامد، مسکنت تھی اور تذلل، پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے، اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ، چشم اشکبار کے ساتھ، زبانیں اسی ذکر میں مشغول تھیں!

اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما اینٹیک  
تو سب کچھ سننے والا، سب کچھ جانتے والا ہے!

سَمِعْنَا قَبْلَ صُنَائِكَ اَنْتَ اَلْسَمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بالین کی پاکیزگی اور ظاہر کی آرائشی کا سرچشمہ اسی مکان سے پھوٹ پھوٹ کر ابل رہا تھا اور قیامت شروع ہو جانے تک برابر ابلتا رہے گا!

مکانات لاکھون کے خرچ سے دینا میں کتنے بن چکے، بادشاہوں کے محل بھی اور وزیروں کی کوٹھیاں بھی، رئیسوں کی حویلیاں بھی اور نوابوں کے دیوانے بھی، سب مٹ گئے، خاک سے بلند ہوئے تھے اور خاک میں مل گئے، ساسانیوں کی عشرت گاہیں اور دمیوں کے حمام کسین باقی ہیں؟ پر تھی راج کے محل، اور میوے کے قصر و ایوان آج کیوں نظروں سے غائب ہو گئے؟ کہو گے، کہ یہ کچھ دہسی، لیکن آخر اگر وہ میں تاج محل، اور فرانس میں ایٹیل ٹاور تو موجود ہیں، میٹک موجود ہیں، لیکن اسی حیثیت سے جس سے کہ لڑکوں کے کھلونے اور لڑکیوں کے گھر و ہوسے موجود رہتے ہیں، بجز ایک میر تاشہ اور دل بہلاؤ کے، ان کی کوئی اور حیثیت ہے؟ تاج محل اور ایٹیل ٹاور کی عزت، احترام، تقدیس، کسی کے دل میں ہے؟ ایک طرف وہ لاکھون روپیہ کا اینٹ اور چونہ کھائے ہوئے، لقی و دق کھڑ ہیں، اور دوسری طرف یہ ہر تکلف و تفسیع سے معری، مادہ اور سحر، اللہ کا گھر ہے، مشابہ انسان، انسانا، بے انداز مدت سے قائم، اور بنیاد عقیدتوں و تنظیموں کا مرکز، لاکھون ہر سال آتے ہیں، چوستے اور لاکھون سے لگانے، طواف کرنے اور سجدہ کرنے، روئے اور گر گر کرنے، جھکنے اور گرنے، لاکھون آتے ہیں، اور ہر سال آتے رہتے ہیں، کچھ یاد آئے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کے بعد، اس تعمیر کی تجدید اولاد آدم میں سے کس نے کی؟ اپنے ہاتھوں میں پتھر اور گارے لیکر کس نے اس کی دیواریں بلند کی ہیں؟ اللہ کے

اور پھر گھر بھی کیسا گھر؟ کس صفت کا گھر؟ ہدیٰ للعالمین، ساری دنیا کے لئے ہدایت رکھنے والا، ہر قوم، ہر ملک، ہر طبقہ، ہر گروہ کو درس ہدایت دینے والا اس کے انوار اور اس کے برکات اس کے فیوض اور اس کی ہدایات، کسی ایک زمانہ کے لئے، کسی ایک ملک کے لئے مخصوص نہیں، زمان کے قیود اور مکان کے حدود سے آزاد، جب اور جہاں، جب کا جی چاہے، اس سے فیض حاصل کیسے دعویٰ کا ثبوت الگ رہا، نفس یہ دعویٰ بھی دنیا کے کسی دوسرے مکان نے پیش کیا ہو؟ کسی مکان سے اب تک یہ صدا بلند ہوئی ہو کہ میری تعلیمات ساری دنیا کے لئے ہیں؟ دنیا میں بڑے بڑے مقتن اور قانون ساز آئے، بڑے بڑے مصلح آئے، عارف آئے، کامل آئے، ولی آئے، بنی آئے، پیام لیکر آنے والے آئے، کسی نے بنی اسرائیل کے گلے کی بھنگی ہوئی، بھیڑوں کو راہ دکھائی، کسی نے شام میں توحید کی سادسی کی کسی نے مصر میں حق کی دعوت پہنچائی، کسی نے ہندوستان میں وعظ کے لیکن بلا تفریق و تخصیص، ہر قوم اور ہر ملک، ہر اقلیم اور ہر زمانہ کے لئے پیام ہدایت نہ کسی مندر سے سنا گیا، نہ کسی گرجا سے، نہ کسی کانگریس کے اسٹیج سے، نہ کسی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے، نہ کسی پارلیمنٹ سے نہ کسی سینٹ ہال سے، نہ کسی جمیورٹینو سے، — ہاں کل کائنات کے لئے عالم و جاہل کے لئے مشرقی و مغربی کے گورے اور کالے کے لئے، کیسا ان پیام تسلی بجز اس گھر کے اور کہاں سے سنایا گیا، پیام سنانے والے نے پیام سنا دیا، لیکن نے مکان کی طرف سے دعویٰ کا اعلان کر دیا، جسکی آنکھیں ہیں، مجد اللہ وہ آج بھی دیکھ رہے، اور جنھوں نے اپنی آنکھیں پھوڑ رکھی ہیں، وہ کل دیکھیں گے کہ ہدایت و روحانیت، تصفیہ قلب و تزکیہ نفس





ہندوستان، ایران، روم، یابل، مٹا، گلدانیہ، مٹا، خدا معلوم کتنے ابھرے اور  
 ابھر کرٹے، کتنے بڑھے اور بڑھکر گھٹے، پر ایک عرب کے رگستان میں خاک اور ریت  
 کے سمندر میں، چٹانوں اور پہاڑیوں کے وسط میں، واویلوں اور گھاٹیوں کے درمیان  
 یہ سیاہ چوکور گھر، جسے نہ کسی انجینئر نے بنایا، نہ کسی مہندس نے، جون کا تون کھڑا ہوا  
 ہے، صد ہا طوفان، ہزار ہا انقلابات، بیشمار زلزلے، آئے اور گذر گئے، اور اس پاک  
 اور پیارے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا، نہ کوئی زار نکولس، اور نہ کوئی گلیڈ اسٹن، جو اسے  
 مٹانے کو اٹھا، وہ خود مٹ گیا، اور اللہ کے گھر میں اللہ کی جو عبادت آدم اور حوا  
 کی تھی، وہی آج آدم کے فرزند اور حوا کی بیٹیاں کر رہی ہیں! "مبارک" کی تفسیر میں  
 بہت سے اقوال لائے گئے ہیں، لیکن اس کھلی ہوئی برکت، اس مشاہدہ و محسوس برکت  
 کے بعد کسی اور تفسیر کی ضرورت باقی بھی رہتی ہے؟

اٹ اول بیت "سب پہلے عبادت خانہ" رومی مورخ نے اعتراف کیا، کہ اس سے  
 قدیم ترکوئی معبد نہیں ملتا، ڈوزی نے بھی یہی کہا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا والوں نے  
 اسکی قدامت تسلیم کی، میور تقید کے لئے اٹھا، لیکن رومی مورخ کی تائید کے  
 سوا اور کچھ نہ کہہ سکا، مارگولس اسلام کی عداوت کے نشہ میں سرشار، لڑکھڑاتا  
 ہوا آگے بڑھا، لیکن اس کی ہزیاں سرائی خود اسی کے پیشہ والوں اور قیدیہ والوں  
 سے داد نہ حاصل کر سکی، اور حق کا کلمہ جہان تھا، وہیں قائم رہا، مومنوں کے ایک سردار  
 علی رضی نے جو کچھ کہا تھا (عن علیؑ، قال کانت البیوت قبلہ و مکتبہ اول بیت  
 وضع لعبادۃ اللہ، سر والا ابن حاتم) منکروں اور دشمنوں کو بھی وہی کہنا پڑا،

## باب ۲۴

### کعبہ مقصود

ان اول بیت وضع للناس للذی فی  
بیتہ مباس کا وہدی للعالمین  
وآل عمران رکوع ۱۰

یقیناً پہلا گھر جو انسانوں کی عبادت کے لیے  
مقرر کیا گیا وہ وہی ہو جو کعبہ (کہ) میں ہے  
برکت دیا گیا اور جہانوں کے لئے ہدایت!

اللہ اکبر! یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیواروں کی بلائیں  
رہیں ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے جس کی بابت کہا گیا ہے دنیا کے ہنگامہ میں پہلا وہ گھر خدا کا  
روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ: صدی دوسری کی تعمیر نہیں، دو ہزار چار ہزار  
برس کی عمارت نہیں، دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون تاریخ اس وقت کا پتہ  
بتا سکتی ہے کسی نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے جس گھر کی بنیادیں،  
خود آدم نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں، بنی آدم میں سے کون اس وقت کی یاد دینے کا  
میں محفوظ رکھ سکتا ہے! اللہ اللہ! اس طویل اور حجاب مدت میں اس ناقابلِ پیمائش  
عرصہ میں کتنے عبادت خانے بنے اور گرے، کتنے مندر تعمیر ہوئے، اور کھدے، کتنے  
گریجے آباد ہوئے اور احرطے، کیسے کیسے انقلابات زمین نے دیکھے اور آسمان نے  
دکھائے، بلندیاں پست ہوئیں اور پستیاں بلند ہوئیں، یونان مثلاً، مصر مثلاً، چین مثلاً

نصیب میں نہیں آئے ہیں، کون کون سے اسرارِ حسین حل نہیں کئے ہیں؟  
 لیکن آج کوئی آنکھ بھی محی الدین ابن عربی کی رکھتا ہے؟ طور اب بھی وہی  
 ہے، تجلیات اب بھی وہی ہیں، جو اب میں لن ترانی کہنے والا اب بھی جون کا  
 تون ہے، لیکن رب ارنی پکارنے والا بھی کوئی ہے؟



باندھ لیا ہے، اور پیارے حاجیوں کو یہ سمجھا اور ڈرا رکھا ہے، کہ طواف کے وقت صرنا  
 وہی مخصوص دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں، حالانکہ یہ بالکل بے اصل ہے، شریعت نے  
 اس موقع پر بڑی وسعت دے رکھی ہے، البتہ ظاہر ہے، کہ جو دعائیں ماثور ہیں، اُن کے  
 الفاظ کی برکت بہت زائد ہے، طواف حج کے موسم میں، دن اور رات کے کسی ٹکڑے  
 میں بھی خالی نہیں رہتا، ہر وقت اور ہر آن ایک سلسل چکر ہے کہ جاری ہے، صبح اور شام  
 کے ٹکڑے وقتوں کو چھوڑیے، رات کے ایک اور دو بجے اگر دیکھئے تو، اور  
 ٹھیک دوپہر کی نیز گرمی کے وقت اگر دیکھئے تو، ایک دو نہیں، سیکڑوں ایسا  
 ہزاروں دیوانے بس برابر چکر کاٹتے ہوئے ہی ملیں گے، اور ان دیوانوں  
 میں کیسے کیسے ہوشیار اور فرزندانے بھی ہیں! مرد بھی، اور عورتیں بھی،  
 کمزور بھی، اور پہلوان بھی، لائٹھی ٹیک کر چلنے والے بوڑھے بھی اور انجلی  
 چکر کر چلنے والے بچے بھی، عالم بھی اور عامی بھی، زاہد بھی اور فاسق بھی،  
 گداے مینوا بھی اور مسبئی کے لکھتی سیٹھ جی بھی، صحراے عرب کا بدو  
 بھی اور مصر کا فیشن ماب ٹھہری بھی، بھوکے بنگالی بھی اور دکن کے حشر  
 ثواب و رُسا بھی، سب کے سب ایک رب کے پرستار، ایک اللہ کے  
 بندے، ایک رسولؐ کے امتی، ایک ہی آقا کے حلقہ گوش، ایک دھن  
 میں مست، برابر ایک گھر کا چکر کاٹ رہے ہیں! ان میں کتنے قطب  
 ہوں گے، کتنے ابدال ہوں گے، کتنے اللہ کے اولیائے کاملین میں سے  
 ہوں گے! انہیں کون پہچانے؟ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے اسی  
 طواف میں کس کس کی زیارت نہیں کی ہے، کیسے کیسے مکاشفات یہیں

ومن عذاب القبر ومن قنطرة الجحيم والمعات واعوذ بك من الخزي في الدنيا  
والآخرة، سبنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب الناس،  
ایک دو کو نہیں، سیکڑوں ہزاروں کو دیکھا کہ حجرِ اسود تک پہنچنے کے لئے دوسروں  
کو ڈھکیل دیتے ہیں، اور خود بھی برابر دھکے کھا رہے ہیں، اور جب اتنی مشقتوں کے  
بعد کسی طرح وہاں تک پہنچ جاتے ہیں، تو واپس ہو کر ایک فاتحانہ انداز سے ادھر  
اُدھر دیکھتے ہیں گویا بہت بڑا ثواب کما آئے، یہ سرتاسر نادانی، شمس اللہ امام سرخسی  
نے ضاف صاف لکھ دیا ہے کہ

ثم بدأ بالحج الاسود فاستلمه....  
ان استطعت من غير ان تؤذي مسلماً....  
لان استلام الحج سنة والتعمير من  
اذى المسلم واجب فلا ينبغي له ان  
يؤذي مسلماً لاقامة السنة  
(مبسوط)

طواف کی ابتدا حجرِ اسود سے کرو اور اسے  
بوسہ دو بشرطیکہ ایسا کرنا کسی مسلمان کے محکف  
پہنچائے بغیر ممکن ہو، اس لئے کہ حجرِ اسود کا  
بوسہ سنت ہے، اور ایذا مسلم سے احتراز واجب ہے  
اور درست نہیں کہ اولے سنت کے لئے کسی  
مسلمان کو ایذا پہنچائی جائے،

اور اسی کے قریب قریب تمام فقہاء کے ہاں تصریحات ملتی ہیں، ثم استقبال الحج مکبراً  
مهللاً مستلماً بلا ايذاء (کنز) لان استلام سنة والكف عن الايذاء واجب  
دبح الراين) ويقبل الحج ان استطاع من غير ان يؤذي احداً..... وان  
لم يستطع استلام الحج من غير ان يؤذي احداً لا يستلمه (قاضي خان) وغیره.

کم علم مطلوب نے اپنی سہولت و آسانی کے لئے چند گنی چنی دعاؤں کا دستور

معنی یہ ہیں کہ دونوں شانوں کو ہلاتے ہوئے اور میدان جنگ میں سپاہیوں کی طرح  
اگڑتا ہوا جلدی جلدی چلا جائے، یہ سارے طریقے اور حالت طواف میں پڑھنے کی  
دعائیں معلّم خود بتاتے جاتے ہیں، سب زبانی یاد کس کو رہ سکتی ہیں، تاہم بہتر یہ ہوگا کہ  
نماز میں معلّم ہی پر بھروسہ نہ کر لیا جائے، بلکہ ارکان و مناسک حج کی کوئی معتبر کتاب  
خود اپنے پاس بھی رہے،

حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے، لیکن ہجوم میں گھس کر خود  
تکلیف اٹھانا، اور دوسروں کو دھکے دینا ہرگز صحیح نہیں، ایسی صورت میں حکم یہ ہے  
کہ چھڑی سے اسے چھو کر چھڑی کو بوسہ دے، لیکن اگر یہ بھی دشوار ہو، اور علی العموم حج  
کے موقع پر یہ دشوار رہتا ہے، تو بس دور سے حجر اسود کی طرف توجہ کرنا یعنی اپنے ہاتھ  
ہتھیلیوں کی طرف سے دکھانا، اور انھیں بوسہ دے لینا اور اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کہہ  
دینا اور درود پڑھنا بالکل کافی ہے، طواف کی نیت کے لئے یہ الفاظ منقول و ماثور  
ہیں، اللھم اے یہ طواف بیت اللہ فی سبیل اللہ ہے، مقبلہ معنی اور اس کے بعد عام معمول  
ان دعائوں کا ہے، بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا  
اللھم ہذا البیت بیتک وھذا الحرم محرمک وھذا الامن امنک وھذا مقام  
العالمین بت من الناس اعوذ بک من الناس فامن فی منہا، اللھم انی اعوذ بک من  
الشریک والشرک والفتاق والفتاق وسوء الاخلاقی وسوء المقلب فی المال  
والاھل والولد، اللھم اجعلہ حجاً مبروراً وسیئاً مشکوراً واذنباً مغفوراً، وینجی  
لن تبوسہ یا عنیز یا غفور، اللھم انی اعوذ بک من الکفر والعزوبت من الغفر

کی تلاوت کر رہے ہیں،

نماز سے فارغ ہوتے ہی خانہ کعبہ کے طواف کے لئے بڑھے، خانہ کعبہ وسط  
 صحن میں واقع ہے، ایک سیاہ رنگ کا، سیاہ غلاف کے اندر عظیم الشان کمرہ طول تقریباً  
 ۵۰ فٹ، عرض ۲۰ فٹ، اور بلندی ۸۰، ۸۱ فٹ اس کے چاروں طرف چکر لگانے  
 کو ایک گول راستہ بنا ہوا، اسی حلقہ کو مطاف کہتے ہیں، اور کسی کے گھر کے شیدائی  
 گھر والے کی زیارت کے مست و دیوانے، اسی پر گھوم گھوم کر اپنے دل کے ارمان  
 پورے کرتے رہتے ہیں، ہر چکر کو ایک شوط کہتے ہیں، اور ہر طواف میں سات شوط  
 ہونا چاہئیں، ہر چکر حجر اسود کے سامنے سے شروع ہوتا ہے، اور یہیں ختم ہوتا ہے پھر  
 وہ شہر پتھر ہے، جو خانہ کعبہ کی اس دیوار میں جھردروازہ ہے، زمین سے چار فٹ کی  
 بلندی پر لگا ہوا ہے، طواف کا طریقہ یہ ہے، کہ حجر اسود کے محاذ میں کھڑا ہو کر، نماز کی  
 تکبیر تحریمہ کی طرح، دونوں ہاتھ اٹھا کر کان تک لیجائے، اور تکبیر و تہلیل کے بعد ہاتھ  
 چھوڑ دے، اور دل سے طواف بیت کی نیت کر کے مطاف پر اس طرح چلنا شروع  
 کرے کہ خانہ کعبہ ہمیشہ بائیں ہاتھ کی طرف رہے، فقہ حنفی میں سات شوطوں میں سے  
 چار فرض ہیں، باقی واجب، طواف با وضو کرنا چاہئے، حالت طواف میں اگر نماز  
 شروع ہو جائے، تو چاہئے کہ طواف چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے، اور بقیہ طواف  
 بعد نماز پورا کرے، طواف کے ساتھ چکر وں میں سے پہلے تین چکر وں میں مردوں  
 کے لئے اضطباع اور نعل کا حکم ہے، اضطباع کا مفہوم یہ ہے، کہ داہنا شانہ کھول کر  
 احرام کی چادر کو داہنی نعل کے نیچے سے لاکر بائیں شانہ پر ڈال لے، اور نعل کے



سے زائد بیان کیا جاتا ہے، چاروں طرف بڑے بڑے وسیع نواح و عالیشان دالان اس کے علاوہ ہیں، دروازے متعدد ہیں، زبانی تو وہ ان اکتالیس دروازے سننے میں آئے تھے، مگر کتابوں میں نام صرف سترہ کے نظر پڑے، سترہ سے چھ ہیں، اور چھوٹے بڑے گنبدوں کی تعداد غالباً ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے، دالانوں سے خانہ کعبہ تک پہنچنے کے لئے صحن میں متعدد روشن یا سرکین تھرکی، چھ چھ ساڑھے چھ چھ فٹ جوڑی بنی ہوئی ہیں، ان کی تعداد بھی دس بارہ سے کیا کم ہوگی، صحن میں عموماً چھوٹی لنگریاں بھی ہوئی ہیں، اس لئے خانہ کعبہ تک پہنچنے کے لئے ان سرکوں سے کام لینا ہوتا ہے، وہ وقت یہ تھرکی روشن خوب جل اٹھتی ہیں، بیرون کو اس تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لئے سفید ہلکی سلیرین، جو بیٹی میں بھی اور کمہ میں بھی خاص اسی غرض کے لئے ملتی ہیں، لے لینا مناسب ہوتا ہے، اپنے گھر سے حرم تک اپنا سہولی جوتا پہنے ہوئے آئے، اور حرم کے اندر اگر اس مخصوص سلیر کو پہن لیا جائے، تو پیر تکلیف سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے، بجلی کی روشنی سارے حرم کے اندر ہوتی ہے، صحن میں جا بجا بجلی کے قمقمے صندوقوں میں لگے ہوئے، یہ وہی مسجد ہے جہاں کی ایک رکعت نماز کہیں اور کی ایک لاکھ رکعتوں کے برابر رکھتی ہے! اس وسعت کرم و رحمت کا کچھ ٹھکانا ہی ایسی مسجد گویا اصل ہے، اور ساری دنیا کی مسجدیں گویا اسی کی نقل، یہاں کی نمازوں، اور یہاں کے نمازیوں کا کیا پوچھنا، جدھر نظر اٹھائے ہر طرف نماز ہی نماز ہے، اور نمازی ہی نمازی، صحن میں چار چھوٹی چھوٹی عمارتیں مصلیٰ حقیقی، مصلیٰ شافعی، مصلیٰ مالکی، مصلیٰ حنبلی کے نام سے بنی ہوئی ہیں، لیکن یہ کچھ ضرور نہیں، کہ ہر مصلیٰ پر خاص اسی فرقہ کے لوگ نماز پڑھیں، جس کا جہان جی چاہے، آزادوں کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہے، جا بجا لوگ کلام



طرف کش ہو! جس گھر کے جو آدمین یہ محبت یہ محبوبیت یہ کش ہو تو خود اس گھر کی کشش اور محبوبیت کو کہن لفظوں میں ادا کیا جائے! دعا کے لئے اجابت خود استقبال کو آئی، دعا قبول ہوئی، اور ایسی قبول ہوئی کہ ابراہیم والے اور یسوع والے محمد والے اور رب محمد والے نواگ رہے، کلکتہ اور بمبئی والے دہلی والے اور شکارپور والے کشمیر اور مسوری والے، نئی تال اور دارجلنگ والے، آکسفرڈ اور کیمبرج والے، لندن اور پیرس والے آج ذنگ و حیران ہیں، اور شمال اور جنوب سے شرق سے اور غرب سے خشکی اور نرمی سے ایل سے اور جہاز سے، موٹر سے اور اونٹ سے ہزاروں اور لاکھوں مرد و عورت بوڑھے اور جوان، ادھیڑ اور بچے ہیں کہ ٹڈی دل کی طرح اسڈٹے چلے آتے ہیں!

جس گھر کی محبوبیت اور جاذبیت، گھر کے نافرمانوں اور باغیوں تک کی نظر میں ہو تو گھر کے مالک کے خداموں اور حلقہ گوشوں کے دلوں کی کیفیت اس کے متعلق کیا ہوگی! حرم کے اندر داخل ہوتے ہی اور کتبہ مطہر پر نظر پڑتے ہی نہ پوچھے کہ دل کی کیا کیفیت ہوئی، پہلے اس وقت کیا دعا پڑھائی، یہ تو یاد نہیں اور کوئی دعا پڑھائی بھی تھی یا نہیں، یہ بھی اب پوری طرح حافظہ میں نہیں۔ اس وقت اتنا ہوش اور اتنا دماغ کسے تھا۔ البتہ یہ خوب یاد ہو کہ اس جہاں مجسم پر نظر پڑتے ہی بے اختیاری کے عالم میں میا خشکی کے ساتھ جو دعا زبان پر آئی، وہ بے حس و کتاب اپنی آمرزش و مغفرت کی دعا تھی، خود غرضی کا یہ عالم کہ مٹا اس وقت کوئی دوسرا یاد نہیں پڑا، میدان حشر کی طرح صرف نفسی نفسی زبان پر تھا، اور سب سے پہلے صرف اپنے ہی حق میں دعا نکلی، مگر چند ہی لمحوں کے بعد اپنے والے بھی یاد پڑے

اور روشنیالی کے زمانہ میں کیا حال ہو؟ کتنے امریکی اور کتنے افریقی، کتنے برطانوی اور کتنے اطالوی کتنے جرمن اور کتنے فریج، اس تمنا اور اس آرزو میں رہتے ہیں اور کس کس طرح بھیس بدل بدل کر وضع و قطع، نام و قومیت تبدیل کر کر کے، جھوٹے مسلمان، اور چلی عرب بن بن کر اس گھر کے دیدار کو آتے رہتے ہیں!

اور اس مرحبت پر اس محبوبیت پر حیرت کیوں کیجئے، آخر یہ دعا کس مقبول و برگزیدہ کس چہیتے اور محبوب بندہ کی زبان سے نکلی تھی، سب اجعلیٰ ہذا البلد آمناً و اجنبی و بنی ان نعیدک لاصنام..... رہنا زنی اسکت من ذریقی بواجہ غیر ذی نہرج عند بیتک الحمد ربنا لیتقیوا الصلوٰۃ فاجعل انشدۃ من الناس تہوی (ایہم و اسرہم قہم من اللہ ان لعلہم شکر و ن، ساری دنیا کو چھوڑیئے، صرف اتنے ٹکڑے کو لیجئے فاجعل انشدۃ من الناس تہوی (ایہم و اسرہم قہم من اللہ ان لعلہم شکر و ن، ساری دنیا کو کے دلون میں اس وادی ذی زرع میں بسنے والوں کی طرف اس بے آب و گیاہ سرزمین میں ڈیرے جانے والوں کی طرف اپنے اس پاک و پاکیزہ گھر کے جوار میں وطن بنانے والوں کی طرف رغبت و کشش پیدا کر دے، دعا کس نے کرائی تھی؟ دعا کے الفاظ کس کے تعلیم کئے ہوئے تھے؟ دعا کے لفظ خلیل اللہ کی زبان سے ادا ہوئے لیکن دعا کا الفا کمان سے ہوا تھا؟ جس نے دعا سکھائی، اسی نے دعا قبول بھی کی اور جو سب کے دلون کا مالک اور حاکم ہو، اسی نے دلون میں رغبت اور کشش پیدا کر دی اور پھر مکین کی نظر میں اپنے مکان کی عظمت ذرا دیکھنا، دعائیں یہ نہیں کہلا یا جاتا کہ اس گھر کی طرف کشش ہو، بلکہ صرف یہ کہ اس گھر کے آس پاس بسنے والوں کی

دینا کا نظم و نظام، امن و امان، اسی ایک پیاری عمارت سے وابستہ، قیاماً لکھنؤ  
 اسی کی شان میں وارد، دینا اس دم تک قائم، جب تک یہ شرف و عزت والا گھر  
 اور اس کا طواف قائم ہو، اور جس وقت یہ ڈھلایا گیا، اس کے بعد نہ کوئی مکان  
 باقی رہے گا، نہ کمین، ولا تقو مریحاً حتی لا یج (البیت،

رفعت مرتبہ و جلالت قدر کا یہ حال، لیکن اسے چھوڑیے، کہ یہ تو سب کو مسلم  
 ہے، اور اس میں کسی کو کام ہی نہیں، یہاں ذکر کمال کا نہیں مجال کا تھا، اور گفتگو  
 بیت خلیل و بیت رب علیل کی عظمت و بزرگی کے باب میں نہیں، بلکہ اس کی  
 دلآویزی و محبوبی کے باب میں ہو رہی تھی، شیخ فرید الدین عطار اپنے تذکرۃ الاولیاء  
 میں، حضرت عبداللہ بن مبارک کی زبان سے یہ روایت نقل کرتے ہیں، کہ ایک مرتبہ  
 میں کہہ میں تھا دیکھا کہ ایک حسین نوجوان خانہ کعبہ تک پہنچنا چاہتا ہے، اسے نہیں  
 ہو کر گر پڑا، میں اُس کے پاس ایک کرپو بچا، دیکھا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے،  
 میں نے ماجرا پوچھا، تو کہا کہ میں نصرانی ہوں، چاہتا تھا کہ کعبہ کے حسن و جمال کا  
 چل کر شاہہ گردن، جو نہ ہی یہاں پہنچا، غیب سے کان میں آواز آئی، خلیل  
 بیت الحبیب و فی تعلیم معادات الحبیب دوست کے گھر میں قدم رکھ رہا ہے  
 اور دل میں دوست کی دشمنی لے ہوئے ہے؟ اللہ اللہ! حسن و جمال کی یہ کشش!  
 منکر و نیک کو یہ شوق دیدار وہ جو کمال کے منکر ہیں، جمال کا انکار ان سے نہ  
 بن پڑا! — عبداللہ بن مبارک کی روایت چھوڑیے، اسے سیکرٹون  
 برس کا زمانہ ہو چکا، اپنے زمانہ کو دیکھیے، آج اس بیسویں صدی میں اس ہنسی

## باب ۳۳

### حریم قدس

کلام پاک میں ایک جگہ جہان جنت سے ابلیس کے نکالے جانے کا قصہ مذکور ہے ابلیس کی زبان سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں، لا تعدن لہو مصری (طگ المستقیم یعنی میں تیرے بندوں کی راہ مارنے کے لئے، تیری سیدھی راہ میں بیٹھوں گا، ظاہر ہے کہ صراط مستقیم یہاں اپنے عام و وسیع معنی میں آیا ہے، یعنی ہر نیک کام، ہر غذائی راہ اور مفسرین نے یہی معنی لئے ہیں، لیکن ابن جریر، ابن کثیر، حازن وغیرہ میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ اس صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے مراد مکہ اور حج بیت اللہ کی راہ ہے، تابعین میں عون بن عبد اللہ اسی کے قائل ہوئے ہیں، اور امام غزالی نے احوال العلوم میں بھی یہ قول نقل کیا ہے، یہ ہے بیت اللہ کی اہمیت، شیطان تک نے اللہ کی اصلی راہ اور حقیقی صراط مستقیم اسی کو سمجھا، اور اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے جب بیٹھا، تو بیت اللہ ہی کے مسافروں کی راہ میں بیٹھا، شیطان سے بڑھکر راز شناس اور کون ہے، خود مردود ہے، لیکن یہ تو خوب جانے اور پہچانے ہوئے ہے کہ مقبولیت کا راستہ کیا ہے، اور مقبولوں کی راہ کون سی ہے؟

تنہا حجاز کا نہیں، محض ملک عرب کا نہیں، صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ساری

ہے کہ جو بصیرت سے محروم، اور بصارت کا ضیعت ہو، اس تک نے دیکھا! شاید امام غزالی  
 ہی نے یا کسی اور بزرگ نے فرمایا ہو کہ آج جن آنکھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی  
 ہو، کل اُن میں اتنی قوت و استعداد پیدا کر دی جائیگی کہ وہ رب کعبہ کا بھی دیدار کر سکیں  
 اس مرتبہ اور اس اکرام کا کیا کتنا، لیکن اس مرتبہ کی توقع تو وہ کرے، جو خود ذمہ  
 ہی ہم جیسے در ماندون اور زبون ہمتوں کے لئے، لیکن کو چھوڑ کر مکان ہی کا دیدار  
 بجائے خود کیا کم ہو! روایات میں آیا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر کرنا ایک مستقل عبادت ہے، اور  
 شاید کسی حدیث میں یہ تصریح بھی آئی ہو کہ کعبہ پر روزانہ ایک سو میں رحمتوں کا نزول  
 ہوتا رہتا ہے، زمین سے ساٹھ اُن کے لئے ہیں، جو اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں، اور چالیس  
 ان کے لئے جو اس کا طواف کرتے ہیں، اور میں اُن کے لئے جو اس کی طرف دیکھتے رہتے  
 ہیں، لیکن اجر و عبادت سے قطع نظر کر کے اپنے ذوق و شوق اور دلولہ کے لحاظ سے  
 کون دل ایسا ہو، جو ہوس دیدار سے خالی اور حرص و نظارہ سے کورا ہوگا؟ ہی تیاب کہ کچھ  
 اور پور دیکھے، دس بار دیکھے، سو بار دیکھے، ہزار بار دیکھے، دیکھتے رہے، اور دیکھے جائے،  
 اور دیکھنے سے کبھی نہ تھکے! ع

نظارہ ز جہنیدین مرگان گلہ دارو!

شہادت و قربت کے لئے ہونے پہلو ہون کی خوشنویسین پہلی درود ہی پہلی آبر ہی عین :  
 پریم کی غلت اسٹیل کی فداکاری، باجور کی سکینیت، اندا کبر جہان یہ قیون اکھا ہون  
 انوار نہرو ہمالی کی تجلیات اس ٹھکانے سے بڑھ کر وہ کہاں ہوگی، رب نہ قلب  
 کو خطراب ہی نہ طبیعت میں انتشار، نہ خون نہ دہشت، نہ لب نہ ہیبت، سر پہ چھوٹ  
 بت، اور نمناط سرور ہی در نشا طہ میں دخلہ بان اسٹا کی تفسیر میں بہت سی پرچی تھیں  
 لیکن جو تفسیر اس پوری بے خبر کسی کتاب و عبارت کے قوط کے موجب قلب پر انداز ہو  
 تھی، وہ بہت اگ، بہت فزائی، بہت عجیب تھی، اور آواز فاش کوئی کی جاؤت پہا  
 تو اپنے حق میں سب بقول و مکتوب تفسیر دن سے بڑھ کر صحیح بھی تھی :۔

وہ حصہ روسے وانظر کن

نسترد غزل و کتاب تاکے ؟

غزائی، احیاء العلوم میں کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کعبہ کا حشر بنایا ہوگا، کی بولی  
 نئی دلوں کی شکل میں ہوگا، لیکن یہ قید اس روز کے لئے کیوں، اور اس کے مشاہدہ  
 کے لئے قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت ہے؟ قسم ہے غالب کعبہ کے رب کی کہ کعبہ آج  
 بھی نئی دلوں کی طرح حسن و جمال، رعنائی و زیبائی، دلکشی و دلبری کے طور  
 ساز و سامان سے آراستہ ہے، اور اپنی غزلی و مجذوبی میں بحرِ خندینہ کی سجدہ نبوی کے نہ  
 کوئی شریک کھتا ہے، نہ میم، اسے مجذوبیت کے جامہ میں، حسن و جمال کی جلمہ اداؤں  
 کے ساتھ اسی عالمِ ناموت میں کس نے نہیں دیکھا؟ حیران نے دیکھا، صدیقوں نے  
 دیکھا، کالوں نے دیکھا، عارفوں نے دیکھا، آنکھیں رکھنے والوں نے دیکھا، اور انتہا پر



پر اپنی ناپاک پشیمانی کو کیونکر رکڑا جائیگا؟ اس غفلت و جہالت والے مکان کے طواف پر کیسے قدرت ہوگی؟ جن گلیوں میں ہاجرہ صدیقہ دوڑی تھیں، بنی کی ماں ابد بنی کی بیوی دوڑی تھیں، وہاں اس تنگ امت سے سنی کیونکر بن پڑے گی،

لیجئے مسجد حرام کی چار دیواری شروع ہو گئی، کئی دروازے چھوڑتے ہوئے ہم لوگ باب السلام سے اندر داخل ہوئے، در داخلہ کے لئے یہی دروازہ سب سے بہتر مانا گیا ہے، کس کے اندر داخل ہوئے؟ اس ارض پاک کے اندر اس بقعہ نور کے اندر جہان کی ایک نماز، ایک لاکھ، یا کم از کم ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے! اندر داخل ہوتے ہی نگاہ اس میاہ غلات والی عمارت پر پڑی، جسے خشکی اور تری میں نہ ساکنے والے نے، زمین و آسمان، عرش و کرسی کی سمائی میں نہ آنے والے نے، وہم و خیال کی وسعت میں نہ گھرنے والے نے، اپنا گھر، کمکر، بچا رہو! اور نگاہ پڑتے ہی جہان پڑی تھی، وہیں جم کر رہ گئی! اس گھڑی کی کیفیت کیا! اور کن لفظوں میں بیان ہو! کہتے ہیں، کہ موسیٰ کلیم مکے ہوش و حواس کسی کی ایک تجلی کی تاب نہ لاسکے تھے، جب تجلی بیت کا یہ حال ہو کہ ہوش و حواس قائم رکھنے دشوار تو "رب البیت" کی تجلی نے خدا معلوم کیا غضب ڈھایا ہو گا! جب گھڑی برق پاشیوں کا یہ عالم ہو، تو گھر والے کے انوار و تجلیات کی تاب کون بشری آنکھ اور انسانی بصارت لاسکتی ہے؟ اللہ اللہ! کیا حسن و جمال، کیا رعنائی و زیبائی، کیا خوبی و محبوبی، کیا دلکشی و دلبری ہی! جن لوگوں نے قہر و جلال کی تجلی گاہ بتایا ہے، خدا معلوم انھوں نے کیا، اور کس عالم میں دیکھا، اپنا تو یہ حال تھا، کہ سر تا پا ہر و جمال ہی ٹپکتا نظر آتا تھا، اور ہر چار طرف سے رفیع و

کامیاب آستانہ یہ ناپاک قدم کس پاک سرزمین کو درہے ہیں؟  
 آذیہ گلیان تو تیرے اس خلیل کے قدموں کے اذیت تھیں جو تیرے نام پر دقت ہوئی  
 آگ میں کودا تھا، اور جو بخش تیرا شمار کیا کہ پٹے پٹے دھڑے نوے شوب کے خاتمہ پر چوسی  
 پیمبر بچا تھا، اس کم سن لڑکے کے اذیت تھیں جو بخش تیری دنیا کے سب بٹھا دیا  
 بے قصور اپنے ذبح کرنے کو ملحق سات لڑکے ہنسی خوشی ایٹ گیا تھا تیرے ہی  
 حبیب اور محبوب بندہ کے اذیت تھیں جو تیرے نام اور تیرے پیغام کی منادی کرنے  
 کے جرم میں انہیں گلیوں میں مارا مارا ہر لڑکے کی، یزائیں سستا اور اذیتیں بٹھا  
 کر مارا تھا:

سننے چلے آئے تھے اور کتا بون میں بھی بار بار پڑھا تھا کہ کعبہ شکنی کا وہ بدلہ  
 یہاں تجلیات قہری کا زور ہو، روایتوں کا اثر دل میں بیٹھا ہوا تھا، حبیب و دوست  
 کا غلبہ تھا، محبت بار بار جواب دیر ہی تھی، اور دل یہ کہہ رہا تھا کہ سامنا کیونکر کیا  
 جائیگا؟ زمین کی زبان سے یہ عزم بار بار سنا تھا کہ

تو مرا خراب کر دی ہیں سجدہ رانی!

دل کھٹک رہا ہے، ذرا کان لگا کر سننا کہیں یہ ندا اس وقت اسی سجدہ گرم کی سرزمین  
 سے تو نہیں آرہی ہے؟ شاعری کی دنیا میں بار بار یہ آواز کا نونین پڑ چکی تھی،

چو بطون کعبہ رقت مجرم رہم ندا دند،

تو برون در چہ کردی کہ درون غافل کی!

کیا آج اور اس وقت یہ شاعری حقیقت بنکر رہے گی؟ یا اللہ اس پاک زمین

دو پاخانے، اگر ہم سب مرد ہی مرد ہوتے، تو اتنی گنجائش بہت کافی تھی، لیکن ہم سولہ آدمیوں میں سات عورتیں تھیں، اور وہ بھی سب ایک خاندان کی نہیں کہ سب مردوں کے سامنے آسکیں، بلکہ تین یا چار مختلف خاندانوں کی، پردہ کے اہتمام میں سخت دقتیں، شدید گرمی کا موسم، صحن کا نام نہیں، برآمدہ بھی ہوا دار نہیں، بلکہ دیواروں سے گھرا ہوا، چلپٹا ناگزیر تھی، لیکن انسان کے اختیار میں آرام و آسائش کا جو درجہ ممکن تھا، اس کے ہم پہنچانے میں داروغہ صیب اللہ نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، انھیں سیکڑوں ہمانوں کو سنبھالنا تھا، لیکن پیچھے ہنسی خوشی سب کی خدمت میں لگے رہتے، متعدد موقعے ایسے بھی آئے، کہ ان کا ناخوش ہو جانا بالکل واپسی تھا، لیکن کبھی ان کے جبین تحمل پر شکن پڑتے نہیں دیکھی گئی۔

اباب رکھتے رکھتے عصر کا اول وقت گذر کر اوسط وقت شروع ہو گیا، جلدی جلدی تازہ وضو کر کے، جامہ احرام میں ملبوس، اپنے معلم کی رہنمائی میں حرم کو روانہ ہوئے، فاصلہ کچھ بہت زائد نہیں، کوئی تین فرلانگ ہو گا، چند منٹ میں پہنچ گئے ہونگے، مگر نہ پوچھئے، کہ یہ چند منٹ اس وقت کے گھنٹے معلوم ہوئے، اذیان پر لبیک لبیک ہی، معلم صاحب شاید کچھ اور دعائیں بھی پڑھاتے جا رہے ہیں، لیکن دل کیا کہہ سکتا ہے؟ کون سی تمنا ہے، جو اس وقت دل میں نہیں، تمناؤں کا ہجوم، آرزوؤں کی کشش، اور پھر ہیبت و دہشت، کہ کس دربار میں حاضری ہو رہی ہے، دل ہی کہ ہر لحظہ اس کی دہشت بڑھتی جا رہی ہے، اور قدم ہیں، کہ ہر قدم پر بھاری ہوتے جا رہے ہیں، کہاں کسی سیدہ کار کی حمین، اور کہاں کسی بے مکان و بے نشان



شام کے، مصر کے، اناطولیہ کے، فلسطین کے، کردستان کے، سوڈان کے، اطرابلس کے،  
مراکش کے، زنجبار کے، حبشہ کے، یونس کے، ایران کے، افغانستان کے، بلوچستان کے،  
بھارت کے، ترکستان کے، چین کے، جاوا کے، برہما کے، سیلون کے، بنگالہ کے، پنجاب کے،  
سندھ کے، گجرات کے، بہار کے، مالابار کے، ممبئی کے، دکن کے، دہلی کے، لکھنؤ کے، اور  
خدا معلوم دنیا کے کن کن گوشوں کے رہنے والے اور دوسے زمین کے کن کن حصوں  
کے بسنے والے من کل فی عین کی تفسیر کا مشاہدہ کرانے کو موجود۔

بیرون شہر کا حصہ جب تک طے ہوتا رہا، غنیمت رہا، شہر کے اندر داخل ہوتے  
ہی ہجوم کی بھی زیادتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ جب اس موڑ پر پہنچے جہاں  
سے محلہ سفلہ کے حدود شروع ہوتے ہیں، تو اونٹوں اور انسانوں کی وہ چپقلش  
تھی کہ راستہ لٹا کسی طرح آسان نہ تھا، عصر کا وقت شروع ہو چکا تھا، ادھر یہ غلٹ  
کہ منزل پر جلدی سے پہنچنا، اسباب رکھ رکھا، کسی طرح حرم تک جا پہنچیں،  
اور ادھر ہجوم ہی کہ راستہ کو ناقابلِ گزر بنائے ہوئے ہے، ہٹی کے جانے کا مسنون  
وقت، ۷ ذی الحجہ کی صبح ہی، اور عرفات تو وری دوپہر تک پہنچنا چاہئے، لیکن  
جلد بازوں اور منتِ رسولؐ سے بے پروائی برتنے والوں نے سیکڑوں ہزاروں  
کی تعداد میں، آج ۷ ذی الحجہ ہی سے روانہ ہونا شروع کر دیا ہے، اور ان قافلہ  
نے راستہ کی چپقلش اور زیادہ بڑھا رکھی ہے، دو منٹ چار منٹ، دس منٹ، بیس  
منٹ، پورا ہے پر کھڑے کھڑے ایک مدت گزر گئی، اور سکندرِ معلوم جو راستہ کے صاف  
کرنے میں لگے ہوئے تھے، خود بھی کہیں غائب ہو گئے، ایک ایک منٹ بیماری

یہ خوب واضح رہنا چاہیے کہ ہر شخص کو ایسی سہولتیں میسر آجانا ممکن نہیں، عموماً حاجتوں کو اپنے ٹھہرنے کا سارا انتظام اپنے معلم ہی کی معرفت کرنا ہوتا ہے اور مکہ میں کرایہ مکان کے لئے ایک معقول رقم اپنے پاس رکھنا ضروری ہے،

آج سے خدا معلوم کے ہزار برس قبل، <sup>۱</sup> <sup>۲</sup> <sup>۳</sup> <sup>۴</sup> <sup>۵</sup> <sup>۶</sup> <sup>۷</sup> <sup>۸</sup> <sup>۹</sup> <sup>۱۰</sup> <sup>۱۱</sup> <sup>۱۲</sup> <sup>۱۳</sup> <sup>۱۴</sup> <sup>۱۵</sup> <sup>۱۶</sup> <sup>۱۷</sup> <sup>۱۸</sup> <sup>۱۹</sup> <sup>۲۰</sup> <sup>۲۱</sup> <sup>۲۲</sup> <sup>۲۳</sup> <sup>۲۴</sup> <sup>۲۵</sup> <sup>۲۶</sup> <sup>۲۷</sup> <sup>۲۸</sup> <sup>۲۹</sup> <sup>۳۰</sup> <sup>۳۱</sup> <sup>۳۲</sup> <sup>۳۳</sup> <sup>۳۴</sup> <sup>۳۵</sup> <sup>۳۶</sup> <sup>۳۷</sup> <sup>۳۸</sup> <sup>۳۹</sup> <sup>۴۰</sup> <sup>۴۱</sup> <sup>۴۲</sup> <sup>۴۳</sup> <sup>۴۴</sup> <sup>۴۵</sup> <sup>۴۶</sup> <sup>۴۷</sup> <sup>۴۸</sup> <sup>۴۹</sup> <sup>۵۰</sup> <sup>۵۱</sup> <sup>۵۲</sup> <sup>۵۳</sup> <sup>۵۴</sup> <sup>۵۵</sup> <sup>۵۶</sup> <sup>۵۷</sup> <sup>۵۸</sup> <sup>۵۹</sup> <sup>۶۰</sup> <sup>۶۱</sup> <sup>۶۲</sup> <sup>۶۳</sup> <sup>۶۴</sup> <sup>۶۵</sup> <sup>۶۶</sup> <sup>۶۷</sup> <sup>۶۸</sup> <sup>۶۹</sup> <sup>۷۰</sup> <sup>۷۱</sup> <sup>۷۲</sup> <sup>۷۳</sup> <sup>۷۴</sup> <sup>۷۵</sup> <sup>۷۶</sup> <sup>۷۷</sup> <sup>۷۸</sup> <sup>۷۹</sup> <sup>۸۰</sup> <sup>۸۱</sup> <sup>۸۲</sup> <sup>۸۳</sup> <sup>۸۴</sup> <sup>۸۵</sup> <sup>۸۶</sup> <sup>۸۷</sup> <sup>۸۸</sup> <sup>۸۹</sup> <sup>۹۰</sup> <sup>۹۱</sup> <sup>۹۲</sup> <sup>۹۳</sup> <sup>۹۴</sup> <sup>۹۵</sup> <sup>۹۶</sup> <sup>۹۷</sup> <sup>۹۸</sup> <sup>۹۹</sup> <sup>۱۰۰</sup> <sup>۱۰۱</sup> <sup>۱۰۲</sup> <sup>۱۰۳</sup> <sup>۱۰۴</sup> <sup>۱۰۵</sup> <sup>۱۰۶</sup> <sup>۱۰۷</sup> <sup>۱۰۸</sup> <sup>۱۰۹</sup> <sup>۱۱۰</sup> <sup>۱۱۱</sup> <sup>۱۱۲</sup> <sup>۱۱۳</sup> <sup>۱۱۴</sup> <sup>۱۱۵</sup> <sup>۱۱۶</sup> <sup>۱۱۷</sup> <sup>۱۱۸</sup> <sup>۱۱۹</sup> <sup>۱۲۰</sup> <sup>۱۲۱</sup> <sup>۱۲۲</sup> <sup>۱۲۳</sup> <sup>۱۲۴</sup> <sup>۱۲۵</sup> <sup>۱۲۶</sup> <sup>۱۲۷</sup> <sup>۱۲۸</sup> <sup>۱۲۹</sup> <sup>۱۳۰</sup> <sup>۱۳۱</sup> <sup>۱۳۲</sup> <sup>۱۳۳</sup> <sup>۱۳۴</sup> <sup>۱۳۵</sup> <sup>۱۳۶</sup> <sup>۱۳۷</sup> <sup>۱۳۸</sup> <sup>۱۳۹</sup> <sup>۱۴۰</sup> <sup>۱۴۱</sup> <sup>۱۴۲</sup> <sup>۱۴۳</sup> <sup>۱۴۴</sup> <sup>۱۴۵</sup> <sup>۱۴۶</sup> <sup>۱۴۷</sup> <sup>۱۴۸</sup> <sup>۱۴۹</sup> <sup>۱۵۰</sup> <sup>۱۵۱</sup> <sup>۱۵۲</sup> <sup>۱۵۳</sup> <sup>۱۵۴</sup> <sup>۱۵۵</sup> <sup>۱۵۶</sup> <sup>۱۵۷</sup> <sup>۱۵۸</sup> <sup>۱۵۹</sup> <sup>۱۶۰</sup> <sup>۱۶۱</sup> <sup>۱۶۲</sup> <sup>۱۶۳</sup> <sup>۱۶۴</sup> <sup>۱۶۵</sup> <sup>۱۶۶</sup> <sup>۱۶۷</sup> <sup>۱۶۸</sup> <sup>۱۶۹</sup> <sup>۱۷۰</sup> <sup>۱۷۱</sup> <sup>۱۷۲</sup> <sup>۱۷۳</sup> <sup>۱۷۴</sup> <sup>۱۷۵</sup> <sup>۱۷۶</sup> <sup>۱۷۷</sup> <sup>۱۷۸</sup> <sup>۱۷۹</sup> <sup>۱۸۰</sup> <sup>۱۸۱</sup> <sup>۱۸۲</sup> <sup>۱۸۳</sup> <sup>۱۸۴</sup> <sup>۱۸۵</sup> <sup>۱۸۶</sup> <sup>۱۸۷</sup> <sup>۱۸۸</sup> <sup>۱۸۹</sup> <sup>۱۹۰</sup> <sup>۱۹۱</sup> <sup>۱۹۲</sup> <sup>۱۹۳</sup> <sup>۱۹۴</sup> <sup>۱۹۵</sup> <sup>۱۹۶</sup> <sup>۱۹۷</sup> <sup>۱۹۸</sup> <sup>۱۹۹</sup> <sup>۲۰۰</sup> <sup>۲۰۱</sup> <sup>۲۰۲</sup> <sup>۲۰۳</sup> <sup>۲۰۴</sup> <sup>۲۰۵</sup> <sup>۲۰۶</sup> <sup>۲۰۷</sup> <sup>۲۰۸</sup> <sup>۲۰۹</sup> <sup>۲۱۰</sup> <sup>۲۱۱</sup> <sup>۲۱۲</sup> <sup>۲۱۳</sup> <sup>۲۱۴</sup> <sup>۲۱۵</sup> <sup>۲۱۶</sup> <sup>۲۱۷</sup> <sup>۲۱۸</sup> <sup>۲۱۹</sup> <sup>۲۲۰</sup> <sup>۲۲۱</sup> <sup>۲۲۲</sup> <sup>۲۲۳</sup> <sup>۲۲۴</sup> <sup>۲۲۵</sup> <sup>۲۲۶</sup> <sup>۲۲۷</sup> <sup>۲۲۸</sup> <sup>۲۲۹</sup> <sup>۲۳۰</sup> <sup>۲۳۱</sup> <sup>۲۳۲</sup> <sup>۲۳۳</sup> <sup>۲۳۴</sup> <sup>۲۳۵</sup> <sup>۲۳۶</sup> <sup>۲۳۷</sup> <sup>۲۳۸</sup> <sup>۲۳۹</sup> <sup>۲۴۰</sup> <sup>۲۴۱</sup> <sup>۲۴۲</sup> <sup>۲۴۳</sup> <sup>۲۴۴</sup> <sup>۲۴۵</sup> <sup>۲۴۶</sup> <sup>۲۴۷</sup> <sup>۲۴۸</sup> <sup>۲۴۹</sup> <sup>۲۵۰</sup> <sup>۲۵۱</sup> <sup>۲۵۲</sup> <sup>۲۵۳</sup> <sup>۲۵۴</sup> <sup>۲۵۵</sup> <sup>۲۵۶</sup> <sup>۲۵۷</sup> <sup>۲۵۸</sup> <sup>۲۵۹</sup> <sup>۲۶۰</sup> <sup>۲۶۱</sup> <sup>۲۶۲</sup> <sup>۲۶۳</sup> <sup>۲۶۴</sup> <sup>۲۶۵</sup> <sup>۲۶۶</sup> <sup>۲۶۷</sup> <sup>۲۶۸</sup> <sup>۲۶۹</sup> <sup>۲۷۰</sup> <sup>۲۷۱</sup> <sup>۲۷۲</sup> <sup>۲۷۳</sup> <sup>۲۷۴</sup> <sup>۲۷۵</sup> <sup>۲۷۶</sup> <sup>۲۷۷</sup> <sup>۲۷۸</sup> <sup>۲۷۹</sup> <sup>۲۸۰</sup> <sup>۲۸۱</sup> <sup>۲۸۲</sup> <sup>۲۸۳</sup> <sup>۲۸۴</sup> <sup>۲۸۵</sup> <sup>۲۸۶</sup> <sup>۲۸۷</sup> <sup>۲۸۸</sup> <sup>۲۸۹</sup> <sup>۲۹۰</sup> <sup>۲۹۱</sup> <sup>۲۹۲</sup> <sup>۲۹۳</sup> <sup>۲۹۴</sup> <sup>۲۹۵</sup> <sup>۲۹۶</sup> <sup>۲۹۷</sup> <sup>۲۹۸</sup> <sup>۲۹۹</sup> <sup>۳۰۰</sup> <sup>۳۰۱</sup> <sup>۳۰۲</sup> <sup>۳۰۳</sup> <sup>۳۰۴</sup> <sup>۳۰۵</sup> <sup>۳۰۶</sup> <sup>۳۰۷</sup> <sup>۳۰۸</sup> <sup>۳۰۹</sup> <sup>۳۱۰</sup> <sup>۳۱۱</sup> <sup>۳۱۲</sup> <sup>۳۱۳</sup> <sup>۳۱۴</sup> <sup>۳۱۵</sup> <sup>۳۱۶</sup> <sup>۳۱۷</sup> <sup>۳۱۸</sup> <sup>۳۱۹</sup> <sup>۳۲۰</sup> <sup>۳۲۱</sup> <sup>۳۲۲</sup> <sup>۳۲۳</sup> <sup>۳۲۴</sup> <sup>۳۲۵</sup> <sup>۳۲۶</sup> <sup>۳۲۷</sup> <sup>۳۲۸</sup> <sup>۳۲۹</sup> <sup>۳۳۰</sup> <sup>۳۳۱</sup> <sup>۳۳۲</sup> <sup>۳۳۳</sup> <sup>۳۳۴</sup> <sup>۳۳۵</sup> <sup>۳۳۶</sup> <sup>۳۳۷</sup> <sup>۳۳۸</sup> <sup>۳۳۹</sup> <sup>۳۴۰</sup> <sup>۳۴۱</sup> <sup>۳۴۲</sup> <sup>۳۴۳</sup> <sup>۳۴۴</sup> <sup>۳۴۵</sup> <sup>۳۴۶</sup> <sup>۳۴۷</sup> <sup>۳۴۸</sup> <sup>۳۴۹</sup> <sup>۳۵۰</sup> <sup>۳۵۱</sup> <sup>۳۵۲</sup> <sup>۳۵۳</sup> <sup>۳۵۴</sup> <sup>۳۵۵</sup> <sup>۳۵۶</sup> <sup>۳۵۷</sup> <sup>۳۵۸</sup> <sup>۳۵۹</sup> <sup>۳۶۰</sup> <sup>۳۶۱</sup> <sup>۳۶۲</sup> <sup>۳۶۳</sup> <sup>۳۶۴</sup> <sup>۳۶۵</sup> <sup>۳۶۶</sup> <sup>۳۶۷</sup> <sup>۳۶۸</sup> <sup>۳۶۹</sup> <sup>۳۷۰</sup> <sup>۳۷۱</sup> <sup>۳۷۲</sup> <sup>۳۷۳</sup> <sup>۳۷۴</sup> <sup>۳۷۵</sup> <sup>۳۷۶</sup> <sup>۳۷۷</sup> <sup>۳۷۸</sup> <sup>۳۷۹</sup> <sup>۳۸۰</sup> <sup>۳۸۱</sup> <sup>۳۸۲</sup> <sup>۳۸۳</sup> <sup>۳۸۴</sup> <sup>۳۸۵</sup> <sup>۳۸۶</sup> <sup>۳۸۷</sup> <sup>۳۸۸</sup> <sup>۳۸۹</sup> <sup>۳۹۰</sup> <sup>۳۹۱</sup> <sup>۳۹۲</sup> <sup>۳۹۳</sup> <sup>۳۹۴</sup> <sup>۳۹۵</sup> <sup>۳۹۶</sup> <sup>۳۹۷</sup> <sup>۳۹۸</sup> <sup>۳۹۹</sup> <sup>۴۰۰</sup> <sup>۴۰۱</sup> <sup>۴۰۲</sup> <sup>۴۰۳</sup> <sup>۴۰۴</sup> <sup>۴۰۵</sup> <sup>۴۰۶</sup> <sup>۴۰۷</sup> <sup>۴۰۸</sup> <sup>۴۰۹</sup> <sup>۴۱۰</sup> <sup>۴۱۱</sup> <sup>۴۱۲</sup> <sup>۴۱۳</sup> <sup>۴۱۴</sup> <sup>۴۱۵</sup> <sup>۴۱۶</sup> <sup>۴۱۷</sup> <sup>۴۱۸</sup> <sup>۴۱۹</sup> <sup>۴۲۰</sup> <sup>۴۲۱</sup> <sup>۴۲۲</sup> <sup>۴۲۳</sup> <sup>۴۲۴</sup> <sup>۴۲۵</sup> <sup>۴۲۶</sup> <sup>۴۲۷</sup> <sup>۴۲۸</sup> <sup>۴۲۹</sup> <sup>۴۳۰</sup> <sup>۴۳۱</sup> <sup>۴۳۲</sup> <sup>۴۳۳</sup> <sup>۴۳۴</sup> <sup>۴۳۵</sup> <sup>۴۳۶</sup> <sup>۴۳۷</sup> <sup>۴۳۸</sup> <sup>۴۳۹</sup> <sup>۴۴۰</sup> <sup>۴۴۱</sup> <sup>۴۴۲</sup> <sup>۴۴۳</sup> <sup>۴۴۴</sup> <sup>۴۴۵</sup> <sup>۴۴۶</sup> <sup>۴۴۷</sup> <sup>۴۴۸</sup> <sup>۴۴۹</sup> <sup>۴۵۰</sup> <sup>۴۵۱</sup> <sup>۴۵۲</sup> <sup>۴۵۳</sup> <sup>۴۵۴</sup> <sup>۴۵۵</sup> <sup>۴۵۶</sup> <sup>۴۵۷</sup> <sup>۴۵۸</sup> <sup>۴۵۹</sup> <sup>۴۶۰</sup> <sup>۴۶۱</sup> <sup>۴۶۲</sup> <sup>۴۶۳</sup> <sup>۴۶۴</sup> <sup>۴۶۵</sup> <sup>۴۶۶</sup> <sup>۴۶۷</sup> <sup>۴۶۸</sup> <sup>۴۶۹</sup> <sup>۴۷۰</sup> <sup>۴۷۱</sup> <sup>۴۷۲</sup> <sup>۴۷۳</sup> <sup>۴۷۴</sup> <sup>۴۷۵</sup> <sup>۴۷۶</sup> <sup>۴۷۷</sup> <sup>۴۷۸</sup> <sup>۴۷۹</sup> <sup>۴۸۰</sup> <sup>۴۸۱</sup> <sup>۴۸۲</sup> <sup>۴۸۳</sup> <sup>۴۸۴</sup> <sup>۴۸۵</sup> <sup>۴۸۶</sup> <sup>۴۸۷</sup> <sup>۴۸۸</sup> <sup>۴۸۹</sup> <sup>۴۹۰</sup> <sup>۴۹۱</sup> <sup>۴۹۲</sup> <sup>۴۹۳</sup> <sup>۴۹۴</sup> <sup>۴۹۵</sup> <sup>۴۹۶</sup> <sup>۴۹۷</sup> <sup>۴۹۸</sup> <sup>۴۹۹</sup> <sup>۵۰۰</sup> <sup>۵۰۱</sup> <sup>۵۰۲</sup> <sup>۵۰۳</sup> <sup>۵۰۴</sup> <sup>۵۰۵</sup> <sup>۵۰۶</sup> <sup>۵۰۷</sup> <sup>۵۰۸</sup> <sup>۵۰۹</sup> <sup>۵۱۰</sup> <sup>۵۱۱</sup> <sup>۵۱۲</sup> <sup>۵۱۳</sup> <sup>۵۱۴</sup> <sup>۵۱۵</sup> <sup>۵۱۶</sup> <sup>۵۱۷</sup> <sup>۵۱۸</sup> <sup>۵۱۹</sup> <sup>۵۲۰</sup> <sup>۵۲۱</sup> <sup>۵۲۲</sup> <sup>۵۲۳</sup> <sup>۵۲۴</sup> <sup>۵۲۵</sup> <sup>۵۲۶</sup> <sup>۵۲۷</sup> <sup>۵۲۸</sup> <sup>۵۲۹</sup> <sup>۵۳۰</sup> <sup>۵۳۱</sup> <sup>۵۳۲</sup> <sup>۵۳۳</sup> <sup>۵۳۴</sup> <sup>۵۳۵</sup> <sup>۵۳۶</sup> <sup>۵۳۷</sup> <sup>۵۳۸</sup> <sup>۵۳۹</sup> <sup>۵۴۰</sup> <sup>۵۴۱</sup> <sup>۵۴۲</sup> <sup>۵۴۳</sup> <sup>۵۴۴</sup> <sup>۵۴۵</sup> <sup>۵۴۶</sup> <sup>۵۴۷</sup> <sup>۵۴۸</sup> <sup>۵۴۹</sup> <sup>۵۵۰</sup> <sup>۵۵۱</sup> <sup>۵۵۲</sup> <sup>۵۵۳</sup> <sup>۵۵۴</sup> <sup>۵۵۵</sup> <sup>۵۵۶</sup> <sup>۵۵۷</sup> <sup>۵۵۸</sup> <sup>۵۵۹</sup> <sup>۵۶۰</sup> <sup>۵۶۱</sup> <sup>۵۶۲</sup> <sup>۵۶۳</sup> <sup>۵۶۴</sup> <sup>۵۶۵</sup> <sup>۵۶۶</sup> <sup>۵۶۷</sup> <sup>۵۶۸</sup> <sup>۵۶۹</sup> <sup>۵۷۰</sup> <sup>۵۷۱</sup> <sup>۵۷۲</sup> <sup>۵۷۳</sup> <sup>۵۷۴</sup> <sup>۵۷۵</sup> <sup>۵۷۶</sup> <sup>۵۷۷</sup> <sup>۵۷۸</sup> <sup>۵۷۹</sup> <sup>۵۸۰</sup> <sup>۵۸۱</sup> <sup>۵۸۲</sup> <sup>۵۸۳</sup> <sup>۵۸۴</sup> <sup>۵۸۵</sup> <sup>۵۸۶</sup> <sup>۵۸۷</sup> <sup>۵۸۸</sup> <sup>۵۸۹</sup> <sup>۵۹۰</sup> <sup>۵۹۱</sup> <sup>۵۹۲</sup> <sup>۵۹۳</sup> <sup>۵۹۴</sup> <sup>۵۹۵</sup> <sup>۵۹۶</sup> <sup>۵۹۷</sup> <sup>۵۹۸</sup> <sup>۵۹۹</sup> <sup>۶۰۰</sup> <sup>۶۰۱</sup> <sup>۶۰۲</sup> <sup>۶۰۳</sup> <sup>۶۰۴</sup> <sup>۶۰۵</sup> <sup>۶۰۶</sup> <sup>۶۰۷</sup> <sup>۶۰۸</sup> <sup>۶۰۹</sup> <sup>۶۱۰</sup> <sup>۶۱۱</sup> <sup>۶۱۲</sup> <sup>۶۱۳</sup> <sup>۶۱۴</sup> <sup>۶۱۵</sup> <sup>۶۱۶</sup> <sup>۶۱۷</sup> <sup>۶۱۸</sup> <sup>۶۱۹</sup> <sup>۶۲۰</sup> <sup>۶۲۱</sup> <sup>۶۲۲</sup> <sup>۶۲۳</sup> <sup>۶۲۴</sup> <sup>۶۲۵</sup> <sup>۶۲۶</sup> <sup>۶۲۷</sup> <sup>۶۲۸</sup> <sup>۶۲۹</sup> <sup>۶۳۰</sup> <sup>۶۳۱</sup> <sup>۶۳۲</sup> <sup>۶۳۳</sup> <sup>۶۳۴</sup> <sup>۶۳۵</sup> <sup>۶۳۶</sup> <sup>۶۳۷</sup> <sup>۶۳۸</sup> <sup>۶۳۹</sup> <sup>۶۴۰</sup> <sup>۶۴۱</sup> <sup>۶۴۲</sup> <sup>۶۴۳</sup> <sup>۶۴۴</sup> <sup>۶۴۵</sup> <sup>۶۴۶</sup> <sup>۶۴۷</sup> <sup>۶۴۸</sup> <sup>۶۴۹</sup> <sup>۶۵۰</sup> <sup>۶۵۱</sup> <sup>۶۵۲</sup> <sup>۶۵۳</sup> <sup>۶۵۴</sup> <sup>۶۵۵</sup> <sup>۶۵۶</sup> <sup>۶۵۷</sup> <sup>۶۵۸</sup> <sup>۶۵۹</sup> <sup>۶۶۰</sup> <sup>۶۶۱</sup> <sup>۶۶۲</sup> <sup>۶۶۳</sup> <sup>۶۶۴</sup> <sup>۶۶۵</sup> <sup>۶۶۶</sup> <sup>۶۶۷</sup> <sup>۶۶۸</sup> <sup>۶۶۹</sup> <sup>۶۷۰</sup> <sup>۶۷۱</sup> <sup>۶۷۲</sup> <sup>۶۷۳</sup> <sup>۶۷۴</sup> <sup>۶۷۵</sup> <sup>۶۷۶</sup> <sup>۶۷۷</sup> <sup>۶۷۸</sup> <sup>۶۷۹</sup> <sup>۶۸۰</sup> <sup>۶۸۱</sup> <sup>۶۸۲</sup> <sup>۶۸۳</sup> <sup>۶۸۴</sup> <sup>۶۸۵</sup> <sup>۶۸۶</sup> <sup>۶۸۷</sup> <sup>۶۸۸</sup> <sup>۶۸۹</sup> <sup>۶۹۰</sup> <sup>۶۹۱</sup> <sup>۶۹۲</sup> <sup>۶۹۳</sup> <sup>۶۹۴</sup> <sup>۶۹۵</sup> <sup>۶۹۶</sup> <sup>۶۹۷</sup> <sup>۶۹۸</sup> <sup>۶۹۹</sup> <sup>۷۰۰</sup> <sup>۷۰۱</sup> <sup>۷۰۲</sup> <sup>۷۰۳</sup> <sup>۷۰۴</sup> <sup>۷۰۵</sup> <sup>۷۰۶</sup> <sup>۷۰۷</sup> <sup>۷۰۸</sup> <sup>۷۰۹</sup> <sup>۷۱۰</sup> <sup>۷۱۱</sup> <sup>۷۱۲</sup> <sup>۷۱۳</sup> <sup>۷۱۴</sup> <sup>۷۱۵</sup> <sup>۷۱۶</sup> <sup>۷۱۷</sup> <sup>۷۱۸</sup> <sup>۷۱۹</sup> <sup>۷۲۰</sup> <sup>۷۲۱</sup> <sup>۷۲۲</sup> <sup>۷۲۳</sup> <sup>۷۲۴</sup> <sup>۷۲۵</sup> <sup>۷۲۶</sup> <sup>۷۲۷</sup> <sup>۷۲۸</sup> <sup>۷۲۹</sup> <sup>۷۳۰</sup> <sup>۷۳۱</sup> <sup>۷۳۲</sup> <sup>۷۳۳</sup> <sup>۷۳۴</sup> <sup>۷۳۵</sup> <sup>۷۳۶</sup> <sup>۷۳۷</sup> <sup>۷۳۸</sup> <sup>۷۳۹</sup> <sup>۷۴۰</sup> <sup>۷۴۱</sup> <sup>۷۴۲</sup> <sup>۷۴۳</sup> <sup>۷۴۴</sup> <sup>۷۴۵</sup> <sup>۷۴۶</sup> <sup>۷۴۷</sup> <sup>۷۴۸</sup> <sup>۷۴۹</sup> <sup>۷۵۰</sup> <sup>۷۵۱</sup> <sup>۷۵۲</sup> <sup>۷۵۳</sup> <sup>۷۵۴</sup> <sup>۷۵۵</sup> <sup>۷۵۶</sup> <sup>۷۵۷</sup> <sup>۷۵۸</sup> <sup>۷۵۹</sup> <sup>۷۶۰</sup> <sup>۷۶۱</sup> <sup>۷۶۲</sup> <sup>۷۶۳</sup> <sup>۷۶۴</sup> <sup>۷۶۵</sup> <sup>۷۶۶</sup> <sup>۷۶۷</sup> <sup>۷۶۸</sup> <sup>۷۶۹</sup> <sup>۷۷۰</sup> <sup>۷۷۱</sup> <sup>۷۷۲</sup> <sup>۷۷۳</sup> <sup>۷۷۴</sup> <sup>۷۷۵</sup> <sup>۷۷۶</sup> <sup>۷۷۷</sup> <sup>۷۷۸</sup> <sup>۷۷۹</sup> <sup>۷۸۰</sup> <sup>۷۸۱</sup> <sup>۷۸۲</sup> <sup>۷۸۳</sup> <sup>۷۸۴</sup> <sup>۷۸۵</sup> <sup>۷۸۶</sup> <sup>۷۸۷</sup> <sup>۷۸۸</sup> <sup>۷۸۹</sup> <sup>۷۹۰</sup> <sup>۷۹۱</sup> <sup>۷۹۲</sup> <sup>۷۹۳</sup> <sup>۷۹۴</sup> <sup>۷۹۵</sup> <sup>۷۹۶</sup> <sup>۷۹۷</sup> <sup>۷۹۸</sup> <sup>۷۹۹</sup> <sup>۸۰۰</sup> <sup>۸۰۱</sup> <sup>۸۰۲</sup> <sup>۸۰۳</sup> <sup>۸۰۴</sup> <sup>۸۰۵</sup> <sup>۸۰۶</sup> <sup>۸۰۷</sup> <sup>۸۰۸</sup> <sup>۸۰۹</sup> <sup>۸۱۰</sup> <sup>۸۱۱</sup> <sup>۸۱۲</sup> <sup>۸۱۳</sup> <sup>۸۱۴</sup> <sup>۸۱۵</sup> <sup>۸۱۶</sup> <sup>۸۱۷</sup> <sup>۸۱۸</sup> <sup>۸۱۹</sup> <sup>۸۲۰</sup> <sup>۸۲۱</sup> <sup>۸۲۲</sup> <sup>۸۲۳</sup> <sup>۸۲۴</sup> <sup>۸۲۵</sup> <sup>۸۲۶</sup> <sup>۸۲۷</sup> <sup>۸۲۸</sup> <sup>۸۲۹</sup> <sup>۸۳۰</sup> <sup>۸۳۱</sup> <sup>۸۳۲</sup> <sup>۸۳۳</sup> <sup>۸۳۴</sup> <sup>۸۳۵</sup> <sup>۸۳۶</sup> <sup>۸۳۷</sup> <sup>۸۳۸</sup> <sup>۸۳۹</sup> <sup>۸۴۰</sup> <sup>۸۴۱</sup> <sup>۸۴۲</sup> <sup>۸۴۳</sup> <sup>۸۴۴</sup> <sup>۸۴۵</sup> <sup>۸۴۶</sup> <sup>۸۴۷</sup> <sup>۸۴۸</sup> <sup>۸۴۹</sup> <sup>۸۵۰</sup> <sup>۸۵۱</sup> <sup>۸۵۲</sup> <sup>۸۵۳</sup> <sup>۸۵۴</sup> <sup>۸۵۵</sup> <sup>۸۵۶</sup> <sup>۸۵۷</sup> <sup>۸۵۸</sup> <sup>۸۵۹</sup> <sup>۸۶۰</sup> <sup>۸۶۱</sup> <sup>۸۶۲</sup> <sup>۸۶۳</sup> <sup>۸۶۴</sup> <sup>۸۶۵</sup> <sup>۸۶۶</sup> <sup>۸۶۷</sup> <sup>۸۶۸</sup> <sup>۸۶۹</sup> <sup>۸۷۰</sup> <sup>۸۷۱</sup> <sup>۸۷۲</sup> <sup>۸۷۳</sup> <sup>۸۷۴</sup> <sup>۸۷۵</sup> <sup>۸۷۶</sup> <sup>۸۷۷</sup> <sup>۸۷۸</sup> <sup>۸۷۹</sup> <sup>۸۸۰</sup> <sup>۸۸۱</sup> <sup>۸۸۲</sup> <sup>۸۸۳</sup> <sup>۸۸۴</sup> <sup>۸۸۵</sup> <sup>۸۸۶</sup> <sup>۸۸۷</sup> <sup>۸۸۸</sup> <sup>۸۸۹</sup> <sup>۸۹۰</sup> <sup>۸۹۱</sup> <sup>۸۹۲</sup> <sup>۸۹۳</sup> <sup>۸۹۴</sup> <sup>۸۹۵</sup> <sup>۸۹۶</sup> <sup>۸۹۷</sup> <sup>۸۹۸</sup> <sup>۸۹۹</sup> <sup>۹۰۰</sup> <sup>۹۰۱</sup> <sup>۹۰۲</sup> <sup>۹۰۳</sup> <sup>۹۰۴</sup> <sup>۹۰۵</sup> <sup>۹۰۶</sup> <sup>۹۰۷</sup> <sup>۹۰۸</sup> <sup>۹۰۹</sup> <sup>۹۱۰</sup> <sup>۹۱۱</sup> <sup>۹۱۲</sup> <sup>۹۱۳</sup> <sup>۹۱۴</sup> <sup>۹۱۵</sup> <sup>۹۱۶</sup> <sup>۹۱۷</sup> <sup>۹۱۸</sup> <sup>۹۱۹</sup> <sup>۹۲۰</sup> <sup>۹۲۱</sup> <sup>۹۲۲</sup> <sup>۹۲۳</sup> <sup>۹۲۴</sup> <sup>۹۲۵</sup> <sup>۹۲۶</sup> <sup>۹۲۷</sup> <sup>۹۲۸</sup> <sup>۹۲۹</sup> <sup>۹۳۰</sup> <sup>۹۳۱</sup> <sup>۹۳۲</sup> <sup>۹۳۳</sup> <sup>۹۳۴</sup> <sup>۹۳۵</sup> <sup>۹۳۶</sup> <sup>۹۳۷</sup> <sup>۹۳۸</sup> <sup>۹۳۹</sup> <sup>۹۴۰</sup> <sup>۹۴۱</sup> <sup>۹۴۲</sup> <sup>۹۴۳</sup> <sup>۹۴۴</sup> <sup>۹۴۵</sup> <sup>۹۴۶</sup> <sup>۹۴۷</sup> <sup>۹۴۸</sup> <sup>۹۴۹</sup> <sup>۹۵۰</sup> <sup>۹۵۱</sup> <sup>۹۵۲</sup> <sup>۹۵۳</sup> <sup>۹۵۴</sup> <sup>۹۵۵</sup> <sup>۹۵۶</sup> <sup>۹۵۷</sup> <sup>۹۵۸</sup> <sup>۹۵۹</sup> <sup>۹۶۰</sup> <sup>۹۶۱</sup> <sup>۹۶۲</sup> <sup>۹۶۳</sup> <sup>۹۶۴</sup> <sup>۹۶۵</sup> <sup>۹۶۶</sup> <sup>۹۶۷</sup> <sup>۹۶۸</sup> <sup>۹۶۹</sup> <sup>۹۷۰</sup> <sup>۹۷۱</sup> <sup>۹۷۲</sup> <sup>۹۷۳</sup> <sup>۹۷۴</sup> <sup>۹۷۵</sup> <sup>۹۷۶</sup> <sup>۹۷۷</sup> <sup>۹۷۸</sup> <sup>۹۷۹</sup> <sup>۹۸۰</sup> <sup>۹۸۱</sup> <sup>۹۸۲</sup> <sup>۹۸۳</sup> <sup>۹۸۴</sup> <sup>۹۸۵</sup> <sup>۹۸۶</sup> <sup>۹۸۷</sup> <sup>۹۸۸</sup> <sup>۹۸۹</sup> <sup>۹۹۰</sup> <sup>۹۹۱</sup> <sup>۹۹۲</sup> <sup>۹۹۳</sup> <sup>۹۹۴</sup> <sup>۹۹۵</sup> <sup>۹۹۶</sup> <sup>۹۹۷</sup> <sup>۹۹۸</sup> <sup>۹۹۹</sup> <sup>۱۰۰۰</sup>

اب تک آیت کے محض الفاظ کا مطالعہ ہوا تھا، معنی کا مشاہدہ آج شروع ہوا، خدا معلوم اس پاس سے آنے والے کتنے پایادہ، اور دور و دراز سے آئے ہوئے کتنے سوار یوں پر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، آگے چل رہے ہیں، پیچھے چل رہے ہیں، اور برابر امنڈتے ہوئے چلے آ رہے ہیں، دس بیس ہوں، سو پچاس ہوں، تو کوئی گنتے کی کوشش بھی کرے، ٹڈی دل کے شمار کرتے کی ہمت کوئی کہاں سے لائے، عزیمت اور حوصلہ والے پایادہ ہیں، رخصت اور اجازت والے سوار یوں پر سوار ہیں، اونٹ اور اونٹیاں بھی ہر قسم کی خوش رنگ بھی بد رنگ بھی، بڑی بھی چھوٹی بھی، وحشی بھی، شائیتہ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی، سرخ بھی، بادامی بھی، مگر سب کی سب قرطہ شقت سے چور چور رملی کل تمام، اور آنے والے کہاں کہاں کے؟ کوئی ایک دو ملک ہوں، تو نام گناے جائیں، نجد کے، یمن کے، عراق کے

## باب ۲۲

### حرم شریف

کہ کمرہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کا عام دستور یہ ہے کہ اپنے اپنے مسلم کی معرفت کرایہ کے مکانون میں اترتے ہیں، مکانات کے کرایے عموماً تو کچھ ایسے گران نہیں رہتے لیکن اس ہجوم کے زمانہ میں ظاہر ہو کہ اپنے جائز حدود کے اندر کیونکر محدود رہ سکتے ہیں، مالکان مکانات کی خاطر خواہ آدنیوں کا یہی زمانہ ہوتا ہے، منہ مانگے کرایے ملتے ہیں، اور پھر معلم صاحبان اپنے حقوق سے ایسے خداداد موقع پر کیوں دست بردار ہونے لگے، کرایے عموماً روپیوں کے حساب سے نہیں، گنیوں کے حساب سے ہوتے ہیں، ہمارے معلم عبدالقادر سکندر نے جو ہندوستان سے ہمارے ساتھ ہی اسی جہاز پر خود بھی کمرہ چلے تھے، ہم سے میٹھی میں کمال عنایت فرمایا تھا، کہ وہ ہمارے لئے ایک بہت اداں مکان دس ہندہ گنی میں تلاش فرمادیں گے، لیکن ہکو بھرا شڈانکی عنایت سے مستفید ہونے کی ضرورت نہیں پڑی، اللہ کے گھر میں میزبانوں کی کیا کمی، مدرسہ مولیٰ، مدرسہ فخریہ عثمانیہ اور حیدرآباد کی رابطین متحدہ ٹھکانے ہمارے ٹھہرنے کے تھے اور صلاح یہ قرار پائی کہ سب پہلے رباط حیدرآباد کو چل کر دیکھا جائے، چنانچہ وہیں کے لئے ہمارا قافلہ، اعرابیوں پر سوار اپنے معلم کی رہنمائی میں چل رہا تھا،

محافظ سے تو اس کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا، سہن قائم نہ لے تا یہ ہماری طرف سے بلا  
 تائید اسباب طبعی، و بغیر مساعدت تدابیر ظاہری، مکہ والوں کے لئے رزق ہی جس  
 پیسے نے کہا ہے، حرف بحرف پہنچا کہا ہے، اور وہی ایک سچا استے ہرٹے دعویٰ کی بے دھڑک  
 ہمت کر بھی سکتا تھا، جس سر زمین میں کچھ بھی نہ پیدا ہوتا ہو، وہاں یہ سب کچھ موجود  
 ہو جانا، اور دعویٰ کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کر دینا، قرآن مجید کی صداقت کا وہ  
 مستقل معجزہ ہے، جس کا مشاہدہ دینا ساڑھے تیرہ سو برس سے مسلسل کرتی چلی آرہی ہے، اور  
 خدا جانے آئندہ کب تک کرتی چلی جائے گی!





اسکا کام، دوا کشن اور خشاکو کی کوٹھیوں اور کارخانوں میں، میٹکون اور خزانوں میں قفل  
ہوا چلا جا رہا ہے! یہ ٹھیک ہے کہ بغداد کی عجائبات اور دہلی کے جوتے بھی موجود ہیں لیکن  
جہاں ہزاروں اور ہزاروں کے سیکڑوں لاکھوں اور لاکھوں کی دہائیوں کے نفع  
بیگانے حاصل کر رہے ہوں، وہاں اگر سیکڑوں کی رقم اپنوں کی حیب میں آئی ہے،  
تو کیا آئی! کس کو اس پر خوشی ہوگی، اور کون اسکا ذکر خیر سے کریگا!

اولم نمکن لعمریہ ما آمتا یحییٰ الیہ  
نعمات کل شیء مہز قامن لدنا۔  
(قصص، ۶۷)

کیا ہم نے ان لوگوں کو امن دے حرم میں جگہ  
نہیں دی، جس کی طرف ہر طرح کے سونے کھنے  
پہلے آتے ہیں جو رزق ہی ہماری طرف سے،

تلاوت میں آیہ کریمہ خدا معلوم کتنی بار نظر سے گزر چکی تھی لیکن اس کا مفہوم  
پوری طرح، مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد ہی واضح ہوتا ہے، ایک بے آب و گیاہ ملک  
ہر طرف ریگ اور ریگستان، پتھر اور خشک چٹانیں، سبزی اور شادابی کا کو سون کیا  
معنی منزلوں پہ نہیں، کنوئیں کا وجود عفا اور بھیل اور تالاب کا تو نام بھی کسی کے  
کانون میں نہ پڑا ہوگا، موسم کی گرمی، لو کی لپٹ، دھوپ کی تیزی اس پر مستزاد،  
ایک طرف خشکی کے یہ سارے سامان، اور دوسری طرف تازہ پھلون اور شاداب  
میوؤں کی وہ کثرت، کہ میٹھی کے کراخڑوڑ، یاد دہی کی فچوری کی دوکانوں کا دھوکا  
ہونے لگے، اکھیر الگڑی، سرودہ، کیلا، تربوز، خربوزہ، مکہ، لو کی، نارنگی، سنگترہ، انار،  
انگور سب، ناپاتی، کشمش، لیون، چیکو، شتالو، خربانی، تر و تازہ آلو بخارا، غرض (غالباً)  
بجز آم کے جو ترکاری اور جو چھل چاہئے، اپنی تر و تازہ، سرسبز و شاداب شکل میں موجود  
یہ اگر محض مکہ کی کرامت اور رب مکرم کا کرم نہیں، تو اور کیا ہے؟ اسباب ظاہری کے

معلوم ہو رہا ہے، کہ ہندوستان کے کسی تہذیب و تمدن شہر میں چل رہے ہیں، البتہ  
 سڑکوں کا کوئی معقول انتظام نہیں، پختہ سڑک کا برائے نام وجود، عدم کے مساوی  
 ہجوم اور حلقہ کش کا کیا پوچھنا، ایسے ہنگامہ میں، سٹنڈر صاحب کی آواز بھی پوری طرح  
 پہونچتی ٹٹن نہ تھی، پھر بھی ”معلم“ صاحب اپنی تعلیم شروع کر چکے تھے، اور ادھر سے بھی  
 اپنی والی کو شش بھی تھی، کہ بہت نالایق شاگردوں میں شمار نہ ہوا۔

لیکن مکہ کے بازاروں کی یہ رونق اور یہ آبادی ————— آہ اس درود دل  
 کو الفاظ کے واسطے سے کیونکر ظاہر کیا جائے ————— مسلمانوں کی ترقی نہیں،  
 انہوں کی ترقی نہیں، مکہ و مدینہ کی ترقی نہیں، حجاز کی ترقی نہیں، حجاز کی نہ سہی بصرہ و  
 شام، عراق و طرابلس، عراق و ایران، بخارا و افغانستان کسی اسلامی ملک کی ترقی  
 نہیں، بلکہ تقریباً تمام ممالک کی ترقی ہو، بیگانوں کی ترقی ہو، امریکہ و جرمنی، ہنگری  
 و اٹلی کی ترقی ہو، یہ دوکانوں پر جو لاکھوں روپیے کا سامان منظر آ رہا ہے، یہ شال او  
 پٹینے، یہ مکمل اور یہ چادرے، یہ موزے اور یہ دستانے، یہ مغل اور یہ کالر، یہ سوٹراؤ  
 یہ بنیائیں، یہ محفل اور یہ اطلس، یہ جوتے اور یہ ٹوپیاں، یہ پپ اور یہ گرگابیان، یہ  
 موٹروں کے ٹیوب اور لاریوں کے ٹائر، یہ بجلی کے قمقمے اور گیس کے ہنڈے، یہ  
 یہ تیل کے پیپے، اور یہ عطر کی شیشیاں، یہ سگار اور دیا سلائیان، یہ مرتے اور خلیان  
 یہ گلاس اور پٹینیں، یہ رومال اور جانا زین، اور یہ ہر قسم کے خوشنما سامان کا ڈھیر  
 کاش اس کا کوئی حصہ تو انہوں کا ہوتا، کاش یہ تو نہ ہوتا، کہ انہوں کی جیب سے سارے  
 کا سارا نکل کر باغیچہ اور لنگا شائر، لیورپول اور گلاسگو، شیفلڈ و برمنگھم، ایسٹرڈم و

والون کو پانی کی اس اہمیت کا اندازہ کہان،

سکندرز والقرنینؑ تو حضرت خضرؑ کی رہائی کا محتاج تھا، یہ سکندرز مطہوت خود  
 ہادی و رہما بلکہ ہراہ ہوئے، گدھے پر سوار، ہماری اعرابی کے ساتھ ساتھ باواز بلند  
 دعائیں پڑھتے جاتے ہیں، اور ہم لوگ انہیں الفاظ کو دہراتے جاتے ہیں، اب یہ تو  
 خیال نہیں، کہ اس وقت انہوں نے کون سی دعائیں پڑھائی تھیں، البتہ کتابوں  
 میں اس قسم کی دعائیں منقول ہیں، انھوں نے سہی دعا عبدک جئت لادقہ ضیعت  
 و اطلب رحمتک و افسر ضاک متبعاً لاسمک، اضیاً بقضائک رسالت مسئلۃ  
 المضطربین الیک المتفقین من مذابک الیما لئین من عقابت ان تستقبلنی الیوم  
 بعفوک و تحفظنی برحمتک و تقادرنی بعمقک و تعیننی علی احاء فی البضات  
 اللہم افتح لی ابواب رحمتک و اذخنی فیہا و اذن فی من الشیطان الرجیم  
 کہ علاقہ حجاز ہی کا نہیں، سارے ملک عرب کا سب سے بڑا شہر، ہندوستان کے  
 میار سے بھی اسکا شمار بہت چھوٹے شہروں میں نہیں، لوگوں سے سننے میں آیا کہ  
 کوئی ڈیڑھ لاکھ کی مستقل آبادی ہے، اور حج کے موسم میں تو یہ آبادی دو گنی بلکہ ڈھائی  
 گنی ہو جاتی ہے، اونچے اونچے پختہ مکانات، کہیں کہیں عالیشان عویلیان، بڑے  
 بڑے بازار، ہر قسم کے کپڑے، کھانے، برتن، جوئے، بساط خانہ، صرافہ، کی دوکانیں بکتر  
 شب میں بجلی کی روشنی کی جگہ گاہٹ، چائے اور قہوہ کا تو ذکر ہی بے کار ہے، ذکر کے  
 قابل برف اور شربت کی دوکانیں ہیں، اطرح طرح کے خوش رنگ شربت قدم قدم  
 پر موجود، اور کہیں کہیں برف بھی، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ عرب میں ہیں، بس یہی

متاع وصل جانان، بس گران ست  
گران سوذ اِچان بوئے، چه بوئے!

ہندوستان کی گھڑیوں کے حساب سے ساڑھے تین پونے چار کا وقت ہوگا کہ لاریاں اپنے اسٹیشن پر پہنچ کر رگ گئیں اور سامنے شہر مکہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں ہمارے معلم عبدالقادر سکندر کو ہمارے پردگراں کی پوری اطلاع تھی چمنٹ کے انتظار کے بعد ایک گدھے پر سوار آئے دکھائی دیئے اور ہم لوگ انکی میت ورنہائی میں روانہ ہوئے، مولوی شاہ سلطنت اللہ صاحب کی پانچ آدمیوں کی جماعت یہاں سے علیحدہ ہو گئی اور ہم سولہ مرد و زن چار اعراہیوں پر سوار ہو کر چلے حرم کا نیز حیدر آبادی رباطوں کا فاصلہ یہاں سے ڈیڑھ دو میل تھا اور وسط مئی کی دھوپ بھی خاصی تیز تھی پھر زانہ قافلہ کا ساتھ سوار می کرنا ناگزیر تھا، ٹھہرنے کے لئے متعدد مقامات پر نظر تھے اور سب سے بڑھ کر مولوی محمد سلیم صاحب کا خلوص و محبت سے بھرا ہوا، دعوت نامہ مدرسہ صولتیتہ سے متعلق موجود تھا، لیکن معلم سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کا فاصلہ حرم سے اچھا خاصہ ہے، پنجوقتہ حاضری نہ ہو سکے گی اس لئے طے پایا کہ پہلے رباط حیدر آباد میں حل کر کے قیام کیا جائے، اس کے بعد دیکھا جائیگا، یہ رباط مسفلہ میں واقع ہو گئی درجن کی وسیع عمارت، مگر اس وقت ماٹھا اندر خوب کھپا کھپ بھری ہوئی، اس کے ہستم دار و غنہ حبیب اللہ صاحب خوش خلق، مستعد، کار گزار، خدمت کر کے خوش ہونے والے، حرم سے یہ عمارت کوئی تین فرلانگ کے فاصلہ پر ہنر زیدہ کا ایک پائپ عین اس کے دروازہ پر اور یہ مکہ کے لئے ایک خاص نعمت ہے، ہندوستان

بس کسی کا لعل سے غلٹ اندر کریم بے حساب، چلائے جا رہا تھا! کیا شان رحمانیت  
 در بریت ہو! یہ سمیت و عظمت والی، یہ عزت و جلالت والی سرزمین، جو شاید صرف  
 انبیاء و ملائکہ اور اولیاء و صدیقین کے لائق تھی، اُس پر کج کس تنگ خلائق نامہ سیاہ  
 کو لایا جا رہا ہو!

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت ہے کہ حضرت  
 انبیاء و اہل بیتؑ میں داخل ہوتے تھے تو پاپا دہ اور  
 برہنہ پا، اور خانہ کعبہ کا طواف اور سارے ارکان  
 حج پیدل ننگے پاؤں ہی ادا کرتے تھے،

عن عبد اللہ ابن عباسؓ قال کانت  
 لالنبیاء تدخل الحرم مشاة حفاة و  
 یطوفون بالبيت ویقضون المناسک حفاة  
 مشاة (ابن ماجہ، باب دخول الحرم)

اللہ اکبر! یہ ادب و احترام، حضرات انبیاء علیہم السلام کر رہے ہیں! جو خود اس مرتبہ  
 کے ہیں، کہ جن و بشر الگ رہے، فرشتے تک انکی تعظیم کرتے ہیں! ان آنکھوں والوں نے  
 کیا کچھ دیکھا ہوگا! ان بصارت و بصیرت والوں کو کیا کچھ نظر آیا ہوگا! اندھے اگر خود کچھ  
 نہیں سکتے، تو دیکھنے والوں کی پیروی تو کر سکتے ہیں! سرزمین کی پاکی، اور اللہ کے  
 شہر کی کبریائی کا یہ مرتبہ، کہ پاؤں کے پاک اور بڑوں کے بڑے جب داخل ہوتے ہیں  
 تو ساریوں سے اتر کر! اور جوتیوں کو اتار کر! ایک ادب ان پاؤں کا تھا، اور ایک  
 ادب ہم بے ادبوں کا جو، کہ نہ چنڈ منڈ کے لئے بھی سواری سے اترے، اور نہ چند قدم  
 کے لئے بھی جوتے اتارے! ارے! یہ مقام تو وہ تھا، کہ پیروں سے جوتیاں اتارنا  
 تو کیا، اگر تن سے سرتار نے کو بھی کہہ دیا جاتا، تو اہل دل اور اہل در و اس نذر کو  
 کہیں ہلکی اور اس مؤذیہ کو کہیں ارزان سمجھتے!

یہ قیود اور یہ آداب تو اللہ کی طرف سے ہر بندہ کے لئے ہیں، اہل ادب اور اہل دل نے از خود جو آداب ملحوظ رکھے ہیں، ان کا کیا ذکر کیا جائے اس تیرہ سادہ سا تیرہ سو برس کی مدت میں کہتے ایسے ہیں، جو بغیر کسی رفیق اور بغیر کسی زاد و راہلہ کے اپنے کو بخش تقدیر الہی کے سپرد کئے ہوئے اس در پر حاضر ہوئے ہیں! کہتے ایسے ہیں کہ جو آٹھ سو سفر میں مسلسل روزے رکھتے ہوئے، اور قدم قدم پر دو گنا نماز ادا کرتے ہوئے، اس سرزمین پر پہنچے ہیں! کہتے ایسے ہیں، جو خانہ نہ بنیں، ساجخانہ نہ بنیں، نہین، رب البیت کے شوق دیدار میں، بھٹکتے اور گرتے ہوئے، سر کے بل یہاں پہنچے ہیں! اور فرماتے یہ ہیں، کہ مسلمان حرم کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے

اندر مقام ابراہیم ہو..... اور ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام تھے ایک ان کے تن کا مقام اور ایک ان کے دل کا مقام، مقام دل کو غلت کہتے ہیں، اور مقام تن کا نام کہ ہر پس جوان کے مقام تن کا قصد کرے، لازم ہے کہ اپنے کو لذتوں اور خواہشوں سے خالی کرے،

حرم را حرم بدان خوانند کہ اندر دے مقام ابراہیم مست..... دابر اہم را دو مقام بود، است، ایک مقام تن کو دو دیگر مقام دلش، مقام تن کہ مقام دل غلت، ہر کہ قصد مقام تن دے کند از ہمہ شہوات و لذات اعراض باید کرد، (کشف المحجوب)

یہاں احرام کی ظاہری پابندیاں ہی آسانی سے کس کے بس کی بات تھیں کہ ان باطنی پاکیزہوں کا خیال تک بھی آسکتا! یہاں زبان اور آنکھ، اور ہاتھ اور پیر کب قابو میں تھے، کہ دل و دماغ، تصور و خیال، خواہش و ارادہ کو قابو میں لانے کا دھیان بھی کیا جاتا! پس محض تن بہ تقدیر چل رہے تھے، اور چل کیا رہے تھے!

(ترجمہ)

کی محبوب ترین زمین ہو۔

قدم اس بہترین شہر اور اللہ کے اس محبوب ترین شہر کی جانب بڑھ رہے تھے  
 عن ابن عباس قال قال رسول اللہ  
 صلعم.... یوم فتح مکة ان هذا  
 البلد حرمة الله یوم خلق السموات  
 والارض فهو حرمة ام یوم یوم الله  
 الی یوم القیمة وانہ لمرجل القتال  
 فیہ لا حد قبلی ولمجل الی الا ساعة  
 من نهار فهو حرمة ام یوم یوم الله الی  
 یوم القیمة لا یعصد شوکہ ولا  
 میفر صید ولا یلتقط لقطہ ولا  
 من عنہا ولا یغتلی خلاھا،  
 (بخاری مسلم وغیرہ)

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 فتح مکہ کے دن فرمایا کہ..... اس شہر کو حرم قرار دیا  
 اللہ نے اسی روز سے کہ جس روز آسمان و زمین کی  
 آفرینش کی، پس اس کی حرمت واجب ہے اور  
 قیامت تک، اور ہرگز نہیں جائز ہوا اس کے  
 اندر قتال مجھ سے قبل کسی کے لئے، اور نہیں  
 جائز ہوا، خود میرے لئے، بجز ایک ساعت روز  
 کے، پس واجب ہو اس کی حرمت یوم قیامت  
 تک نہ کاٹا جائیگا، درخت کا ردار اس کے اندر  
 اور نہ نعرہ کیا جائیگا شکار سے اس کے  
 اندر اور نہ اس کے اندر گری ہوئی چیز اٹھائی  
 جائیگی، سوا اس صورت کے کہ اسے پہنچایا جائے  
 اور نہ کاٹی جائیگی گھاس اس کے حدود کے اندر

رحمت و فضل کی کثرت اس سرزمین پر لئے جا رہی تھی، جہاں داخلہ کے یہ آداب  
 اور یہ شرائط ہیں، اور جہاں کے احترام کو ان قیود سے سب پر واضح اور سب پر روشن  
 کر دیا گیا ہے!

# باب ۲۱

## سوا و مکہ

عن ابن عباس قال قال رسول الله  
صلعم لمكة ما اطيبت من بلد و  
احبب الى و لو كان ان قوی اخر جوفی  
منك ما سلكت غيرك،  
(ترمذی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
صلعم نے مکہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تجھ سے  
زیادہ پاکیزہ کوئی شہر نہیں، اور نہ کوئی شہر تجھ سے  
زیادہ مجھے محبوب ہے، اور اگر میری قوم والوں  
نے مجھے نکال نہ دیا ہوتا، تو میں تیرے سوا اور  
کہیں نہ رہتا،

حاضری اس پاکیزہ ترین شہر اور رسول خدا کے اس محبوب ترین شہر میں  
ہو رہی تھی،

عن عبد الله بن عدي قال سألت  
رسول الله صلعم واقفا على الحمار و  
فقال و الله انك لخير ارض و الله و  
ارض الله الى الله

عبد اللہ بن عدی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو  
حروزہ دکھایا، کہ میں ایک مقام کا نام ہے، میں کھڑے  
ہوئے دیکھا، اور آپ فرما رہے تھے کہ اے مکہ تو  
اللہ کی بہترین سرزمین ہے، اور اللہ کی نظر میں اللہ



دہلوی کی کتاب الحج والزیارۃ (فتاویٰ عثمانی، جلد ۶) ہے، جو ہر دوسری کتاب سے  
 بے نیاز کر دینے کے لئے کافی ہے، اور اردو دین اپنے موضوع پر ایک بے مثل و نادور  
 جامع تالیف ہے، مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب وکیل ہنگنڈہ (دکن) نے بھی اپنے  
 چند ورق کے رسالہ خیر الناسک میں حیرت انگیز اختصار کیا تھا ضروری مسائلِ ادعیہ  
 و اذکار کو جمع کر دیا ہے، عازمانِ حج اگر اس قسم کی چیزیں اپنے ہمراہ رکھیں، تو بہت  
 سی لغزشوں اور فروگزاشتوں سے اجتناب پر بعد کو ناسف و ندامت ہوتی ہوتی ہے،  
 بچ جایا کریں گے،



کو نازل کیا، جھفون نے کہہ کر چاروں طرف سے گھیر لیا، جو زمین اُس حلقے کے  
 اندر آگئی، وہ حرم کہلاتی ہے، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، بہر حال زمین حرم ہے وہاں  
 ادب و آداب کی سر زمین، اور بزرگوں نے اس کے آداب یہ لکھے ہیں، کہ اگر  
 ممکن ہو تو اتنا فاصلہ پایادہ طے کرے، اور قدم اس مسکت، فروتنی و تذلل کے  
 ساتھ اٹھائے، کہ جیسے کوئی عاجز و بے بس، شہنشاہ کے دربار میں جا رہا ہو، مولانا  
 اور کم ہمتوں اور ناتوانوں کو بھلا ان آداب کی کیون تو فوق ہونے لگی تھی یہاں  
 محض اس لئے ذکر کر دیا گیا کہ ہو سکے تو آئندہ عازمین حج اسے پیش نظر رکھیں، ان  
 حدود میں داخل ہوئے، تو مولانا مناظر کی قیادت میں یہ دعا (یا مثل اس کے کوئی  
 دوسری دعا تھی) بلند آواز سے پڑھی، اللھم ان عذابک دھم دھم دھم دھم دھم  
 لھجی و عظمیٰ دوحی علی الناس، اللھم امنی من عذابک یوم تبعث عبادک و اجعلنی من  
 من ادیائک و اهل طاعتک و تب علی انک انت التواب الرحیم، مناسب حج پر عربی  
 میں صد ہا تصانیف ہیں، فقہ کی ہر کتاب کا ایک لازمی جزو کتاب الحج ہوتا ہے، مولانا  
 مناظر کے پاس ملا علی قاریؒ کی شرح لباب المناک تھی، اس موضوع پر جھفون کیلئے  
 جامع ترین کتاب ہے، اردو خوانوں کے لئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مختصر رسالہ  
 زبدۃ المناک بڑے کام کا ہے، دیکھنے میں چھوٹا، لیکن مفید و مستند معلومات سے لبریز  
 ہم لوگوں کے ہاتھ میں اسی کے اوراق تھے مولوی شاہ الیاس برنی صاحب کا سفر نامہ  
 صراط الحمید بھی ضروری مسائل و معلومات سے خالی نہیں، گو اسکا اصلی لطف اہل دل  
 ہی اٹھا سکتے ہیں، مولوی شاہ سلیمان اشرف صاحب کی کتاب حج جامع و نافع ہے  
 اور اردو میں سب سے زیادہ مفصل و مبسوط ہدایت نامہ اس باب میں مولوی منور الدین

جدہ سے مکہ کا فاصلہ کوئی ۴۰، ۴۵ میل کا ہے، اونٹ دو ڈیڑھ روز میں پہنچے ہیں  
 اچھے موٹر دو ڈھائی گھنٹے میں، اور لاریاں تین ساڑھے تین گھنٹے میں، مکہ کا راستہ مدینہ  
 کے راستہ سے نسبت بہت بہتر ہے، کہیں کہیں سڑک کوٹنے والے انجن (اسٹیم رولر) بھی  
 دکھائی دیئے، راستہ میں دونوں طرف پانی اور شربت اور چائے کی دوکانیں کثرت  
 سے موجود، شاید ایک جگہ شفا خانہ کا خیمہ بھی دکھائی پڑا تھا، چھوٹے چھوٹے پڑاؤ گزرتے  
 درمیان میں ایک بڑی منزل جدہ یا حیرہ کی آتی ہے، نماز ظہر کے وقت یہاں پہنچے  
 خیموں اور شاہانوں کا ایک وسیع سلسلہ سڑک کے دونوں طرف قائم علاوہ چائے  
 کے کھانے کی دوکانیں بھی موجود، چاول گوشت ترکاری، تر بوڑ، جو چاہئے، نوش  
 فرمائیے، البتہ مدینہ کا سا پانی اب کہاں مل سکتا ہے، اب اس کا خیال ہی چھوڑ دیجئے،  
 گواہی یاد ہر مرتبہ حسرت کے ساتھ آگے رہیگی، ایک بڑے قہوہ خانے میں چائے پی، اور  
 یہیں نماز ظہر بڑی جماعت کے ساتھ پڑھی، جدہ سے اونٹوں پر جو قافلے مکہ جا رہے  
 ہیں، ان کے بھی بہت سے حاجی یہاں مل گئے، اور انہیں میں جدہ کے ہمارے ہم سفر  
 جمال الدین فتنی بھی تھے، جسکا ذکر خیر پہلے آچکا ہے، جدہ سے مکہ تک سڑک پر سایہ کا  
 کہیں نام نہیں، خشک چھاڑیاں البتہ جا بجا نظر آتی رہیں، اور مکہ کے قریب کچھ ٹھکانے  
 بھی نظر آئے،

ظہر کا اوسط وقت گزر چکا تھا، کہ زمین حرم کے حدود شروع ہو گئے، جدہ سے  
 آتے وقت مکہ سات میل رہتا ہے، کہ حدود حرم شروع ہو جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب  
 حضرت آدم مکہ میں تشریف لائے، تو اللہ نے نیاطیلین سے آپ کی حفاظت کے لئے ملائکہ

دو کانون کے نیچے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہیں، دروڑی اکبر ختم ہو چکی، اب حج کے دن  
 ہی کے باقی رہ گئے، ہر شخص مجلت سے بیتاب اور لطف یہ کہ سب کو موٹر ہی سے نہیں  
 جانا ہی، سیکڑوں ہزار دن بند گان خدا ایسے ہیں، جو اونٹوں پر جائیں گے، اور کچھ  
 ایسے بھی، جو پیادہ روانہ ہوں گے! آفرین ہر ان کی ہمتوں پر، یہاں تو موٹر کے باوجود  
 بھی گھبراہٹ سوار ہو کر دیکھے ٹھیک وقت سے پہونچنا نصیب بھی ہوتا ہی یا نہیں؟  
 جون تون کر کے ۶ کی صبح ہوئی، مدینہ کی طرح یہاں بھی تہجد کی اذان ہوتی ہو، خیر  
 آج کی بدحواسی میں اُس وقت اٹھنا تو کیا نصیب ہوتا، البتہ نماز فجر کے لئے جب  
 مسجد جانا ہوا، تو دیکھا کہ مسجد نمازیوں سے کچھ کچھ بھری ہوئی ہو، سبحان اللہ آج  
 کے مجمع کا کیا کہنا، ہندی، مصری، مغربی، خدا معلوم کس کس دیس کے حاجی جمع ہیں،  
 وضع الگ، لباس الگ، بولی الگ، قد و قامت الگ، رنگ روپ الگ، البتہ سب کے  
 سب نبی کی امت اور اللہ کے بندے، دن نکلا، اور موٹر دن کا انتظام شروع ہوا  
 آج دن کا کھانا، صبح سویرے ہی پیٹ بھر کر کھالیا گیا، کہ خدا معلوم دوسرے وقت  
 کھانے کا موقع کب اور کہاں آئے، کہ میں چونکہ قیام بہت مختصر کرنا تھا، اس لئے  
 زائد سامان ہمیں وکیل صاحب کی حفاظت میں چھوڑ دیا گیا، اور صرف ضروری  
 سامان ساتھ رکھ کر، ہندوستان کی گیلریوں کے حساب سے، دن کے دس بجے ہمارے  
 موٹر روانہ ہو گئے، جدہ سے جو لوگ سیدھے مدینہ منورہ جاتے ہیں، اور اُن کے  
 موٹر دن کے جو کرایہ پیشگی لئے جاتے ہیں، اُن کرایوں میں جدہ سے مکہ تک کا کرایہ  
 بھی شامل رہتا ہی،

عشا کے اول وقت شہر میں داخل ہو گئے، موٹر میں حرمین کمپنی کی بھین، شو فرانی کمپنی کے موٹر خانہ میں موٹر میں لے گئے، اور ہمیں وہیں آباد دیا، رات کا وقت اجنبی مقام اپنے وکیل اور ان کے مکان کی اس وقت کہاں تلاش کی جائے؟ اتنی عورتوں کا ساتھ، انہیں کہاں چھوڑا جائے؟ اور پھر اگر وکیل صاحب ہاتھ بھی آگئے تو ایسے نا وقت وقت پر ہم لوگوں سے التفات کیوں فرمانے گئے؟ اس قسم کے سوالات شاید دیر تک دماغ کو پریشان رکھتے، لیکن آخر اسی جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب بھی توسع اپنے تمام اختیار و اقتدار کے رہتے ہیں، فوراً وہ یاد پڑ گئے، اور پتہ پوچھتے ان کے گھر جا پہنچا، گھر پر موجود مل گئے، اور ان کی ملاقات ہر مشکل کا حل تھی، وہی لطف و التفات، وہی توجہ و اطلاق، دس میں منٹ کے اندر وکیل صاحب بھی مل گئے، یہاں بھی سب اتر آیا، اور مردانی و زنانی سواریاں بھی سب بہولت وکیل صاحب کے مکان تک پہنچ گئیں، قافلہ کے اور لوگ صاحب سیونی کے مکان میں رہے مجھے اور مولانا مناظر کو شیخ نصیف کے پرفضا چوتروہ کی چاٹ پڑ چکی تھی، اور اس وقت کے گرم موسم میں تو اس کی اور زیادہ ہوس تھی، ہم دونوں ان کے ہاں پہنچے معلوم ہوا شیخ مکہ جا چکے ہیں، مجبوراً صاحب سیونی کے مکان کے نیچے میدان میں لیٹے، لیکن اس میدان پر اس وقت انسانوں سے زیادہ اونٹنوں کا قبضہ تھا، ساری رات انسانوں اور اونٹنوں کی کش مکش و چلپش میں گزری، اونٹنوں کا اتنا ہجوم عظیم پہلی بار دیکھنے میں آیا،

جہاں اس وقت حاجیوں سے پٹاریاں ہی، مجددوں کے اندر، سڑکوں کے اوپر

نصف شب کے برتھ پر پہنچے اور یہیں قیام ہوا مدینہ جاتے ہوئے بھی شب کی منزل پر نگذاری تھی، اُدھی رات کے بعد تھکے ماندے خوب خستہ ہو کر سونے لیتے، فجر کی نماز اکثر دن کی قضا ہوئی، جون توں پڑھ کر پھر جلدی سے روانہ ہوئے، آج سفر سارے دن کا ہے، یہ موسم تو خوب ٹو پٹنے کا ہے، لہذا ہندوستان ہی کی کس غصب کی ہوتی ہے، چہ جائیکہ رگیستانِ عرب کی لوبالو سے بچنے کے لئے کچی پیاز بہت مفید ہے، قافلہ میں سب نے پیاز کی آندیاں اٹھون میں لے رکھی تھیں، اور بھی کبھی سو نکلتے بھی جاتے تھے، احرام کی حالت میں سر ڈھانپنے کی ممانعت، جسم کا بہت سامعہ بھی تیز ہوا میں بلا ارادہ بار بار کھل جاتا تھا، ان بے احتیاطیوں کے باوجود بھی خدا کے فضل سے سارا قافلہ محفوظ رہا، نہ کسی کے لو لگی، نہ کسی کو بخار آیا، راستہ میں ایک لاری ٹھیک دوپہر کو کھڑی ہوئی، معلوم ہوا کہ بگڑ گئی ہے، مشرکوں کا قافلہ سوار تھا، اس میں ایک جوان عورت کو لو لگ گئی ہے، بیچارہ می بے حال و بدحواس تھی، ایکا شہوہر اسے ہماری لاری پر لے آیا، اور اگلی منزل پر اسے لیکر اتر گیا، خدا معلوم بعد کو کیا گذری، منزلوں پر طبی انتظام کسی قسم کا بھی نہ تھا، حالانکہ اس ہجوم کے زمانہ میں خصوصاً ایسے سخت موسم میں، راستہ میں دس بارہ چھوٹے شفا خانے قائم کر دینے کچھ مشکل نہ تھے،

مدینہ سے مکہ کو انڈس جس راستہ سے جاتے ہیں، وہ سیدھا راستہ ہے، ادھر جدہ نہیں پڑتا، موٹر کار راستہ جدہ ہو کر ہے، اس لئے ہلوگوں کو تو بہر حال یہی راستہ اختیار کرنا تھا، دن بھر کے سفر کے بعد شام کو جدہ کی روشنیوں میں نظر آتی شروع ہوئیں، اور

البلد الذی ہم معاہدہ کل شیء | عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور  
(غل، ع، ۷۷) | ہر شے اُسی کے لئے ہے

اللہ اکبر! مکہ والو، مکہ کے مسافر، ذرا مکہ کی بڑائی دیکھا! خود اپنا قارن مکہ کے زیر  
سے کرایا جا رہا ہے! اپنے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے پروردگار! اور پھر  
تصریح در تصریح کہ وہ مکہ کلاب ہی نہیں بلکہ وہ جس کے لئے سب کچھ ہے، مکہ کو پاک  
بھی کر چکا ہے! اسے حرمت والا بھی قرار دیکھا ہے! اللہ نے لا اقصیٰ لهذا البلد میں کس شہر  
کی عزت افزائی کی ہے! البلد الا میں کس شہر کا نام رکھا گیا ہے؟ بلدنا آسمائے کس  
شہر کی سرفرازی مقصود ہے! بلدنا اللہ احزاب نبوت میں کس شہر کے لئے نوشتہ  
ہوا ہے؟ ابراہیم خلیل اللہ نے کس شہر کی آبادی کے لئے دعا کی تھی؟ ابراہیم اور اسماعیل  
اور ہاجرہ نے کس شہر میں اپنی مستقل یادگار بن چھوڑی ہیں؟ ————— موڑ کے  
پیٹے تیزی کے ساتھ گھوم رہے تھے اور انکی ہر گردش کے ساتھ، اللہ کا شہر، اللہ کے  
حبیب کا شہر، اللہ کے خلیل کا شہر، اللہ کے ذبیح کا شہر، ميثرا و یلہ و صدیقین کا شہر  
قرب تر ہوتا جا رہا تھا،

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا تُشْرِكُ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالْمُنْعَةَ لَكَ وَالْمُلْتَكَ

لَبَّيْكَ، ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد، دوسری سواریوں یا پیدل مسافروں کو پکار  
کر، بلند یوں پر چڑھتے وقت، نشیبوں میں اترتے وقت، منزلوں پر پہنچ کر، نمازوں  
سے فارغ ہو کر، لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، ظہر کی نماز و اکلینے میں پڑھ  
چکے تھے، عصر، مغرب و عشا کی نمازیں راستہ میں مختلف منزلوں میں ادا ہوئیں اور

سارے شہروں اور سارے ملکوں، ساری آبادیوں اور ساری بیٹیوں کے دین و ایمان کا مرجع اور تربیت و تزکیہ کا مرکز، اگر کہ نہیں، تو کیا کوئی اور شہر ہے؟ رحمت کا ملا و قدرتِ مطلقہ نے اپنے آخری پیامِ رحمت کی بارش کے لئے کیا بحر اس سرزمین کے کسی اور کو چنا؟ اور اس پیام کا پیامبر، سب سے جامع، سب سے اہم، سب سے اکمل، سب سے آخری پیام لانے والا، کہاں پیدا ہوا؟ کہاں پلا؟ کہاں بڑھا؟ کہاں اُس پر اُس پیام کا نزول شروع ہوا، اور کہاں کی گلیوں اور وادیوں میں وہ ایک دن دو دن نہیں، تیرہ برس تک اُسی پیام کی سادی کرتا رہا!

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے یہ روایت اکثر کتب تفسیر میں منقول ہے کہ جب اللہ کے حبیب و محبوب کو اس شہر سے ہجرت کرنی پڑی، تو گھر سے نکلنے کے بعد اس شہر کی طرف مڑ کر ارشاد ہوا،

انما احب البلاد واللہ تعالیٰ الی اللہ	تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے بڑھ کر اللہ کو
وانما احب بلاد اللہ تعالیٰ الی دلو	محبوب ہے، اور تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے
لا ان اهلک اخر جوفی لہم اخرج منک	بڑھ کر مجھے بھی محبوب ہے، لہذا اگر تیرے لوگوں نے
	مجھے نہ نکالا ہوتا، تو میں خود تجھ سے نہ نکلتا،

اس تصریح کے ساتھ اللہ کا محبوب ترین شہر اور اللہ کے رسول کا محبوب ترین شہر، سوا کس کے، اور کسے کہا گیا ہے؟ حدیث کی روایت کو بھی چھوڑیے، خود کلامِ پاک میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔

انما امرات ان عبد سہب ہذا	مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی
---------------------------	---



اندر کشمکش اور جھٹلیش، بجائے شتر بان کے موثر بان (شوہر) اور ان کے نائب (کلنیر) کی  
مجاہدانہ ناز برداریاں، یہ سب کچھ اگر ترقی النفس کی تفسیر نہیں تو اور کیا ہو؟

لیکن دکھ کی پروا کسے؟ اور اذیت کا احساس کس کو؟ کیا کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ چل  
کہان رہے ہیں؟ اور نخت کا عروج اور نصیب کا اوج کس کو کہاں پہونچا رہا ہے؟ چل  
اس شہر کو رہے ہیں، جس کو کسی نادان انسان نے نہیں، کسی سیاح جہان گشت نے  
نہیں، کسی جزافہ نویس اور کسی نقشہ ساز نے نہیں، زمیون اور آسمانوں کے پیدا  
کرنے والے نے، لندن و پیرس کو چمک دکھ اور بنگلہاٹ بجھنے والے نے، برکن و  
نیویارک کو فیت سے ہست کرنے والے نے، ام القریٰ، بستیوں کی ماں لکھنؤ بکار  
ہے، مان وہ ہے، جس کے وجود کے بغیر اولاد کا وجود نہیں ہوتا، آج مکہ نہ ہوتا، تو نہ کلکتہ  
ہوتا نہ بمبئی، نہ لکھنؤ نہ دہلی نہ لاہور نہ مدراس اور نہ چین نہ جاپان، نہ مصر نہ ہندوستان  
نہ انگلستان نہ سارا فرنگستان اشار حسین اور مفسرین کہتے ہیں، کہ مکہ روے زمین کا مرکز  
نادان فرنگی ہنستا ہے، اور کہتا ہے، کہ زمین کرہ کی شکل میں ہے، اس میں کسی ایک متعین  
مقام کو سب وسط میں کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے، اس جاہل کو مرکز کے معنی صرف جغرافی  
مرکز کے معلوم ہیں، اور اسکی عقل صرف اسی مرکز جانتی ہے، جو مادی آلات پائیش کے  
حساب سے سب کے وسط میں ہو، موادِ دل تو اس کے پاس اس حیثیت سے بھی اس کے  
عقیدے کی کوئی دلیل نہیں، لیکن اس کے علاوہ "ام" کے معنی مرکز جغرافی کے ہیں  
کب؟ مان کا کام تو اولاد کو وجود میں لانا، اور انکی پرورش و تربیت کرنا ہے، پھر اگر آج  
بھی سب کی ایمانی پرورش اور روحانی تربیت مکہ سے نہیں، تو اور کہاں سے ہو ہی ہے؟

## باب ۲۰

### جدہء راہ مکہ

و تحمل انھا لکم الی بلد لعلکم فیہ الا لبق الا نفس، سورہ النحل  
 رکوع اول میں پروردگار عالم کے انعامات کے ذیل میں انعام (چوپایوں) کا ذکر ہے  
 کہ وہ تمھاری سواریوں کا کام دیتے ہیں، اور تمھارے بوجھ تمھارا سامان و اسباب اس  
 شہر تک لا کر پہنچاتے ہیں، جہاں تم اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ  
 سکتے، آیت کی تفسیر میں ایک قول سلف سے یہ منقول ہے کہ "بلد" شہر سے مطلق بلد  
 مراد نہیں، بلکہ متعین شہر کہ مراد ہے، گویا ضمناً آیہ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ تک  
 پہنچنا و شتواریوں اور سختیوں کے بعد ہی ممکن ہے، پہلے کسی زمانہ میں تو آیت کے اسی  
 مفہوم کی واضح تصدیق قدم قدم پر ہوتی رہتی تھی، لیکن اب زمانہ بہت بول گیا ہے  
 اب ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں، اب تیرہ دون کی بند و قون سے  
 ہلاک ہو جانے کا ڈر ہے، نہ مال کے ضیاع ہونے کا اور نہ سامان راحت کی نایابی ہے  
 پھر بھی "شق النفس" ہمارے قافلہ کے لئے سرے سے بے معنی نہیں، اوسط سنی کا موسم غر  
 کی دھوپ، موڑ جیسی صبار قنار سواری میں بھی ۴۵، ۴۰ گھنٹے کا راستہ، پیاس کی  
 شدت، مدینہ کے سرد پانی کے خوگر ہو جانے کے بعد اس کی نایابی پر حسرت لاریوں کے

کو پہنکر اس کے شرائط و آداب کا بجالانا کو نہ ممکن ہو گا؟ گناہوں سے بچنا کیسے  
 ہو سکے گا؟ تو نے حکم دیا ہی، لاسہفت و لاسوق و لاجہد ال فی الحج، ارکان حج تو  
 شروع ہو گئے، پر اس حکم کی تکمیل پر کیسے قدرت ہو گی؟ آنکھ کی احتیاط اور زبان  
 کی احتیاط کس کے بس کی بات ہے؟ مزاج اور زبان پر کس طرح قابو رکھا جائے؟  
 جس گھر کو تو نے اپنا گھر لکھ کر پکا دیا ہے، اس کا صحن تو تیرے نام پر آگ میں کود پڑنے  
 والے ابراہیمؑ اور تیری راہ میں اپنے کو ذبح کر ڈالنے والے اسماعیلؑ کے قابل تھا  
 جس گھر کو تو نے پاک قرار دیا ہے، اس کے در و دیوار کو اپنے آنکھوں اور ہونٹوں سے  
 لگانے والے تو صرف تیرے پاک پاکیزہ کھرے اور سحرے بندھے ہی ہو سکتے ہیں جس گھر کی طرف  
 تیرے حبیبؑ اور تیرے بندوں کے سرفار نے، دن کی روشنی اور رات کی تاریکیوں  
 میں بشمار سجدے کئے ہیں، اور بے گنتی اور حجاب اپنے سر کو جھکا یا ہے، اس کی چار  
 دیواری تو صرف نور کے بنے ہوئے فرشتوں اور رحمت و قبولیت کے مہینے میں داخل  
 ہوئے صدیقین و کاملین کے طوائف کے لائق تھی، وہاں آج تو کس کو باریاب کر رہا ہے؟  
 کس تنگ، غلامی کا دماغ عرش پر پہنچا رہا ہے؟ کس گندہ، اور ہر گندگی سے گندہ  
 بندہ کی زبان سے لبت لبت کھلا رہا ہے؟ یہ بیداری ہے یا خواب؟ اگر خواب ہے تو  
 ہزاروں بیداریاں! اس مبارک خواب پر قربان! اگر بیداری ہے تو! —  
 کوئی حقیر و ذلیل، ناپاک مشہور خاک اپنے جذبات کے ظاہر کرنے کے لئے لفظ  
 و عبارت کسان سے لائے!

کلمات اذان و تہجد کی طرح اس عبارت میں بھی کسی قسم کی کمی بیشی جائز نہیں، لیکن اکثر علمائے حنفیہ نے اضافہ الفاظ کی رخصت دی ہے اور بعض جلیل القدر صحابہ سے بھی الفاظ کا اضافہ منقول ہے، اب ضروری ہو گیا کہ ہر نماز کے بعد، اور چڑھتے اور نیچے اترتے وقت ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت، دوسری سواریوں کو آتے جاتے دیکھ کر، برابر انھیں الفاظ میں اپنے مطلوب اور سب کے مطلوب کو بکارا جایا کرے، مرد کو بلند آواز سے کہنا چاہیے، لیکن نہ اتنی بلند آواز سے کہ شور و غل سے دوسروں کو تکلیف ہو، ہر موقع پر تین بار ہو تو بہتر ہے، کافی صرف ایک مرتبہ بھی ہے،

جگ بیٹی اور آپ بیٹی میں بڑا فرق ہوتا ہے، اب تک دوسروں کو احرام باندھنے اور احرام باندھے ہوئے دیکھا تھا، خود احرام آج باندھا، مولوی مناظر صاحب سے نمازین پڑھا رہے ہیں، دعاؤں کے الفاظ بتا رہے ہیں، اور ادھر اپنا دل دھڑکتا جا رہا ہے، زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے، اسے سب سن رہے ہیں، لیکن دل کیسا کہہ رہا ہے؟ دل جو کچھ کہ رہا ہے اسے کون سنے؟ اُسے کون سن سکتا ہے؟ ہاں صرف وہی ایک سن سکتا ہے، اور سنتا ہے، جو سب کی سنتا ہے، جو گونگون اور بے زبانوں کی سنتا ہے، جو آواروں، ناکاروں کی سنتا ہے، جو کمزوروں اور ناتوانوں کی سنتا ہے، جو بیکسوں، دیپچاروں کی سنتا ہے، جو نااہلوں، اور نادانوں کی سنتا ہے، جو محروموں اور شامت زدوں کی سنتا ہے، اور جو انکی سنتا ہے، جنکی کوئی بھی نہیں سنتا، اسے سب کی سننے والے تیرے ہاں محرم کا بڑا درجہ اور اونچا مرتبہ ہے، اس خدائی ورد



گو یا چھوٹا حج ہی جو سال بھر میں جب ریختہ پانچ دنوں کے اور صحتی بارجی چاہی ادا کیا جاسکتا ہے، اس کے ضروری ارکان صرف اس قدر ہیں کہ حرام کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و روضہ کے درمیان سعی کر لی جائے، بخلاف اس کے حج سال میں صرف ایک ہی مرتبہ مخصوص وقت پر ہو سکتا ہے، اور اس میں علاوہ دوسرے سنن استحبات و واجبات کے، اعرام کے ساتھ عرفات میں حاضری اور اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف لازمی ہے، امام شافعی کے نزدیک عمرہ بھی حج ہی کی طرح فرض ہے، حنفیہ کے ہاں فرض نہیں، البتہ ایک اہم سنت کا درجہ رکھتا ہے،

جو لوگ حج و عمرہ دونوں ادا کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہی دو صورتیں ہیں کہ یہ کہ ایک ہی احرام سے عمرہ اور حج دونوں ادا کئے جائیں یہی عمرہ سے فارغ ہو کر احرام اتار نہ جائے، اور حج اسی احرام سے ادا کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ عمرہ سے فراغت کر کے احرام اتار دیا جائے، اور جو چیزیں حالت احرام میں منع ہیں وہ جائز ہو جائیں، اور اس کے بعد حج کے لئے از سر نو احرام باندھا جائے، پہلی صورت کو فقہاء قرآن کہتے ہیں، اور دوسری کا اصطلاحی نام تمتع ہے، اور یہ نام غالباً اسی لئے رکھا گیا کہ تمتع کرنے والا، احرام عمرہ اور احرام حج کے درمیان، ان چیزوں سے جو حالت احرام میں ممنوع ہیں، تمتع ہو سکتا ہے، قرآن و تمتع یہ دونوں صورتیں مجزوء ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے، کہ ان دونوں میں نسبتاً افضل و اشرف کون سی ہے، امام ابو حنیفہ اور جہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک قرآن افضل ہے، اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک تمتع کو فضیلت ہے، ہم لوگوں کے لئے قرآن و تمتع

اور حکومت ہرگز زیر بار نہ ہو جاتی،

احرام، محض ایک خاص وضع کے کپڑے پہن لینے کا نام نہیں، اس کے بعد سبے جائز چیزوں سے ٹک جانا لازمی ہے، مثلاً منہ اور سر کو ڈھانپنا (عورت کے لئے صرف منہ کا ڈھانپنا) سٹے ہوئے کپڑے پہننا، بد زبانی کرنا، خوش چیزوں کی جانب اشارہ کرنا، جانوروں کا شکار کرنا، خط بنوانا، ناخن ترشوانا، عطر او تیل لگانا، وغیرہ، احرام، ایک طرح کا کھن ہوتا ہے، مردوں کا لباس پہن لینے کے بعد، حیث ہے، اگر انسان اس حد تک بھی اپنے نفس کو مردہ نہ کرے، اسی احرام کے ماتحت نیت احرام بھی ضروری ہے، طریق مسنون یہ ہے، کہ پہلے غسل کیا جائے، یا اگر اس میں دشواری ہو تو وضو کافی ہے، اس کے بعد چادر اور تہمد پہنکر دو رکعت نماز ادا کرے، اور افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص (قل ہو اللہ احد) اس کے بعد جانماز پڑھیے، ہوئے حج، یا عمرہ، یا دونوں کی نیت اپنے دل میں کرے اور الفاظ ذیل زبان سے بھی ادا کرے، اللھم رانی اسید الحج فیسوہ لی و تقبلہ عنی، و اعنی علیہ، و بارک لی فیہ، نوبت الحج و احرامت بیدہ اللہ تعالیٰ، یہ الفاظ دعائے احرام حج کے ہیں، اگر نیت عمرہ کی یا عمرہ و حج دونوں کی کی ہے، تو دعا کے الفاظ میں بھی اسی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا تغیر ہو جائیگا، نیت احرام کی کئی صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ محض حج کی نیت کی جائے، دوسرے یہ کہ محض عمرہ کی نیت کی جائے، تیسرے یہ کہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی جائے، عمرہ

تھیں، اُن میں سے ایک پر ہم کل دس آدمی تھے اور دوسری پر گیارہ، یہ عبد اللہ  
 الفضل صاحب کی خاص عنایت تھی، اُنکی مرتبہ اس شدتِ ہجوم میں اس رعایت  
 و عنایت کی کوئی گنجائش نہ تھی، شیخ عبد اللہ افضل بیچارہ نے اسی رعایت کی گنجائش  
 اُنکی بار بھی کی، لیکن کمپنی کے مقامی منیجر علی نے کمپنی کے مالک کی بھی پروا نہ کی اور  
 ہماری لاریوں میں پانچ اجنبیوں کو (جو غالباً مبینی تھے) زبردستی بٹھا کر ۲۶ کی  
 تعداد پوری کر دی! نصبر و شکر نہ سہی، خالی "نصبر" کرنا ہی پڑا اور اس کے سوا  
 چارہ کیا تھا؟ — سرکش اور ناشکر گزار بندہ، اللہ کے ٹھکر کی جانری کے لئے  
 چلا ہی، انانیت اور راحت طلبی و تن پروری پھر بھی زندہ اکاش آج توجہ نہ دے  
 کے لئے اپنی عبدیت، اپنی بندگی کا احساس ہو گیا ہوتا! — ہم روزی ایچ  
 یوم و شبہ کو عین افانِ ظہر کے وقت مدینہ منورہ سے نکلے، اور موٹر کے لئے چھ  
 سات میل کا فاصلہ ہی کیا، دم کے دم میں ذوالکلیفہ پہنچ گئے، جواہلِ مدینہ کیلئے  
 میقات یعنی احرام باندھنے کا مقام ہے، عام زبانوں پر اس مقام کا نام سیر علی ہے  
 علی سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد نہیں، کوئی اور صاحب اس نام کے  
 ہوئے ہیں، حضور انورؐ نے یہیں سے حج کا احرام باندھا تھا، ایک چھوٹی سی  
 مسجد بنی ہوئی ہے، اور ایک کنواں، اور پانی اور چائے کی ایک آدھو چھوٹی  
 سی دکان بھی ہے، بس کل اس قدر آبادی ہے، یہ وہ مقام ہے، جہاں ہزار ہا  
 حاجی احرام باندھتے ہیں، اگر یہاں تودو تودو غلخانے، زنانہ و مردانہ، پانی  
 کے تل کے ساتھ تعمیر کر دیئے گئے ہوتے، تو حاجیوں کو کتنی آسائش ہو جاتی  
 اور کہتے، اللہ کے بندوں کی زبان ہی سے نہیں، دل سے دعائیں نکلتی ہیں!



بہانے ڈھونڈتے ہیں، کہ کسی نہ کسی طرح کچھ دیر اور رکنا ہو جائے! عموماً سب کا  
 یہی حال کم و بیش رہتا ہے، بعض کو غش تک کی نوبت آجاتی ہے، کانوں سے سنا  
 بھی نہیں، اور آنکھوں سے دیکھا بھی نہیں، لیکن کسی قلب اپنے قلب کی  
 قیادت کا کیا بیان کرے، اس کی حالت سب الگ اور سب مختلف رہی، جنس  
 میں، مصلحتی بنی پر دعائیں کرتے وقت، تو خیر، قلب میں کچھ وقت رہی بھی، لیکن  
 اُس کے بعد اس قسم کی ساری کیفیتیں غائب! رنج و صدمہ الگ رہا، سرے سے  
 جدائی کا احساس ہی نہیں! یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا ہے، کہ کسی عزیز جگہ سے بچھڑ رہے  
 ہیں، اور دل میں بچاے ہر اس دپریشانی کے ایک طرح کی طمانیت و ثبات  
 — کریم کو کریم کے کتنے ڈھنگ یاد ہیں! کسی کے سینے میں شوق و  
 اشتیاق کے شعلے بجھ گئے، اور کسی کو تسکین و تسلی کی تھپکیاں  
 دی جا رہی ہیں!

مدینہ آتے وقت، تین لاریاں قبضہ میں تھیں، ابکی صرف دو ہی ملین مجبوراً  
 انھیں دو پر سامان اور سوار یون کو تقسیم کرنا پڑا، سامان ہر چند بہت کچھ اونٹوں  
 پر روانہ کر دیا تھا، پھر بھی سناٹا ہو گیا تھا، بہت تھا، اور سامان کی زامادتی یون  
 تو ہر موقع پر کلفت ثابت ہوتی رہی، لیکن اس وقت خاص طور پر کھل گئی، آتے  
 وقت گرمی بھی ایسی زیادہ تر نہ تھی، ۱۶ اپریل تھی، اب موسم بھی اپنے شباب پر  
 آچکا تھا، مئی کی ۱۳ تاریخ تھی، پھر سفر بھی ٹھیک دوپہر کے وقت شروع ہوا  
 اور سب بڑھکر یہ کہ آتے ہوئے میں جو دونوں لاریاں ۱۳-۱۳ سوار یون کیلئے

نفل نماز وہین پڑھی جائیگی اور تلبیہ وہین سے شروع ہوگا، احرام کے معنی حرام کر لینے کے ہیں، اور اسے احرام اس لئے کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں جو پہلے جائز تھیں اس کے بعد حرام ہو جاتی ہیں، اور ان سے رک جانا پڑتا ہے اس لئے کوئی شخص محض جامہ احرام پہن لینے سے محرم نہیں ہو جاتا، بلکہ لازم ہے کہ نیت بھی احرام کی رکھے، غرض، جھٹ پٹ نہادھو احرام پہن مسجد نبویؐ و دروۃ الطہر پر رخصت ہو کے لئے حاضر ہوئے، رخصتی کا یہ سامان بھی شاید عمر بھر یاد رہے، آستانہ کے غلاموں کی حسب توفیق کچھ خدمت کی گئی، ایک ایک سے دعائے خیر کے لئے التجا کی گئی، آستانہ پاک پر الوداعی سلام عرض کیا گیا، روضہ جنت میں آخری بار رکوع و سجود کا فرض حاصل کیا گیا، اور مصلیٰ نبیؐ پر ٹھیکر دل میں جو کچھ تھا زبان پر آتا رہا، اور محمدؐ کے امتی کو جو کچھ عرض کرنا تھا، محمدؐ کے رب کے حضور میں عرض کر دیا گیا،

مدینہ سے رخصتی کا منظر بھی ایک خاص منظر ہوتا ہے، اگر تشبیہ بالکل ہی سوا ادب اور گستاخی میں داخل نہ سمجھی جائے، تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے، کہ گویا لڑکی مان کے گھر سے رخصت ہو رہی ہے، یہ اپنے ذہن سے گڑھکر نہیں کہا گیا، ایک بیوی نے اپنی بعینہ ہی کیفیت بیان کی، دوسروں کے حالات تو سنے سنائے ہیں، مگر اپنے قافلہ والوں کا حال تو دیکھا ہوا ہے، کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز، لبوں پر آہیں چہرے اترے ہوئے، منہ پر ہوا بیان اڑتی ہوئی، بدحواس و پریشان منہموم و منتشر، اور دل ہی کہ بھرتا چلا آ رہا ہے، چلتے ہیں اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں، اور دیکھنے سے جی نہیں بھرتا جی ہی چاہتا ہے کہ یہ منظر کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہ ہو،

کی کل کائنات آج صرف یہ دو بے سلسلے ہونے پر ٹہرے ہیں! اقد کے دربار میں چاہری  
 دینے والوں کی یہ وردی ہے، انڈری مشٹ خاک اور اس کے حوصلے! دیوانوں کو سودا  
 یہ ہوا ہے کہ جو بے نشان ہے، اس کے نشان کا کھوج لگائیں گے! بادلوں کو دھن یہ  
 سوار ہوئی ہے، جو بلا مکان ہے، اس کے مکان کے چکر کاٹیں گے! غار فون نے کہا ہے  
 کہ مدینہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقام جدید ہے اور کہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقام الوہیت  
 ہے، رسول اکرم سے مدینہ کو آئے تھے اور رسول کے امتی آج حج رسول ہی کے اتباع  
 میں مدینہ سے مکہ جا رہے ہیں، کیا نشانِ حرکت ہے اور کیا حسنِ صنعت ہے! اللہ خود ہی اپنے  
 بندوں کو اپنے رسول صلعم تک پہنچاتا ہے، اور پھر رسول ہی اللہ اور اللہ کے گھر کا  
 راستہ دکھاتے ہیں!

مدینہ سے حج کے لئے روانہ ہونے والوں کا میقات (احرام باندھنے کا مقام) مدینہ  
 نہیں، ذوالحلیفہ ہے، جو مدینہ سے باہر پھلتے ہی مل جاتا ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مسجد نبوی  
 میں احرام باندھ لینا افضل ہے، یہ صحیح نہیں، خود حضور انورؐ نے بھی حج کو جاتے وقت  
 احرام مدینہ میں نہیں بلکہ شہر سے نکل کر ذوالحلیفہ میں باندھا تھا، اسے اچھی طرح  
 ذہن نشین کر لینا چاہئے، لیکن خیال یہ ہوا کہ قافلہ میں اتنے آدمی ہیں، مرد بھی اور  
 عورتیں بھی، سب کے غسل کرنے کی جگہ، پردہ کی احتیاط کے ساتھ وہاں کہاں ملے گی  
 اور پھر موڑ دے، اتنے آدمیوں کو باطمینان غسل سے فارغ ہونے کی ہمت کیوں  
 دینے لگے؟ اس لئے مناسب یہ معلوم ہوا کہ غسل کر کے احرام مہین سے پہن لیا جائے  
 باقی نیت احرام ذوالحلیفہ ہی سے کی جائے گی، گویا باضابطہ احرام وہیں بندھیگا

## باب ۱۹ احرام پوشی،

ذی الحجہ کی تیسری تاریخ یکشنبہ کا دن تھا صبح کے اٹھ بج چکے تھے، کہ مزور کے یہاں سے اطلاع ملی کہ سواری کا انتظام ہو گیا، فوراً روانہ ہو جاؤ، کیا بیان ہوا کہ اس وقت دل کی حالت کیا تھی! ایک طرف یہ احساس کہ مدینہ سے جدا ہونے کی آستانِ رسولؐ سے دور ہونے کی گھڑی آگئی، دوسری طرف یہ فکر کہ اب چلنے میں اگر کچھ بھی تاخیر کی، توجہ کے فوت ہو جانے کا اندیشہ، ٹھہرنے کی تو اب کوئی صورت ممکن نہیں، لیکن چلنے پر بھی دل کو ذوق و شوق کے ساتھ کیونکر آمادہ کر لیا جائے؟ پھر مزور کی طرف سے بار بار جلدی کی تاکید، اور یہ دھکی کہ چند لمحوں کی دیر میں بھی ممکن ہو کہ سواری پر کوئی دوسرا قبضہ کر لے، اور اپنے ہاتھ سے پھین جائے! بہر حال جس طرح بھی بن پڑا، جلدی جلدی اباب باندھا جون تو ن غسل کیا، کپڑے اتارے، اور اس قسم کا لباس تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں اور کپکپاتے ہوئے دل کے ساتھ زیب تن کیا، جو زندگی کے خاتمہ پر امیرِ غریب، عالم و عانی، زاہد و فاسق، بڑے اور چھوٹے، ہر مسلمان کے حصہ میں آتا ہو! آج نہ ٹوپی ہو نہ عمامہ، نہ عبا ہے نہ شیر وانی، نہ قمیص ہو نہ پاجامہ، صرف ایک چادر ہو اور ایک تہ بند الباس

اللہ کے پیار سے اوداؤں کے پیاروں کا شہرہ چکا ہے، اس دور یا جو بیت میں ہر  
 اگر کہیں کوئی جگہ بھی پناہ کی ہو تو بجز اس آستان پاک کے اور کہاں ہو؟ آج رخصتی  
 اس دہ بار سے تھی! آج کو چ اس جنت ارضی سے تھا! آج فراق اس دیار حبیب کے گلی  
 کو چوں سے ہو رہا تھا! آدم جس طرح جنت سے جدا ہوئے ہیں اس قصہ سے سب  
 واقف ہیں لیکن ابن آدم کو جب فخر آدم و فخر نسل آدم کی گلیوں کو چھوڑنا پڑا تو  
 اس وقت اس کے دل پر کیا گزرتی ہو یہ داستان کون سنائے اور کس کو سنائے؟





نہیں دیتا، البتہ مسجد مبارک کے مینار نظر آرہے ہیں، اور دوسری سے دل کو تسلی دیر ہے، ہن، ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد نگاہ اُن کی طرف میا ختم اٹھ جاتی ہے، عشا کی نماز کے بعد مین میدان میں بستر لگائے گئے، ایک میلہ کی سی کیفیت ہے، عراقی، افراسانی، ہندی، مصری، سیکڑوں پر ویسی یہاں سے وہاں تک بستر بجائے لیٹے ہیں، ہم، ذی الحجہ کی صبح ہوئی، اور صبح سے پھر انتظار شروع ہوا، نو دس بجے کے قریب خدا خدا کر کے دوسری لاری ملی، مگر اس کے شو فر صاحب فائب تھے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے مزید انتظار کے بعد وہ تشریف لائے، ثواب ضابطہ کی کارروائیاں شروع ہوئیں، خلاصہ یہ کہ عین دوپہر کو ٹھیک نماز ظہر کی اذان کے وقت لاریوں کو روانگی کی اجازت ملی، اور شہر برینڈ پک کے پچانک سے قدم باہر ہوئے،

ذیقعدہ کی پہلی تھی، جب اسی پچانک سے اس نور و برکت والے شہر میں داخل ہوئے تھے، ذی الحجہ کی چوتھی کو اسی پچانک سے، اسی رحمت و مغفرت والے شہر سے باہر نکلے، جہاں ایک دن کا بھی قیام اگر میرا جائے، تو تقدیر کی یاوری، اور ابواء و متقین کی نصیبہ وری ہے، وہاں ایک دن نہیں، دو دن نہیں، اکٹھا ۳۳ دن کی حاکم ایک بتاہ کارنامہ سیاہ کو نصیب ہوگئی، شانِ کرمی کے بھی عجیب عجیب انداز ہیں، جس کو چاہیں، دم بھر میں الامال کر دیں، جس تہی دامن کو چاہیں، ایک پل میں نوازدین، جس ریگستان کو چاہیں، آن کی آن میں گلزار بنادیں، جس آتشکدہ کو چاہیں، حشمتِ ذن میں پھول کھلا دیں، نہ کریم کا دستِ کرم کو تباہ ہونے والا ہے، نہ بخشش کا خزانہ کبھی خالی ہونیوالا ہے!

رخصت ہوئے اور کوئی کیا رہیے تاکہ سارا قافلہ اغرابیوں پر سوار اٹلیش پہنچ گیا،  
 اٹلیش پہنچنے تو یہاں کا منظر ہی دوسرا تھا، ایک انار و صدیوار کا ٹون سے سنا تھا  
 ایک لاری و صدیوار، آنکھوں سے دیکھا، ایک نفسی نفسی کا عالم، وہ ہجوم وہ کشمکش کہ میدان  
 حشر کا بھولا ہوا نقشہ آنکھوں کے سامنے!

لے تین تین لاریاں ملی تھیں، دو پر سوار یاں سوار ہوئی تھیں، ایک خالی بہ نظر احتیاط  
 ہمراہ تھی، اور اسی پر سامان بھی لا دیا گیا تھا، آج تین لاریوں کا تو خیال بھی نہیں  
 آ سکتا تھا، دو کے ملنے کی بھی کوئی توقع نہیں! ادھر کوئی لاری آتی ہوئی دکھائی  
 دی، اور ادھر بغیر اس خیال کے کہ لاری کس کبنی کی ہو، اور کس کے لئے لائی گئی ہو  
 ہجوم بے تحاشا اس پر حملہ آور ہوتا، بدزبانی اور دھکے تو معمولی بات تھے، انوبت اس  
 بڑھ کر بھی آجاتی تھی، ہمارے لئے ایک لاری آئی، اور اس کے ساتھ بھی یہی ماجرا پیش  
 آیا، انجیون کا ایک دستہ بے تحاشا اس پر ٹوٹ پڑا، ہم لوگ تو کیا مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن  
 جینی صاحب نے ماٹار لاری پر سوار ہو کر پوری قوت سے مقابلہ کیا، اور گو اس  
 محرکے میں اتنے زخمی ہوئے، کہ ہاتھ سے خون جاری ہو گیا، لیکن سودی پولیس کے  
 ہنڑوں کی اعانت سے بالآخر کامیاب رہے، غرض ایک لاری پر جون توں قبضہ ہوا  
 لیکن اس کے بعد اب دوسری لاری عتقا تھی، اگھنٹہ، دو گھنٹہ، چار گھنٹہ، دوپہر سے  
 سہ پہر، اور سہ پہر سے شام ہو گئی، ظہر کے بعد عصر اور عصر کے بعد مغرب کی نماز بھی ختم  
 ہو گئی، لیکن دوسری لاری کا انتظار ختم نہیں ہوا، اگو یا دینہ سے رخصت ہو کر پھر بھی دینہ  
 ہی میں ہیں، مسجد نیوٹی یہاں سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، گنبد خضر، تو دکھائی



ہزاروں حاجی روانہ ہو گئے، اور پچاسوں اور سیکڑوں ہر صبح اور شام روانہ ہونے لگے، دل خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے میاب تھا اور کون بد بخت ایسا ہو گا جو ہر روز کعبہ کی طرف پانچ پانچ مرتبہ جھکے اور سجدہ کرے، اور اس کی زیارت و طواف کا ارمان دل میں نہ رکھتا ہو، لیکن آستان زمرات سے جدائی بھی ایسی شے نہ تھی جسے آسانی سے گوارا کر لیا جاتا، دن گزرتے گئے، تاریخین ملتے گئیں، یہاں تک کہ ذیقعدہ کی پہلی آخری تاریخیں آ گئیں، اور اب تو بہر حال روانگی کی فکر کرنی ہی پڑی، حرمین موزر کمپنی کے دفتر میں کئی روز قبل سے اطلاع کر دی تھی، کہ یکم ذی الحجہ تک لاریاں ضرور مل جائیں، اور اسکا پختہ وعدہ بھی ہو چکا تھا، لیکن پہلی تاریخ آ گئی، اور لاریاں نہ آئیں، ۲۴ ذی الحجہ کو مسجد قبا جانا ہوا تھا، اتفاق سے وہیں شیخ عبدالغفل (میں) واپس آئے، اپنے شتم و خدم کے آگئے، اور یہاں سے خود ہی اخلاق و محبت سے بڑھ کر ملے، علاوہ اوپر حیثیتوں سے ذی اختیار ہونے کے، حرمین کمپنی کے مالکوں میں بھی بہن، ان سے ذکر آیا، کہ سواری ملنے میں دقت ہو رہی ہے، اسی وقت اپنے کسی سکریٹری کو حکم دیا کہ سواری کا انتظام فورا کیا جائے، اس کے باوجود بھی پہلی کو سواری نہ ملی، بعداً غفل صاحب کے مکان پر جا کر پھر کہنا پڑا، کمپنی کے منجر علی کے نام اسی وقت خط لکھ دیا، اس خط کے باوجود بھی کامیابی فوراً نہیں ہوئی، صبح وعدہ ہوتا تھا کہ دوپہر کو لاری مل جائیگی، دوپہر کو شام کا وعدہ ہوتا تھا، اور شام کے وقت پھر صبح کا حوالہ دیدیا جاتا تھا، پہلی گندی دوسری گندی، تیسری کی صبح ہوئی، اٹھو اور نویسے کے درمیان ہمارے مزدور کے محبت شیخ جنینی نے اگر خوشخبری سائی، کہ لاری انیشن پر ملے گی، فوراً روانہ ہو، جلدی جلدی جس طرح بن پڑا، سامان باندھا، غسل کیا، احرام باندھا، مسجد نبوی اور روضہ انور سے

ہیں، جب جا کر روانگی کی نوبت آتی ہے، بعض عارفوں نے کہا ہے کہ سچ ایک عبادت  
 عشقہ ہے، اس کے تمام ارکان و اعمال میں عاشقوں اور دیوانوں کے سے کام کرنا  
 پڑتے ہیں، یہ اگر صحیح ہے، تو اس کے آثار اس سفر کے ہر جزو میں  
 ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ارادہ کو توڑنے والے اور خودی کو مٹانے والے سبق قدم  
 قدم پر ملتے رہتے ہیں، اور جن کو اپنے اوقات کی خوش نظمی اور اپنے پروگرام کی پختگی  
 پر بھروسہ رہتا ہے، انہیں اپنے نظام اوقات کو بار بار بدلتے رہنے پر مجبور ہو جانا  
 پڑتا ہے، اللہ کے گھر کا سفر اللہ ہی کے ارادہ کے مطابق ملے ہوتا ہے، اور بندہ کو ہر ہر  
 لمحہ یاد دلایا جاتا رہتا ہے کہ کم سے کم اتنی دیر کے لئے تو اپنے ارادہ کو منسوب کر کے  
 اپنی بندگی، سیجاری، اور بے بسی کو محسوس کرنا سیکھے، اور انہوں کے متعلق تو کوئی ذرا  
 تجربہ حاصل نہیں ہوا، یہ "جگ بیتی" ضرور سنتے ہی رہے، البتہ موٹر دن کے سلسلے  
 میں "جگ بیتی" بھی گزری اور "آپ بیتی" بھی، جدہ میں عینی موٹر کینان مدینہ منورہ  
 کے لئے ہیں، سب کے پھوٹے پھوٹے دفتر مدینہ میں بھی موجود ہیں، اور تار اور ٹیلیفون  
 کے ذریعہ سے جدہ اور مدینہ برابر ہمکلام رہا کرتے ہیں، ہم نے جدہ سے جو لاریاں کی  
 تھیں، ایک مہینے کے لئے کی تھیں، اور حسب قاعدہ پورا کر ایہ پیشگی دے چکے تھے،  
 پہلی ذیقعدہ کو داخل ہوئے تھے، ذیقعدہ کے آخری ہفتہ کی ابھی ابتدائی تاریخیں  
 تھیں، کہ بعض رفیقوں نے چلنے کی عجلت شروع کی، انکا کہنا تھا، اور یہ کہنا جا رہا  
 تھا، کہ عین وقت کے وقت مکہ پہنچنے سے عجین بے لطفی رہے گی!

ماہ ذیقعدہ کا وسط گزرا، ۲۰ تا ۲۱ گزری، ۲۲ گزری، ۲۵ گزری، سیکڑوں

ہوتی ہے، لیکن بہ نظر احتیاط مناسب یہ معلوم ہوا کہ مسلم سے بے نیاز ہو کر بھی کوئی محتول تھا  
 قیام کا ہو رہے، کہ کا مدرسہ صولیۃ مشہور مدرسہ ہی، مولانا رحمۃ اللہ ہندی مہاجر کا قیام  
 کیا ہوا، اس کے ہمت مولانا محمد سعید صاحب ہم لوگوں کے ہندوستان سے چلتے وقت  
 اپنے وطن دیکر اندھلے مظفر نگر، میں تھے انھوں نے ایک تعلق نامہ اپنے صاحبزادہ اور قائم مقام مولوی سلیم  
 صاحب کے نام دیدیا تھا وہ تجارت نامہ اپنے خط کے ہمراہ دینے سے مولوی جہاں موصوف کے نام روانہ کر دیا گیا تھا  
 کی واپسی کے ساتھ ہی جواب آیا، ایک ایک لفظ اخلاق و اخلاص شوق و اشتیاق میں ڈوبا ہوا  
 لکھا تھا کہ مدرسہ کی جدید و وسیع عمارت میں متعدد کمرے بہ سرت تمام خالی رہیں گے  
 لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں رہ کر اخلاق میں خشکی اور خشونت آجاتی ہے، لیکن اگر اس کا  
 نمونہ مولوی سلیم صاحب کی تحریر کو قرار دیا جائے، تو خدا کرے، ایسی خشکی اور خشونت  
 سب کو نصیب ہو کر کار نظام کی طرف سے بھی تین رہا طین کہ منظر میں ہیں، مولانا شردا  
 اور اختر مینائی صاحب کی عنایت سے ان کے ہمت دار وفد حبیب اللہ صاحب کے نام  
 بھی خطوط مل گئے تھے، ان استقامات کے بعد قیام کی طرف سے دل مطمئن ہو گیا تھا

مدینہ سے واپسی کے وقت ایک بڑا اہم مرحلہ سوار یون کے دستیاب ہونے کا  
 ہوتا ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ زامعج قریب آجائے، اونٹ ہون خواہ موٹر و  
 کی فراہمی میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، اور اپنی پسند کے لائق اچھی سواری  
 کا ہم پہنچ جانا تو محض ایک خدا داد نعمت ہے، اتنے بڑے ہجوم میں قابل اطمینان  
 انتظام قائم رہنا آسان ہے بھی نہیں، کئی کئی دن مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہے، جب  
 کہیں جا کر سواری کا ٹھیک ہوتا ہے، اور بڑے بڑے پختہ وعدے بار بار ٹوٹ لیتے

ہجازی، نہ جاننا زبانی و لے حجازی، سب کی سب فرنگی کا قانون کی بنی ہوئی،  
عبائین بھی عموماً باہر کی بنی ہوئی ملحقین تلاش سے عراق و شام کی بھی لمبائی میں  
لیکن بہر حال مدینہ کے بازاروں کی ہوا تو انھیں لگ ہی جکتی ہے اور خوش عقیدگی  
کی آنکھ میں محبوب بنانے کے لئے اس قدر نسبت بھی بس ہے، یہ سارا سامان اور  
زائد سامان سب کئی دن قبل سے اونٹوں پر لاد کر جدہ، اپنے وکیل کے ہاں بھجوا  
گیا، اور یہ سارا انتظام مولانا میر احمد کے معرفت سہولت و بکفایت ہو گیا اور نہ  
موٹر پر اپنے ہمراہ یہ سارا سامان لاد کر لیچلنا بڑی زحمت کا باعث تھا، اتنے بوجھ کے  
لئے مستقل لاریاں الگ کرنی پڑتیں اور خدا جانے کتنا صرف کرنا پڑتا، مکہ معظمہ  
میں قیام بہت مختصر کرنا تھا، اس لئے ساتھ کے لئے صرف بالکل ضروری سامان  
رکھا گیا اور باقی سب سامان اونٹوں پر جدہ روانہ کر دیا گیا،

چلنے سے قبل ایک فکر یہ ہوئی کہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنا کہاں ہوگا اگر می کی شدت  
حاجیوں کا، ہجوم عظیم، بوڑھوں کمزوروں اور عورتوں کا ساتھ، فکر صرف یہی نہ  
تھی، کہ ٹھہرنا کہاں ہوگا بلکہ یہ تھی، کہ آرام و آسائش کے ساتھ کہاں ٹھہرنے کو  
ملے گا، اللہ کے گھر جا رہے تھے، اللہ کے حکم سے اللہ کے ہمان ہو رہے تھے، چاہئے  
یہ تھا کہ عمان داری کی ساری فکرین صاحب خانہ اور میزبان ہی پر چھوڑ کر، خود  
بالکل بے فکر رہتے، لیکن ایسا صرف اللہ والے ہی کر سکتے ہیں، زبان سے کہہ دینا  
ہو، لیکن عمل ہم جیسے آرام طلب، تن پرور، اور سست ہمت دینا طلبیوں کے لئے ممکن  
نہ تھا، حاجیوں کے اتارنے اور ٹھہرانے کی ذمہ داری، عذابِ بطن سے معلم کے سر

اتنی تناؤں اور آرزوؤں کے بعد نصیب میں آئی تھی، وہ اس بے پروائی اور سیدرہی کے ساتھ ضایع کی گئی، کہ شاید دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مسرت بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

چوپریش گنم روزِ حشر خواہد بود،

تمکاتِ گناہان خلق پارہ کنند!

بہر حال جو کچھ ہونا تھا، ہو کر رہا، شکین و شلی کا اگر کوئی ذریعہ اور کچھ سہارا ہو تو صرف یہ کہ دربارِ رحمتہ العالمین کا تھا، اور سابقہ اس سے پڑنے والا ہی جو رحمتِ رحیم ہے!

عصیان اور محبت پروردگارِ ما

این را نہایت ست نہ آرا نہایت!

مدینہ منورہ کا بڑا اتھتہ یہاں کی کھجورین میں، قافلہ کے ہر شخص نے ان کی ایک ایک اچھی خاصی مقدار وطن کے عزیزوں اور دوستوں کے واسطے خرید کی اور نیت کسی کی بھی نہ بھری، مین کے ایک کنسٹرین تقریباً ۱۳ سیر کھجورین آتی ہیں، محض بار برداری کی دفتوں کے خیال سے ایک ایک دو دو مین کے کنسٹر بھر کر ہر شخص نے لین، اور نہ جی تو یہی چاہتا تھا، کہ اتنی مقدار میں لیچلے، کہ کھانے والوں اور دیکھنے والوں سب کا جی بھر جائے، بعض صاحبوں نے جاننا زین، رومال، عبائین، تہبجین، خاک شفا کی ٹکیاں، روضۃ انور کی جلی ہوئی موم بتیان، اور ہر طرح کے تبرکات بھی خرید کئے، جاننا زین مدینہ کیا معنی حجاز بھر میں کہیں کی بھی بنی ہوئی نہیں ہوتی، نہ انکا کپڑا حجازی، نہ کپڑے کا سوت حجازی، نہ سوت کا تنے والے

# باب ۱۵

## چل چلاؤ

دن گزرتے دیر نہیں لگتی، دیکھتے دیکھتے روانگی کا زمانہ آن لگا، اور  
 یہ تو خیر چند مہینوں کا زمانہ تھا، جلد کچا جانے والا تھا ہی، ساری ساری عمریں ایسی ہی  
 تیزی اور روانی کے ساتھ گزر جاتی ہیں، اور پتہ بھی نہیں چلنے پانا، کہ بچپن کے کھیل  
 کب کھیلے، جوانی کی نیند کب سوئے، اور ضعیفی کے گوشہ تنہائی میں کب بیٹھے! —  
 ایک دن وہ تھا، کہ مدینہ آنے کی آرزو میں تھیں، کیسے کیسے منصوبے باندھ جا رہے تھے  
 کیا کیا خیالی پلاؤں پر رہے تھے، ذوق و شوق کی کیسی کیسی انگلیں دل میں اٹھ رہی  
 تھیں، کیا کیا حوصلے تھے، کیا کیا ولولے تھے، سینے میں کیا کیا تمنائیں تھیں، اب پر کیا  
 کیا دعائیں تھیں! اور ایک دن یہ آگیا، گویا (اور گویا اپنے وقت ہی پر، لیکن ایسا  
 محسوس ہو رہا تھا کہ یک بیک آگیا) کہ چل چلاؤ کی تیاریاں ہو رہی ہیں، اب بستر لیٹے  
 جا رہے ہیں، سامان باندھا جا رہا ہے، سواریوں کی فکر ہے، اور ایک ایک سے مل کر  
 زبان پر الوداع و الفراق!

آئے تھے کیا کرنے اور کیا کر چلے!

غفلت و شامت نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا، اور وقت کی جو بے بہادری

دو دھائی ہزار میل کے فاصلہ پر رہ کر ڈیڑھ دو مہینے کے بعد اپنے والوں کی خبر پتہ نہ مل سکی جو  
 کرتی ہو کیا یہ قلب کی قسوت یا سنگدلی ہو؟ کیا رحمتِ عالم کے آستانہ پر پہنچ کر اپنے عزیز  
 قریب یوں ہی بھلا دیئے جاتے ہیں؟ یہ صورت تو نہ تھی، اپنے دلے کوئی بھی بھولے نہ تھے،  
 والدہ ماجدہ کی خبر خبریت میں خاص طور پر دل لگاتے رہا تھا اور دُعا و خیرات میں حاضری  
 کے وقت رحمۃ اللعالمین کے واسطے سے رب العالمین سے دعائیں مانگنے کے وقت تو خاص  
 خاص عزیزوں اور دوستوں کا ذکر نہیں، خدا معلوم کون کون بھولے ہوئے، اور کہاں  
 کہاں کے دور و دور کے محض شمسائیک یا دوڑ جاتے تھے، البتہ دل پر ہر وقت یاد کسی کی  
 بھی غالب نہ رہتی، اسے اگر محض سرزمینِ پاک کی برکت اور جوارِ آستانہ رسولؐ کے تصرف  
 تمہیر نہ کیجئے، تو اود کیا کئے!



آب دہوا بہت اچھی ہے اور کوئی شخص اگر خود ہی بدرہیز بیان اور بے احتیاطان نہ شروع کر دے تو بیمار پڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہمارے قافلہ کے اکثر لوگ بیمار پڑے لیکن جلد اچھے ہو گئے۔ مکانات عموماً صحن سے خالی ہوتے ہیں اگر اسکی تلافی بالا خانہ کی کھڑکیوں اور کھلی ہوئی چھتوں سے ہو جاتی ہے اکثر مکانات میں ٹھنڈے سے غلے بھی ہوتے ہیں ہسترون کی کوئی قوم یہاں آباد نہیں اس مکانات میں کنوئین کی طرح گھرے گڑھے ہوتے ہیں وہی پاخانہ کی سڈاس کا کام دیتے ہیں ضروری ہو کہ فائل وغیرہ بدبو مارنے والی دوائیں اکثر چڑکی جاتی رہیں قیام اگر دو ہی چار روز کا ہے تو ہر مکان میں گذر ہو جائیگی لیکن اگر کچھ زیادہ روز حاضر رہنے کا ارادہ ہوا تو خصوصاً جگہ پر بھی ہمراہ ہوں چاہئے کہ مکان تلاش کر کے اپنی پسند اور کل ضرورتوں کے مطابق لیا جائے اس میں بے پروائی، گنجوسی کو نہ دخل دیا جائے اگر مکان تکلیف دہ ہو تو قلب کو تشویش رہیگی اور کیسوی نصیب نہ ہوگی بشری ضرورتوں اور آسائشوں کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو جانا اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے ہر شخص کو اپنے متعلق جس طن نہ قائم کر لینا چاہئے بعض مکانات بہت ہی شاندار اور گھٹیا دیکھنے میں آئے، اکثر تہ ضرورتہ شیخ عبدالقادر (رحمۃ اللہ علیہ) کی قیامگاہ پر جانا ہوا بڑا لائق و دق احاطہ اور کچھ رون کا باغ نہایت وسیع شاداب درمیان میں ہندوستان کے رئیسوں کی طرح ایک بلند گوئی

وطن چھوڑے ہوئے آٹھ دس مہینے ہو چکے، مگر وطن کی یاد کچھ زیادہ نہیں آئی، ہندوستان کی ڈاک یہاں نیچے میں تین بار (ہر دس دس دن کے بعد) تقسیم ہوتی ہے، اور جلد سے جلد ایکٹ کی مدت میں وہاں سے پہنچتی ہے۔ — یہاں کا ڈاکخانہ اپنے ارتقاء کی ابھی بالکل ابتدائی منزل میں ہے۔ — لفافہ پر تین آنے کا ٹکٹ لگتا ہے بعض عزیزوں اور دوستوں کے خطوط آئے اور انھیں پا کر دل کو خوشی بھی ہوئی، مگر ویسی خوشی نہیں ہوئی جیسی ایک مسافر کو اپنے وطن سے



لئے جاتے اور مسجد نبوی کے اندر محراب عثمانی کے سامنے نماز پڑھائی جاتی اور وہ صحنہ اقدس کے سامنے سے اور کبھی پشت سے روضہ جنت کے اندر ہوتے ہوئے باب حیرت سے میت کو باہر لاتے اور بیچ میں لیجا کر سپرد خاک کر دیتے اللہ اللہ! ان مردوں پر کتنے زندوں کو رشک نہ آیا! مدینہ کی موت مسجد نبوی کے اندر غائبانہ اور رسول کریم کے مہم وطن اور مہمانوں کی دعا مغفرت، بخشش است کے مواہد مبارک یا سرانے سے میت کا گذرنا بیچ کا قبرستان جس کے لئے اتنے سالانہ رحمت جمع ہو جائیں اس پر کیونکر رشک نہ آئے! بیچارہ فرنگی! ایمان کی لذت و حلاوت سے نا آشنا! اپنی جان پر ہر وقت جان دیتا رہتا ہے، اسے کیا خبر کہ اس ناسوتی زندگی سے ہرگز بھی کوئی زندگی ہے! اقبال کا یہ شعر بھولنا نہیں، رہ رہ کر یاد آتا ہے،

دین اور کو حضور یہ پیغام زندگی، ہم موت ڈھونڈتے ہیں زمین بجا زین!

مدینہ پاک سامنے حجاز کا طرز مسامرت، ظاہر ہے کہ ہندوستان سے مختلف ہے، لیکن ایسا مختلف نہیں کہ دل کو اس سے وحشت ہو یا زیادہ مانوس معلوم ہو! بس ایسا ہی اختلاف ہے، جیسا خود ہندوستان کے مختلف صوبوں، بلکہ ایک ہی صوبہ کے دور دراز شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے، زبان اور ذوق ضرورت، اچھی خاصی سمجھ لی جاتی ہے، اگر عربی بولنے پر قدرت ہو تو سب جان ورنہ کوئی ضروری کام خالی اور دو جانتے والوں کا بھی اسکا نہیں رہتا، مدینہ کا موسم بھی کچھ ایسا سخت نہیں، پریل اور آغاز مئی کا تجربہ ہی گرمی سخت اور دھوپ تیز تھی، لیکن ہم یوپی کے لوگوں کو تو کوئی غیر معمولی شدت نہیں محسوس ہوئی، اور میان میں بارش کئی بار ہوئی، اور تین عموماً ٹھنڈی اور خوشگوار رہتی تھیں، اور بارش کے زمانے میں تو اچھی خاصی سردی پڑی، ایسی کہ جو لوگ کافی سا سہارا نہیں رکھتے تھے، انھیں تکلیف اٹھانی پڑی، راتوں کو کمرہ کے اندر بھی دولائی یا کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی

ہندی تاجرون میں اطراف بمبئی کے ایک صاحب عبدالغنی نامی ہیں، چاہے، اور غلہ کی دوکان ہو، دوکان کا نام عثمان احمد و شرکا ہے، بڑے عمدہ و خوش رنگ و ارا معمولی تعارف پر ہر طرح امداد و سنگیری کرتے رہتے، اللہ انہیں جزائے خیر دے،

ہم لوگ کیم ذلتیدہ کو داخل ہوئے تھے ہندی عشاق میں معلوم نہیں کتنے ایسے تھے جو اس سے بھی قبل سے بیان حاضر تھے، ہندی امیر احمد صاحب کا کوری کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے، بیشتر سے مجاز آچکے تھے، اور مکہ معظمہ میں حاضری دیکر اور عمرہ سے فارغ ہو کر آستان حبیب پر مقیم تھے، اسی طرح مولوی غلام بھیک صاحب نیز گت (ایڈوکیٹ انبالہ و معتمد انجمن تبلیغ) بھی ایک مدت سے حاضر آستانہ تھے، ان صاحبوں کے ذوق و شوق کا کیا پوچھنا، جس دربار کی زیارت اگر ایک دن کے لئے بھی میرا جائے، تو خوش قسمتی ہو، وہاں یہ حضرات ہمیں ان کی مسلسل حاضری سے بھی سیر نہ تھے، بہار کے ہومیو پیتھ ڈاکٹر عبدالرحمن بھی حکومت نظام حیدرآباد کی طرف سے خدمت حجاج پر متعین، یہیں مقیم تھے، اور فرائض علاج و تیمارداری کے علاوہ، یوں بھی ہر طرح پر حاجیوں اور زائرین کی خدمت میں لگے رہتے تھے، خدا جانتا کہ کتنے لوگوں کے کام ان کے ذریعہ سے نکلے تھے، حیدرآباد کے وکیل مولوی ابوالخیر خاں صاحب جو سچ کے صفحات میں کبھی کبھی جلوہ گر ہو چکے ہیں، اور فیض آباد کے منشی محمد عالم صاحب سے، جن سے بہت قدیم خاندانی تعلقات ہیں، بارہا ملاقاتیں ہوتی رہیں زیادہ لینے جلنے کی یہاں فرصت کے تھی، ہر شخص اپنے اپنے مشاغل میں مست تھا، پھر بھی بشریت سے منزہ تو کوئی ہو نہیں گیا تھا ملاقاتیں بھی ہوتیں اور دعوتیں بھی، آپس کے لوگ ہنستے بھی اور بولتے بھی، بعض خوش نصیبوں کی موت بھی اس پاک سرزمین پر آتی دیکھی، ہجرت

ہیں ان کی یاد بھی شکر گزاری کے ساتھ دل میں قائم ہے۔ لکھنؤ کے فاذاں فرنگی محل کے ایک ممتاز و من رکن، مولانا عبد الباقی صاحب بھی سالہا سال سے ترک وطن کئے ہوئے یہیں مقیم ہیں اور مدرسہ نظامیہ کو چلا رہے ہیں بڑی شفقت اور بزرگانہ فوازش سے پیش آئے، اور اپنے ہاں ٹھہرنے پر اصرار فرماتے رہے ان کے مدرسہ کی عمارت بہت وسیع اور مہمانوں کیلئے ہر طرح آرام دہ تھی، لیکن مجدد نبویؑ سے ذرا حاصل پر تھی اس لئے معذرت کر دینی پڑی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) نفس علاج نہایت ضروری ہے اور مرض سے بے پروائی مریض کیساتھ دوستی نہیں، دشمنی ہی صحیح علاج صرف یہ ہے کہ صحیح دینی تعلیم میں لگا کر اور ایثار و استغناء وغیرہ قندی کاغذی غونہ پیش کردہ کے عادتوں کو گہرے سے روکا جائے اور بگڑی ہوئی عادتوں کو حتی الامکان درست کیا جائے، اللہ کا شکر ہے کہ اس خطہ پاک کی اس اہم خدمت کا شرف ہمارے ایک ہندی بزرگ کے نصیب میں آیا ہے اور انھوں نے نہایت صحیح اصول پر ایک نئی درگاہ مدرستہ انیسائی کے نام سے انھیں اصلاحی مقاصد کے ساتھ حرم نبویؐ یا محل متصل قائم کر دی ہے، ان بزرگوار کا (جو سنا تو غلطاً نہیں سمجھتا اور اپنے صحیح معنی میں ایک قابل حدیث بزرگ ہیں) اسم مبارک مولانا امجد احمد تغیر آبادی ہر حضرت مولانا حسین احمد صاحب (شیخ الحدیث دیوبند) کے برادر کلان ہیں ان کو اپنی ہر حور و حیران سوال کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں اور سکا یہ شخصیت سمانہ ٹولانا سمانہ من صاحب گیلانی کے قلم سے انشاد شدہ زندہ نمبر میں نکلیگا، مختصر اس وقت اس قدر عرض ہے کہ پیر کے جو پڑھے و سنے اس لئے اپنے دل میں اپنی زندگی حقیقی خدمت کاروں اور دلولہ دکتے ہوں، وہ جلا تا مل، اور بے تکلف، اس در کی اعانت کو اپنا مرض سمجھیں مولانا موصوفت بزرگوار میں اور قابل اعتماد و اطمینان بزرگ، اس زمانہ میں تلاش کے بعد بھی شاید نہ مل سکے،

روپیہ بھیجے گئے تھے۔ (۱) حکیم فاکر عبد علی صاحب، گوینہ و دیکھنوار (۲) کوٹھی حاجی علی جان چاندنی جو کہ دہلی، (۳) عبد الشہبانی عبدالقادر غفران، گوئیوی اشرفیہ میں (۴) مولانا محمد ذکریا صاحب کاغذ نوی شیخ الحدیث سہروردی صاحب (۵) مولانا محمد

باقی جو چند مخصوص گھرانے اہل اہل مدینہ یعنی سادات و انصار کے رہ گئے ہیں، انکے اخلاق اور ان کے جوہر شرافت کا کیا کتنا اہم لوگوں کو قدرۃ بندیوں ہی سے ملقبہ زیادہ پڑا، ان سب میں ایک بار پھر سب پہلا نام قلم کی زبان پر ڈولانا سید احمد فیض آبادی کا آتا ہی، جنھوں نے مسافت کو ہر پہلو سے گویا وطن بنا دیا، اسی میں آتا ہی کہ اس مگر اخلاص و ایثار اور مجتہد بے نفسی و خدمت خلق کے راز و ن کو خوب کھول کر بیان کر دیا جائے لیکن پھر انھیں کی ناخوشی و ناگواری کا خوف غالب اگر زبان کو روک دیتا ہو اب یہ اللہ ہی جانے کہ نفس کا اتنا پاک ہو جانا، حرم رسول کی تیس سال کی مجاہد کی برکت ہی یا نفس پہلے ہی سے خود اتنا پاک ہو چکا تھا، کہ اُس نے وطن اور عزیزان وطن سے ہزاروں میل دور کسی کے آستان پاکھی پڑے رہنے پر آمادہ کر دیا، اللہ ان کے مقاصد دینی و دنیوی پورے کرے، اور ان کے مدرسۃ الیتامیٰ کو اپنے خزانہ غیب سے مالا مال کرے، انھیں کے ہمنشینوں میں ایک صاحب منشی محمد حسین فیض آبادی

لے اس مدرسہ کے متعلق سچ نمبر ۱۲ جلد ۱۱ میں تب ذیل نوٹ شایع ہوا ہے:-

### مدینہ طیبہ کی ایک صحیح خدمت

حجاز کا سفر کے بغیر اہل حجاز کی موجودہ دروناک اور عبرتناک پستیوں کا اندازہ نہیں ہوتا۔ مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں اس کی بیشمار فضیلتوں اور بے حساب برکتوں کے باوجود یہ منظر دیکھ کر قلب کو کس درجہ تکلیف ہوتی تھی، کہ ہر ہاتھ ہر موقع پر آپ کی طرف پھیلا ہوا ہو، اور وہ جنکا کام غیر تمدنی و امتنا کا سبق دینا تھا، عین اُس محترم سہی کے جو ار محترم میں، جس نے مسجد سوال کو ناجرام ٹھہرایا ہو، ہر مرحلہ اس کے حکم کو توڑ رہے ہیں، اسکا علاج سختی نہیں، اور اہل مدینہ کے ساتھ سختی اور بیدری تو کسی صاحب ایمان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی، تاہم

سیاہ و سرخ، جتنے طرح کے، اور جس نرخ کی چاہئے، لیجئے، اتنے لذیذ و نفیس، کہ پٹ بھر جائیگا، لیکن جی نہ بھر گیا، افسوس ہے کہ ہندوستان زیادہ مقدار میں لانا اول تو دشوار و زحمت طلب، اور پھر اگر دشواریاں برداشت کر کے لایا بھی جائے، تو یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہرتے نہیں، خراب جاتے ہیں، پٹنی میں جو کچھ رستے ہیں، وہ عراق وغیرہ کے ہوتے ہیں، مدینہ کے کچھ رجز مدینہ کے اور کہیں نہیں دستیاب ہوتے، دوسری ماویٰ نفٹ، اس سے بھی کہیں بڑھ کر، مدینہ شریف کا پانی ہے، زبان اس کی تعریف سے حقیقتہً قاصر ہے، اتنا سرد، اتنا لطیف، اتنا سبک، ایسا اضم، پانی، شاید پردہ لدغض پر کہیں بھی نہ ہو، بار بار برف کا دھوکہ ہوتا تھا، جتنا چاہئے پیتے چلے جائیے، اور ابھی گرائی نہ محسوس ہوگی، جنت میں جو پانی، ساتی کوثر کے ہاتھ سے ملیگا، شاید اسی کا ایک نمونہ اس جنت ارضی میں دکھادیا گیا ہے، افسوس ہے کہ اس تحفہ کو مدینہ سے باہر لانے کی کوئی صورت اس وقت تک ممکن نہیں،

مکانات کے کرلیے بہت ارزان، موسم حج میں نہ گران ہو جاتے ہیں، پھر بھی کہاں تک؟ کوئی پرانا مکان خریدنا منظور ہو، تو وہ بھی بہت سے داموں میں ملتا ہے، اللہ عزوجل رحمت کرے مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کو، اس طمع میں ایک مکان مدینہ طیبہ میں خرید رکھا تھا، کہ شاید اسی ہمارے حشر میں اہل مدینہ میں شمار ہو جائے! یہ راہ ہر خوش عقیدہ مومن کے لئے اب بھی کھلی ہوئی ہے، آبادی میں بیرونی حضور کثرت سے شامل ہو گیا ہے، ترک کرد، عراقی، ہندی، بھاری، نجدی، مغربی، خدا معلوم کتنے خاندان کے خاندان باہر سے آکر آباد ہو گئے ہیں، سب کے اخلاق اور سب کے مزاج جدا گانہ،

رہنے کی تمنا نہ ہوگی؟

یوں تو سال کے بیشتر حصہ میں سناٹا چھایا رہتا ہے، دوکانیں بند، بازار سرف  
مکانات مقفل رہتے ہیں، لیکن موسم حج میں تین تین چار مہینے کے لئے اچھی خاصی پہل پہل  
ہو جاتی ہے، اور شکر و اور بازاروں میں خاصا مجمع رہنے لگتا ہے، ذی الحجہ کی پہلی اور  
تاریخ سے حاجیوں کے قافلے ماشاء اللہ بہت بڑی تعداد میں آنے لگتے ہیں، اور  
یہ مجمع آخر محرم تک قائم رہتا ہے، شوال و ذیقعدہ میں مجمع نسبتاً ہلکا رہتا ہے، پھر بھی  
ہزاروں کی تعداد میں رہتا ہے، خصوصاً ذیقعدہ میں، بازاروں میں ضرورت کی  
سب چیزیں مل جاتی ہیں، اور نرخ بھی کچھ زیادہ گراں نہیں، گوشت (بکرے اور  
دببہ دونوں کا) اگلی شکر گھیوں کا آٹا، بعض سبزیاں، دودھ، وہی ہر چیز اچھی  
حالت میں باسانی دستیاب ہو جاتی ہے، عام دستور یہ ہے، کہ لوگ روٹی گھر میں  
نہیں پکاتے، بلکہ بازار سے خرید لیتے ہیں، باقی سالن وغیرہ گھروں میں پکاتے  
صحیح کے وقت، بہت ترطے سے، جو ناشتہ بازاروں میں ملنے لگتا ہے، وہ خاص طور  
پر لذیذ و خوش ذائقہ ہوتا ہے، اور قیمتاً بھی ارزان، شام کا کھانا عموماً عصر کے وقت  
ہو جاتا ہے، شب میں کھانے کا دستور نہیں، دوکانیں بھی، شام ہی کو بند ہو جاتی  
ہیں، اور عشا کے بعد بالکل سناٹا چھایا جاتا ہے، کپڑے وغیرہ کی قسم سے بھی ضرورت کی  
سب چیزیں مل جاتی ہیں، مادی نعمتوں میں دو چیزیں ایسی ہیں، جو صرف دینیہ طلبہ  
ہی کے لئے مخصوص ہیں، ایک تو کھجور ہے، جس کے خدا معلوم کتنے اقسام بازاروں  
میں ڈھیر لگے رہتے ہیں، بڑے اور چھوٹے، میٹھے اور بہت میٹھے، خشک و شاداب

من سكن المدينة وصبر على بلائها  
كنت له شفيعا يوم القيمة

جس نے مدینہ میں سکونت اختیار کی اور رہبان کی  
بلادن پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت  
کرنے والا ہوں گا۔

اتنے بڑے انعام کے بعد کچھ حیرت نہ کرنا چاہئے اگر مدینہ میں زحمون کے  
بچنے کے بجائے اور دوڑ دوڑ کر زحمون میں اپنے تئیں منہی خوشی مبتلا کیا جائے لگے اور  
یہ سختیاں اور ناگواریاں تو انکو پیش آسکتی ہیں جو اس سرزمین پر زندہ رہیں، لیکن اگر  
ہیں موت آجائے تو؟ اس تو کا جواب بھی سچی بشارتیں دینے والے کی سچی زبان  
سے ہے۔

من مات فی احد الحرمین بئس الله  
من الامنین يوم القيمة

جس شخص کی وفات مکہ یا مدینہ میں ہو جائے وہ  
قیامت کے دن ان لوگوں میں اٹھیکا ٹھوٹھوٹے ہوگا

اور بعض احادیث میں بجائے حرمین کے صرف مدینہ کا لفظ آیا ہے، من  
مات بالمدينة كنت له شفيعا يوم القيمة اور بعض روایات میں اسے محض بطور  
خبر کے نہیں بیان فرمایا گیا ہے بلکہ مدینہ میں مرنے کی رغبت بھی دلائی گئی ہے،  
من استطاع ان يموت بالمدينة فليمت جس کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں اگر وفات پائے  
فمن مات بالمدينة كنت له شفيعا تو اُسے چاہئے کہ یہیں اگر مرے اس لئے کہ جو یہاں  
وشھیدا،

اس سے ملتے جلتے ہوئے مضمون کی متعدد احادیث ہیں اور صحابہ کرام برابر مدینہ  
میں اپنے مرنے کی دعائیں اور آرزوئیں کرتے رہتے تھے، پس جس شہر میں جینا اور  
جس شہر میں مرنے والا ہوں اس قدر مبارک ہوں، کس کو وہاں حاضر ہونے اور حاضر

”جہان اپنا محبوب موبود ہوں، وہی مقام سب سے بہتر ہے۔ اس جواب پر وہ دیوناؤ خوش ہوا اور خوشی میں آکر تنہا اسی کو نہیں بلکہ سارے قیدیوں کو بھی بلایا اور واپس مومن کیلئے تو اس قدر کافی ہوا کہ یہ شہر زولی اللہ کو فرمایا شہر ہو اور زمین وہ شہر ہو جس کا نام پاک و پاک پاکیزہ چچا کسی بندہ نے نہیں بندہ ان کے پروردگار نے رکھا ہو۔“

ان اللہ تعالیٰ سہی المدینۃ طیبہ

اور پاک کی شرح میں ائمہ نے لکھا ہے کہ مدینہ کفر و شرک کی نچاستوں سے پاک ہے مدینہ والوں کے ساتھ جس نے دھوکہ بازی کی وہ خود دھوکا کھا گیا جس نے ان کی بدغورہی کی اس نے خود اپنی بدغورہی کر لی جس نے انہیں بتا دیا کہ اچھا وہ خود بنام ہو گیا رہا حدیث میں آیا ہے کہ وہ اس طرح گھل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت کے الفاظ کا یکید اهل المدینۃ احد کما انصاع کما انصاع الملم فی الماء، یا جوج کے دو میں سب کچھ ہو گا اور سب کے نتیجے میں بنام ہو کر رہیں گے۔ سختیاں اور ناگواریاں کہاں نہیں پیش آئیں؟ لیکن اس ارض محبوب کی سختیاں بھی رحمتیں ہیں اور یہاں کی ناگواریاں کو گوارا بنالینے والوں کے لئے وہ انعام اور قطعاً انعام ہے جس کی تمنا ہر مسلم کے سینہ میں ہے اور شاد ہونا ہے بروایت صحیح مسلم کہ

لا یصبر علی الاذیاء المدینۃ وشد تعبا	میری امت میں کوئی ایسا نہیں کہ وہ مدینہ کی نعمتوں
حد من امتی الا کنت لہ شفیعا یوم	اور نعمتوں پر صبر کرے اور میں قیامت کے دن ان کی
القیمتہ	شفاعت کرنے والا نہ ہوں!

اب اس کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی رہ جاتا ہے؟ ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔



شاعر نے کہا ہے، ع

مکین کی خیر ہو یا رب مکان رہی نہ رہی

لیکن مکین اگر سلامت ہو تو مکان کی سلامتی بھی یقینی ہے، اور پھر بھلا کون ایسا مکان ہوگا، کہ سارا عالم تو اس کے ٹھین کی برکتوں سے ہمک رہا ہو، اور جو وہی مکان محروم رہ جائے!

صاحبِ جذبِ القلوب نے ایک قبل باب فضائلِ شہرِ مدینہ کا باندھا ہے، اور اسکی افضلیت پر مفصل عقلی نقلی دلائل قائم کئے ہیں، لیکن درحقیقت اس تفصیلی بحث کی سرے سے ضرورت ہی نہیں جن کے پہلو میں دل ہی، ان کے لئے تو بس یہی ایک دلیل سب سے بڑی دلیل ہے، کہ انکا محبوب آقا، اور ان کے رب کا محبوب ترین بندہ اس سرزمین پر آرام فرما ہی رہا ہے

خاکِ میثرب از دو عالم خوشتر است

اے خاکِ شہرے کہ آنجا دلبرست

اور جن کے سینہ میں دل ہی نہیں، ان کے لئے دلیل و بحث کے دفتر کے دفتر بھی یکا رہیں ہنوی میں مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے، کہ کسی کنوین کو ایک دیو زاد نے اپنا مسکن بنالیا تھا، اور جو کوئی اس کنوین کے اندر اترتا اس سے دو سوال کرتا، کہ بہتر شہر کون ہے، ہر شخص اپنی اپنی پسند کے موافق کسی شہر کا نام لیتا اس پر وہ ناخوش ہو کر اسے وہیں قید کر لیتا، اور باہر نہ نکلنے دیتا، آخر میں ایک مرد دانا اترتا، اور اس سے جب حسب معمول وہ سوال ہوا، تو اس نے جواب میں کہا، کہ

# باب ۱۱

## دیوارِ حبیب

مدینہ شہر کی موجودہ بستی کچھ ایسی بڑی نہیں، آبادی ہندوستان کے چھوٹے شہروں یا بعض بڑے قصبوں کے برابر ہوگی، سنتے ہیں کہ کسی زمانے میں آبادی کی وہ کثرت تھی کہ راستہ چلنا مشکل تھا، لیکن جس وقت سے ریل کے قدم آئے، جازریلوے کا اسٹیشن کھلا اور شام سے ریل کی آمد و رفت شروع ہوئی، اُس وقت پہلے تو اخلاق و قلوب کے عالم میں انقلاب آیا، اور جو چھپ چھپا کر بھی نہ ہونا تھا وہ کھلے خزانہ ہونے لگا، اور پھر وہ زبردست مادی بھٹکے لگے، کہ ساری آبادی تباہ ہو کر رہ گئی، ترکی حکومت کی بربادی، شریفی دور، نجدی دور، ہر سیاسی جھگڑ کا پہلا ہدف اسی شہر کو بننا پڑا، اور اس وقت مدینہ دنیا کے مظلوم ترین شہروں میں ہے، سچے اور مدینہ والے سچے کا قول بالآخر پورا ہو کر رہنا تھا، کہ ظہورِ دجال کے وقت بیت المقدس آباد ہوگا، اور مدینہ تباہ، بیت المقدس کی آبادی اور روزافزون رونق و آبادی سب دیکھ رہے ہیں، پھر مظلوم مدینہ کی تباہی و بربادی پر حیرت کیوں ہو؟ — لیکن شہر آباد ہو یا برباد، آبادی خواہ بڑھے خواہ گھٹے، بس ایک مدینہ والا، سلامت رہے، کہ اُس کے طفیل میں مدینہ بھی ہمیشہ سلامت ہی رہیگا،

اور ان مسلمان امیرون اور وزیروں کے احکام سے شریعت کو توڑا جاتا ہے، یونہی مسلمان  
 اور درمگاہیں مسلمانوں کی قائم کرائی جاتی ہیں، اور ان مسلمان ماہرین فن کے مقالات  
 و مضامین سے شریعت پر قلعے لگائے جاتے ہیں، حب وطن و حب قوم کا جذبہ مسلمانوں  
 میں پیدا کرایا جاتا ہے، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترکِ ترکیت کی، مصری مصریت کی پرستش  
 شروع کر دیتے ہیں، اور ہندی مسلمان بھی اپنے اسلام کو چھوڑ کر اپنی ہندیت پر فخر و نام  
 کرنے لگتا ہے، اقوالی کی مٹھلین بہت دیکھ لیں، نقتیہ تعلیم بہت سن لیں، شعرو شاعری  
 بہت ہو چکی، اب اللہ کے ہاں سے پکار ہی تو یہ، اور محمدؐ کے دربار سے طلب ہی تو اس کی  
 کہ کچھ اللہ کے بندے، اور محمدؐ کے امتی اٹھیں، اور دین کی غیرت سے مست و دیوانے  
 ہو کر، دوستوں اور عزیزوں سے بیگانے بن کر، یا جو ج کے لشکر کے مقابلہ میں صفت  
 ہو کر، کافہر بنیان مرموص، باہر نکلیں، اور اس ہاری ہوئی لڑائی میں حق کا علم  
 بلند کر کے، اپنے سر اور اپنی جانیں نذر کر دیں !

اہل دل بزرگوں اور نیک نفس دوستوں کی ایک جماعت جسرت و ماسف،  
خلوص و ہمدردی کے لہجہ میں زیر لب کہہ رہی ہو کہ شاید ممبر کے انوار و برکات کی  
شرح کرنے کے بجائے یہ بے محل سیاسی رجحانیاں کیسی شروع ہو جاتی ہیں لیکن  
بزرگوں اور دوستوں کوئی یہ بتائے کہ کلمہ توحید کی بنیاد نفی غیر اللہ پر کیوں ہے؟  
اور اللہ کے اقرار سے بھی پہلے آخر غیر اللہ کی نفی کیوں اس قدر اہم سمجھی گئی ہے؟  
انوار و تجلیات کا مشاہدہ جنہیں ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، ایک عامی اور دینا دار تباہ کار  
اس کی توقع ہی کیوں قائم کی گئی، وہ تو وہی لکھے گا، جو کچھ اُس نے خود محسوس کیا  
اس کا مال گھٹیا سہی، ناقص سہی، ادنیٰ درجے کا سہی، لیکن بہر حال اُس کا اپنا مال  
ہوگا، کیا دوسروں کا حسن ظن قائم رکھنے کے لئے، صوفیوں کی بول چال کی نقالی شروع  
کر دی جائے؟ کیا خود وہ بزرگ اس سے خوش ہونگے، کہ اُن کے خوش کرنے کے لئے  
بھوٹے مولی گشتیوں میں لگا لگا کر پیش کئے جانے لگیں؟ یہاں تو مجدد بنوئی کے ہر  
ستون اور ہر محراب سے ایک ایک در اور ایک ایک دیوار سے، بجا کی ایک ایک  
اینٹ سے، بیق کے ذرہ ذرہ سے، شہر مدینہ کے چہرہ چہرے سے ایک ہی پکار سنائی دی  
اور وہ پکار من انصاف ہی الی اللہ کی تعی! ہر جگہ ایک ہی جلوہ دکھائی دیا، او  
جلوہ دین کی تقاضائے نصرت کا تھا! آج اللہ کے بجائے یا جو ج کی الہیت والوہیت  
کا کلمہ ہر جگہ پڑھا جانے لگا ہو، عدالتوں میں حاکم مسلمان بنائے جاتے ہیں، اور ان  
مسلمان حاکموں سے شریعت کے فیصلوں میں ترمیم کرائی جاتی ہے، کونسلوں میں ممبر  
مسلمان لائے جاتے ہیں، اور ان مسلمان ممبروں کی تجویزوں اور تقریروں سے شریعت  
کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، وزارت و امارت کی کرسی پر مسلمان بٹھائے جاتے ہیں

اور یہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے، حاشا نجدیوں کی مخالفت و عناد میں نہیں، انکی بدنامی و رسوائی کے لئے نہیں، بلکہ انکی سچی دوستی اور حقیقی خیراندیشی میں، وہ لاکھ برس سہی، پھر بھی بہر حال کلمہ گو ہیں، دائرہ اسلام سے خارج نہیں، غلطی ہیں، کافر نہیں، نادان ہیں، باغی نہیں، بھائی ہیں دشمن نہیں، انکی رسوائی مسلمانوں ہی کی رسوائی ہے، انکی پردہ دری کر کے خوش ہونا، محمد کا کلمہ پڑھنے والوں کی پردہ دری پر خوش ہونا ہے، خانہ جنگی قابلِ داد کبھی بھی نہ تھی، لیکن آج تو اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی گناہ ہو آج وقت نجدی و مجازی کی آویزش کا، حنفی و جنلی کی جگہ کا، اہل سنت و اہل بدعت کی کارزار کا نہیں، وقت تو اس کا ہے، کہ یہ سب فکر یا جوج کی اس بے گنتی اور بے تعداد لشکر سے مقابلہ کریں، جو بے شمار ناموں اور نشانوں کیساتھ بے حساب لباسوں اور نقابوں کے ساتھ، ہر سمت اور ہر جہت سے ہر پہلو اور ہر گوشہ سے، من کل حدب ینسلون اللہ کے دین پر، رسول کی شریعت پر، اسلام کے پیام پر حملہ آور ہو رہا ہے، اور جس کی زد سے نہ ہندوستان محفوظ ہے نہ نجد، اور نہ مرکز اسلام کے وہ مقدس و محترم مقامات — نام لکھنے کی جرات قلم کہاں سے لائے — جن کے شرف سے اسلام کا شرف قائم، اور جنگی عظمت سے اسلام کی عظمت وابستہ ہے! جہاد کی ضرورت ان کے مقابلہ میں نہیں، جہنوں نے عثمان غنیؓ کے قبۃ مزار کو گرایا اور فاطمہ زہراؓ کی تربت کو کھنڈر بنادیا، جہاد ان پر کرنا ہے، جو عثمانؓ و فاطمہؓ کے دین کے دشمن ہیں، جو قبۃ عثمانؓ کو نہیں، خود عثمانؓ کے کارناموں کو فنا کر رہے ہیں، اور جو تربت فاطمہؓ کی نہیں، جو فاطمہؓ کی تحقیر اور بے وقعتی و لون میں پیدا کر رہے ہیں!

فراخذ لی سے کام لینا چاہئے، اور تا بہ امکان ہر فرقہ کے یہاں تک کہ گمراہ و باطل اسلامی فرقوں کے، معتقدات و مزعومات کی رعایت، تا وقتیکہ وہ صحیح اصول اسلامی سے معارض نہ ہوں، رکھنی چاہئے، اور دولت حجاز کے محکمہ مذہبی کی خدمت میں یہ مشورہ پیش کیا گیا تھا، کہ دوسرے اسلامی ملکوں کے متدین و مصلحت فہم علماء سے برابر مشورہ جاری رکھنا چاہئے، ہندوستان کے گروہ اعظم، اہل سنت میں خدا کے فضل سے معتد بزرگ ایسے موجود ہیں، جو دولت حجازیہ سعودیہ کی مشکلات میں اضافہ کے بغیر، اس باب میں اسے بہترین مشورہ دے سکتے ہیں، جانشین شیخ المذہب حضرت مولانا حسین مدظلہ صدر جمعیتہ العلماء مولانا مفتی کفایت اللہ جماعت اہل حدیث کے ممتاز فاضل مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مصنف ”رحمۃ للعالمین“ شیخ الاسلام ”ملکت تصنیف مولانا شروانی، شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ مولانا مناظر حسن گیلانی، فاضل محترم مولانا سید سلیمان ندوی، اور اسی قسم کے دوسرے صاحب علم و صاحب نظر علماء اہل سنت سے اگر حکومت حجاز، آداب زیارت وغیرہ کے باب میں مشورہ کرتی رہے، تو ہندو کے مسلمانوں کے ایک خاصے بڑے گروہ کے دل میں اس کی طرف سے جو تلخیاں پیدا ہو رہی ہیں، وہ یقیناً بڑی حد تک دور ہو سکتی ہیں،

اس قسم کے تذکرے جو بار بار اس سفرنامہ میں آرہے ہیں، اس سے اگر ایک طرف لوگوں کو صحیح حالات اور ضروری معلومات سے باخبر کرنا ہی، تو دوسری طرف حکومت حجاز اور اس کے ہوا خواہوں کو خود اپنی فلاح و اصلاح پر توجہ دلانا ہی، افسوس ہے کہ قاضی صاحب نے مشہم حج سے واپس ہوتے ہوئے جہاز میں انتقال فرمایا،

امیر مدینہ کی تلاش پھر شروع کی، اور ابکی وہ مل گئے، ہم نے ان کے سامنے ساری سرگذشت سنائی، بغیر کسی اظہارِ تاسف و معذرت کے فرمایا، کہ آج تو موقع نہیں رہا اور کل سلطان پہلے جائیں گے، البتہ کل صبح اگر آجاء تو ملاقات کرادونگا،

شیخ النجین جو کچھ ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے، طبیعت کچھ خراب پہلے ہی سے تھی، سلطان نے دعوت گاہ سے واپس پر طبیعت زیادہ بگڑ گئی، اور شب میں اچھا خاصہ تیز بخار ہوا، ضعف اس درجہ ہو گیا، کہ سلطان کے ہاں جانے کا کیا ذکر کوٹھے سے اترنے اور عشاء فجر کی نماز میں جماعت کے لئے مسجد نبوی تک حاضر ہونے کی سکت باقی نہ رہی، مجبوراً صبح کو ایک مختصر خط مولانا مناظر احسن سے عربی میں لکھوا کر، سلطان کی خدمت میں بھیج دیا، جو صاحب لیکر گئے تھے، ان کا بیان ہے، کہ سلطان نے پڑھ کر اپنے ایک سکرٹری کو دیدیا اور فرمایا، اسے رکھ لو، کہ میں حج کے زمانہ میں یاد دلانا، اس وقت ان صاحب سے ملاقات کرونگا، اور اسی واقعہ پر سلطان و گدا کی تمام ملاقات تمام ہوئی، یادداشت جوان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لکھی گئی تھی، اس کا لکھنے والا محض سچ کا مدیر ہی نہ تھا، بلکہ خلافت گیتی کا بھی ایک عادم تھا، اور یہ دونوں حشیشین اس میں دخل کر دی گئی تھیں، لب و لہجہ میں آداب شاہی کا پورا محاذ کر لیا گیا تھا، اور اس کا شائبہ بھی نہ آنے پایا تھا، کہ سلطان کی کسی قسم کی اہانت ہو، ادب کے ساتھ، اصلاً طلب امور کی نہرست نہر وار درج تھی، اور آخر میں پورے زور کے ساتھ یہ گزارش کی گئی تھی، کہ مسجد نبوی، مقصودہ شریفہ، جنت البقیع وغیرہ پر سارے اسلامی فرقوں کے کیسان حقوق ہیں، اس لئے یہاں کے آداب زیارت و انتظامات میں بڑی

مجبوراً برآمدہ میں کرسیوں پر بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد سلطان مع اپنے رفقاء کے کھانے سے فارغ ہو کر برآمدے میں آئے، اور ایک آراستہ صوفہ پر جلو س فرمایا، سلطان کے لباس و وضع میں واقعہ کوئی امتیازی شے نہ تھی، ان کی اس ذاتی سادگی کی داد جس قدر بھی دیجائے، درست ہے، ان کے اشیاء کے لوگ ان سے کہیں زیادہ زرق برق لباس میں تھے، اور اگر کوئی بتانے والا نہ ہوتا، تو محض وضع و لباس سے سلطان کو پہچانتا ممکن نہ تھا، کاش جس طرح سلطان کا لباس اور ظاہر سادہ ہی ایسی ہی سادگی حق تعالیٰ انھیں زندگی اور اطلاق کے ہر شعبہ میں نصیب کر دے، آمین! بہر حال سلطان جب صوفہ پر آکر بیٹھ گئے، تو لوگ ان کے سامنے پیش ہونے لگے، ہم لوگوں نے اس وقت پھر اپنے میزبان امیر مدینہ کو تلاش کرنا شروع کیا، کہ جھون نے خط بھیج کر مدعو کیا تھا، وہ دعوت کے بعد ہی سہی، کم از کم مل تو لیں، تلاش ناکام رہی کافی انتظار کے بعد، مجبوراً ہم دونوں پر ویسی خود ہی، بغیر کسی تعارف کرانے والے کے ہمت کر کے سلطان کے صوفہ کی طرف بڑھے، اور قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا، سلطان نے وعلیکم السلام کہا، اور کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا، ہم لوگوں نے اپنا تعارف (یا اپنی تعریف؟) خود کرنا چاہا، لیکن ابھی زبان سے صرف دو لفظ ارغنی ہند یوت بھلنے پائے تھے، کہ شاہی چوہدار نے ہاتھ پکڑ کر ہم لوگوں کو فوراً کھینچ لیا، اور کہا کہ یہ گفتگو کا محل نہیں، ہم لوگوں نے ہر چند سمجھنا چاہا، کہ ہماری حاضری کا مقصد ہی ضروری گفتگو کرنا تھا، لیکن بھلا وہ چوہدار صاحب ہمارے سمجھائے کیا سمجھ سکتے تھے، اتنے میں دوسرے لوگ سلطان کے سامنے پیش ہونے لگے، اور ہمیں ایک بار پھر جبراً صبر اختیار کرنا پڑا، اتنے میں سلطان کا موڑ آگیا، اور وہ سوار ہو گئے، آخری بار



خود اسی طرف سے تحریک ہوئی، تو چلنا چاہئے اور سلطان سے مل کر مسجد بنوئی اور  
 بقیع وغیرہ سے متعلق جو زیادتیوں، بد انتظامیوں اور بے تمیزان مشاہدہ میں آچکی  
 ہیں، سب ان کے گوش گزار کر دینا چاہئے، یہ سوچ کر تمام اصلاح طلب پہلوؤں  
 کی ایک مفصل یادداشت قلمبند کر لی، اور مولانا مناظر احسن صاحب سے اس کا عربی  
 ترجمہ کرایا، کہ ملاقات کے وقت، ایک مختصر تھیدی گفتگو کے بعد اسے سلطان کی  
 خدمت میں پیش کر دیا جائیگا، سلطان کی آمد ایک مدت تک برابر ملتوی ہوتی رہی  
 آخر کار ایک صبح کو انکھارود ہوا، اور اسی روز بعد عصر وہ دعوت ہوئی، دعوت کا  
 مقام وہ تھا، جہاں حجاز ریلوے کا اسٹیشن بنا ہوا ہے، اتفاق سے فوراً بعد عصر بارش  
 شروع ہو گئی، کچھ دیر یوں ہوئی، اور پھر جب بارش کے ٹپکے ہوتے ہی، مولانا مناظر کو  
 بطور ترجمان اپنے ہمراہ لیکر روانہ ہوا، تو مقام دعوت کا فاصلہ اندازہ سے بڑا  
 نکلا، غرض جب پہنچے ہیں، تو وقت معینہ سے کچھ دیر ہو چکی تھی، اسٹیشن کی عمارت  
 چھنڈیوں وغیرہ سے خاصی آراستہ تھی، صحن میں فوج پولیس، چوکی پہرہ کا ہر طرف  
 انتظام بدوی سادگی کے دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی، آراستہ اس درجہ کی تھیں،  
 جیسے ہندوستان میں اوسط درجہ کے دایان ریاست کے دربار کے موقع پر ہوتی  
 ہیں، دعوت اندر بڑے ہال میں ہو رہی تھی، اور دروازوں پر بجائے اس کے کہ  
 میزبان یا ان کے نائب، ہانڈوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوتے، بندوق اور  
 سنگین لئے پہرہ دار موجود تھے، اہم لوگ جب پہنچے اور ہال کے اندر جانا چاہا،  
 تو ایک پہرہ دار نے، کہ نہ ہم اس کی زبان سمجھ سکتے تھے، اور نہ وہ ہماری، جانے  
 سے روک دیا، عربی اخلاق و میزبانی کا یہ تجربہ شاید بخدی دور سے پیشتر کسی کو نہ ہوتا

تنگ ہو! رسول صلعم کی جان کے دشمن ایک ابوہل اور ایک ابولہب تھے، رسولؐ کی عزت کے، رسول صلعم کے پیام کے، رسول صلعم کے دین کے دشمن آج خدا معلوم کتنے ابوہل اور کتنے ابولہب پیدا ہو گئے ہیں، اُن کی دشمنانِ حق کا خاتمہ ہلاکت و بربادی پر ہوا تھا، کیا یہ بیسویں صدی عیسوی کے ”روشیشال“ ابوہل اور ابولہب ہمیشہ ملت ہی پاتے رہیں گے؟ مکہ کے ہاجر کو اپنے رب کا نام پکارئے توحید کا کلمہ بلند کرنے کو قبا کا ایک ٹھکانا مل گیا تھا، کیا اسی محبوب کی امت کی قسمت میں کوئی قبا نہیں اور کیا اُسے خدا نخواستہ ہمیشہ بھٹکتے ہی رہنے دیا جائیگا!

مسجد نبویؐ میں ایک روز حاضر تھا، عصر کی جماعت کے بعد سلام پھیرا، تو ایک صاحب نے ایک دستی خط لا کر دیا، حیرت ہوئی، کہ یہاں خط بھیجے والا کون، اللہ غفہ بھول کر پڑھا، تو امیرِ مدینہ کا کرمانامہ ”مدیرِ جریدہ سچ“ کے نام تھا، کہ جلالتہ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود ریاض سے مکہ جاتے ہوئے ”مدینہ سے گزریں گے، اُن کے ورودِ مدینہ کے دن، سہ پہر کو امیرِ مدینہ کی طرف سے اُن کی دعوت ہوگی، اس میں شریک ہو، مزید حیرت ہوئی، کہ مدیرِ سچ نے تو یہاں اپنے ”تین مخفی و گنہام رکھنے کا پورا“ اہتمام کر لیا تھا، اُس کے وجود کی خبر سرکاری حلقوں کو کیونکر ہو گئی، بہت کھوج لگایا، کچھ پتہ نہ چلا، اب سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا اس دعوت نامہ کو قبول بھی کرنا چاہئے؟ جس نے آغازِ سفر حج سے اخبارات کا پڑھنا تک سیکھت ترک کر دیا ہو، اس کے لئے ایسے سرکاری مجمع اور شاہی دعوت میں شرکت آسان نہ تھی، کافی کشمکش رہی، جیسے جیسے اور ایک بزرگ دوست کے مشورہ کے بعد بالآخر طے یہ پایا کہ جب

موسم میں قدرۃ بڑھ جاتا ہے، آمدورفت کیلئے غالباً آٹھ روپے طے ہوئے، شہر سے باہر  
 نکلے، تو دیہات کا سامان نظر آیا، کھجور کے درخت اور باغ ہر طرف لگے ہوئے،  
 اکثر نہایت سرسبز و شاداب، عرب کی خشکی پر ہندوستان کی شادابی کا دھوکا ہوتا  
 تھا، راستے بھر چھپے لڑکوں اور لڑکیوں کی ٹولیاں سنت و سلام کے اشارے پر ہٹتی ہوئی، اور  
 گاتی ہوئی اکثریت سے ملتی رہیں صبح کا سہانا وقت، ہر طرف سناٹا، مصوموں کی زبان  
 کا پیارا الب و لہجہ، ہر قلب متاثر، اور ہر روح کو وجد، تھوڑی دیر میں یہ سفر ختم ہو گیا  
 مسجد قبا خاصہ بلندی پر واقع ہے، اچھی خاصی وسیع عمارت، مفید رنگ، پرانی وضع  
 کی بنی ہوئی، ہر قسم کے تشنہ و آرایش سے خالی، سادگی کی موثر تصویر، یہاں نہ کسی عمارت  
 کا ٹھکانا، نہ کسی حقیقت کا اندیشہ، پورے سکون و اطمینان، یسویٰ و فرخ خاطر کیسا تھا  
 جہاں عینی و برہک چاہیئے، نمازین پڑھئے، سجدے کیجئے، عبادت کرتے رہئے، صحت  
 ایک مسقف چوتھرہ، اور اس پر عربی میں یہ عبارت کندہ کہ یہ وہ جگہ ہے، جہاں  
 رسول اللہ صلیم کی اونٹنی ٹھہری تھی، "ذره ذره اسٹھون سے ٹکانے کے قابل!"

یہ وہ جگہ ہے، جہاں اللہ کے سب سے زیادہ تعریف کرنے والے، اور سب سے زیادہ تعریف  
 کئے گئے بندہ کو اس وقت پناہ ملی تھی، جب اس کے وطن و لے اس کے خون کے پیاسے  
 ہو چکے تھے، غنی عن العالمین کی شان بے نیازی کا کوئی ٹھکانا ہے! پناہ اسے عین  
 پڑی تھی، جو خود اس واسطے بنایا گیا تھا کہ سلا عالم اس کی پناہ میں آئے! —  
 رسول صلیم کی زندگی کے آئینہ میں امت کی ساری تاریخ کا عکس دکھایا گیا، جس  
 رسول صلیم پر ایک روز مکہ کی زمین تنگ کر دی گئی تھی، آج اس کی امت پر عرصہ عالم

اس کا نفس ہمیشہ یہ تاویل کرتا رہا کہ آستانِ پاک مسجد نبویؐ سے کہیں ہٹنا، آفتاب کو چھوڑ کر قندیلوں اور مشعلوں کی روشنی تلاش کرنا ہی، البتہ ایک مسجدِ قبا اس سے مستثنیٰ تھی، اس کی زیارت کی فضیلت کسی ظن و قیاس سے نہیں، نص سے ثابت ہے، اور حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کا اجر، عمرہ کے اجر کے مساوی ہے، من تظہر فی بیتہ ثم اتی مسجد القباۃ فصلی فیہا صلوٰۃ کان لہ کاجی العموتہ، اسلام میں جو مسجد سب سے پہلے تعمیر ہوئی، وہ یہی مسجدِ قبا ہے، حضورؐ صلعم نے مکہ سے جب مدینہ کو ہجرت فرمائی ہے، تو اوّل اوّل قیام اسی مقامِ قبا میں فرمایا اور یہیں اس مسجد کی تعمیر شروع فرمادی، اللہ اللہ! بڑے بڑے صدیقین اور ایک ایک بڑھکر اولیاء امت یعنی حضرات صحابہ کرام جس مسجد کے مزدور اور معمار ہوں، اور جس کی تعمیر میں خود رسول کریم صلعم کا دست مبارک شامل ہو، اس کی نورانیت اور اس کے تقدس کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے! بہت سے مفسرین اس جانب گئے ہیں کہ آیہ کریمہ لمسجد اسس بنیانہ علی التقویٰ من اولیٰ یومہ احق ان تقو فیہ میں جس مسجد کی مدح آئی ہے، وہ یہی مسجد ہے،

حدیث میں آیا ہے کہ عادت مبارک یہ تھی کہ ہر شنبہ کو اس مسجد میں تشریف لے جاتے تھے، ایک سنیچر کی صبح کو مولانا مناظر احسن صاحب کی رہنمائی میں اپنے چھوٹے سے قافلہ کو ہمراہ لیکر اس مسجد میں حاضری کے لئے روانگی ہوئی، شہر مدینہ سے کچھ ایسا زائد فاصلہ نہیں، مسجد نبویؐ سے تخمیناً ڈھائی میل ہوگی، عورتیں ہمراہ تھیں، ایک اعرابی کرایہ پر کر لی تھی، کرایہ یوں تو بہت ارزان رہتا ہے، لیکن حج و زیارت کے

# باب ۱۶

## آثارِ بدینہ

مدینہ و حوالہ مدینہ میں مقامات زیارت کی کیا کمی، و ذرہ ذرہ مقدس اور چہ چہ باریک  
مرقد و ن کے ہاتھ میں اپنے آپ کو دیدیجئے، تو خدا معلوم کتنے مقامات کی زیارت کروا دے گا  
مقبورے، مسجدین، پہاڑیان، کنوئین، ولادت گاہین اور کتنے ہی اور مقدس آثار و مشاہدہ  
زیادہ شہور زیارت گاہوں کے نام یہ ہیں، مسجد قبا، مسجد ذوالتین، جبل احد، سیر ماریس  
بیر و مہ، مقتل شہدائے اُحد، ان میں سے کوئی مقام بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں، عموماً دو  
دو چار چار میل کے اندر ہیں، اگر پیدل چلنے کی عادت و ہمت ہو، اور وقت کافی ہو تو  
پا پادہ ہی زیارت ہو سکتی ہے، ورنہ یہاں کی سواری جو اعرابی کہلاتی ہے، چند روپیہ کے  
کو ایہ پر آمد و رفت کے لئے طے ہو سکتی ہے، دوستوں اور رفیقوں نے اکثر مقامات  
پر حاضری دی، اور خصوصاً مولانا مناظر احسن صاحب تو ہمہ تن ذوق و شوق بنے  
ہوئے ہر جگہ

منہج زہر گوشہ یا منہج

پر عمل کرتے رہے، اور ہر بابرکت زمین سے مشرف ہوتے رہے، لیکن قافلہ میں ایک  
کاہل و بے ہمت ایسا بھی تھا، جو باوجود خاص طویل قیام کے کہیں نہیں نکلا، اور

کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے رہیں، اور اس رشتہ پر فخر و ناز کرتے رہیں، رات کی تاریکیوں  
 میں بے شبہ ہر روشنی ایک نعمت ہے، لیکن جب آپ آفتاب کے سامنے ہیں، تو اتنی  
 دیر کے لئے تو اپنی قندیلوں اور اپنی شعلوں کو گل کر ہی دیجئے، اور ہو سکے تو آج نئے سرے  
 سے مسلمان ہو جائیے، اپنے اسلام کی تجدید کیجئے، اللہ اور رسول کے سامنے اپنے عہد و پیمان  
 کو استوار کیجئے، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کیجئے، جسکا ہاتھ قادر مطلق کا ہاتھ، اور جس کی بیعت  
 خالق کائنات کی بیعت ہے، ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق  
 اید یمہ، مبارک ہیں وہ جھین اس عہد کی توفیق نصیب ہو، مبارک تر ہیں وہ جھین اس  
 عہد پر ثابت قدمی نصیب ہو!



سر سے پرتک سیاہ لباس میں لمبوس، غول کے غول آتی ہیں اور آتے ہی جالیوں سے چٹ کر بوسہ دینا چاہتی ہیں، سودی سپاہی، عواما جمہ کے لاغر و نحیف، بڑھکر بھینس روکنا اور دھکے دینا چاہتے ہیں، لیکن کنز خود ہی شکست کھاتے ہیں اور اس اعتباراً آپادھالی میں جو جو بد قیسیاں، نادانستہ سہی، عین موافقہ مبارک یا بالین مبارک پائے ہیں مبارک میں سرزد ہوتی رہتی ہیں ا خدا کرے کہ آئندہ کبھی نہ واقع ہوں اور ان کے ذکر کرنے کی ضرورت کسی کو پیش نہ آئے،

بہرہون کے مختلف فرقوں، داؤدیوں اور سلیمانوں کو اور دوسرے اسلامی فرقوں کو اپنے اپنے طریقوں پر نمازین پڑھتے اور زیارت کتنے دیکھا، رحمت عالم کا دربار سب کی عقیدتوں کا مرکز ہے، اختلافات جتنے ہیں، باہر میں اندر نہیں، راہ میں ہیں، منزل مقصود میں نہیں، امام ابو حنیفہ ہوں یا امام شافعی، حضرت حیلانی ہوں یا خواجہ امیر می، سب آستان رسالت تک پہنچانے کے واسطے اور ذریعے ہیں، حرم کے اندر داخل ہو کر، در رسول پر پہنچ کر نہ کوئی جتنی ہے نہ شافعی، نہ مالکی ہے نہ مثنوی، نہ اشعری ہے، نہ ماتریدی، نہ قادری ہے، نہ حشبی، نہ صابری ہے، نہ مجددی، نہ مقلد، نہ غیر مقلد، سب صرف محمدی ہیں، رسول کی حیات میں صحابہ کا کیا مذہب تھا؟ کیا وہ غیر محمدی ہونے کے کچھ اور تھے؟ حضور کے مواہب میں بے آپ کو کسی اور کی جانب منسوب کرنا کتنی بڑی گستاخی اور نادانی تھی؟ پھر آج جب آپ کی خوش نصیبی آپ کو در رسول تک لے آئی ہے، اور آپ کو یقین ہے کہ آپ کا رسول زندہ جاوید ہے تو یہ کتنی بڑی گستاخی اور کیسی کھلی ہوئی نادانی ہوگی کہ آپ نبی کے ہوتے ہوئے کسی غیر نبی

کے شیعہ تو بے شک برائے نام ہی تھے، لیکن عراق و خراسان کے شیعہ ہزاروں کی تعداد میں آئے ہوئے تھے، شیعوں کے مزور علیحدہ ہیں، انھیں آداب زیارت وہی تلقین کرتے رہتے ہیں، "روضہ جنت" کے اندر شیعوں کو مین نے بکثرت نماز پڑھنے دیکھا، فردا فردا بھی اور اپنی جماعتیں بنانا کر بھی، اہل سنت کی پنجوقتہ جماعت کے وقت یہ لوگ الگ الگ ہوتے تھے یا اکثر باہر چلے جاتے تھے، بعض فراخ دل شیعہ ایسے بھی دیکھنے میں آئے، جو ستونِ عائشہ صدیقہ کے پاس کھڑے ہو کر دیر تک نماز پڑھتے رہے، اور اپنے شیعہ دوست جو دھری محمد علی رد دلوئی کا یہ فقرہ مجھے کسی طرح نہیں بھولتا جو اس موقع پر انھوں نے فرمایا تھا کہ "بیوی عائشہ جیسی بھی ہوں بہر حال ہمارے رسولؐ کی محبوبہ تھیں" لیکن یہ حال سب کا نہ تھا، بیشتر تو یہ ہوتا رہتا، کہ یہ لوگ نہایت کثیف جسم و لباس کے ساتھ کسی کئی کے غول میں آتے، اور جالیوں کو یا منبر رسولؐ کو بوسہ دینے کی کوشش کرتے، ہودی سپاہیوں کی نظر پڑ جاتی، اور وہ انھیں دھکیلتے اور کبھی کبھی مارتے بھی، یہ لوگ بھاگتے، اور سپاہی انھیں پکڑنے کو دوڑتے، یہ ماجرا عموماً خراسانی شیعوں کے ساتھ پیش آتا رہتا تھا، عراق کے شیعہ اپنے خراسانی بھائیوں سے جسم و لباس میں ہر طرح بہتر ہوتے تھے، یہ لوگ مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے تھے، او سپاہیوں سے کلہ بکلہ لڑتے، غرض دونوں صورتوں میں، وہ مقدس جگہ حوضِ نماز اور عبادت، تضرع و الحاح کے لئے تھی، اور جبکا ادب و احترام فرشتے تک کرتے ہیں، خود امت محمدیہ ہی کے نادانوں کے ہاتھوں بے ادبیوں اور بدتمیزیوں کی تماشا گاہ بن جاتی! ایسا ہی ہنگامہ مصری عورتوں کی زیارت کے وقت برپا رہتا، ماشاء اللہ بڑی قد آور تو مندا پھرے کھلے ہوئے، لیکن اور ہر طرح پرستور



فرش اور روشنی کی بد انتظامی سے کہیں زیادہ تکلیف وہ وضو خانوں کی بد انتظامی ہے جس قسم کے وضو خانے اور حوض ہندوستان کی بڑی بڑی مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں اس طرح کی کوئی چیز مسجد نبویؐ میں سرے سے موجود ہی نہیں، البتہ مختلف دروازوں کے باہر پانی کے ٹل کی چند ٹوٹیاں لگا دی گئی ہیں، یہ گنتی کی چند ٹوٹیاں اول تو کسی بڑے مجمع کے لئے کسی طرح کافی ہی نہیں ہو سکتیں، پھر اکثر تجربہ یہ ہوا کہ جن حوضوں میں یہ ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں، نماز کے وقت سرے سے وہ حوض ہی خشک ہیں اور اگر ٹوٹیوں سے پانی آتا ہوا دیکھا بھی گیا، تو خدا جانے ٹوٹیوں میں کیا نقص ہے، کہ پانی نکلنا بہت قلیل مقدار میں ہے، اور بہت باریک دھار سے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنے وقت میں تین آدمی وضو کر سکتے ہیں، اتنی دیر ایک آدمی کو لگ جاتی ہے، اور ہجوم کی کشمکش میں پورا ادھورا لٹا سیدھا، جس طرح بھی وضو کرنے کو ملتا ہے، وہ بیچارہ اسی کو غنیمت سمجھتا ہے، وضو خانوں ہی کی طرح مہارت خانوں کے بھی کافی انتظام کی شدید ضرورت ہے، اور یہ سارے انتظامات ایسے ہیں جو عقوڑی ہی سے توجہ سے، بغیر کسی غیر معمولی بار مصارف کے انجام پا سکتے ہیں، اگرچہ سعودی حکومت کو اس کی توفیق نصیب ہوتی، کہ اختلافی و نزاعی جزئیات امور کو چھوڑ کر اپنی توجہ و التفات کا مرکز انہیں معاملات کو بناتی، جن کا تعلق بلا نزاع و اختلاف از ائردن اور نازیون کے ہر فرقہ اور ہر طبقے سے ہے!

اپنے ملک کے فرقہ و شیعہ کی حالت دیکھ کر خیال یہ ہوتا تھا، کہ حج و زیارت کیلئے شیعہ تو جاتے نہ ہونگے، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ خیال غلط تھا، ہندوستان

یہ آخری عنوان ہرگز نہیں، خود مسجد نبویؐ کے ساتھ جس بے التفاتی و سردہری کا مستقل برتاؤ قائم ہے، اُسے بھی کوئی کیسے بھلا سکتا ہے؟ مسجد میں قالین بچھے ہوئے ضرور دیکھے گئے، لیکن اول تو یہ سننے میں آیا، کہ یہ قالین ہمیشہ نہیں بچھے رہتے، بلکہ صرف موسم زیارت بھر کے لئے بچھوادیئے گئے ہیں، باقی سال کے بیشتر حصہ میں محض چٹائی بچھی رہتی ہے! اور پھر جو قالین بچھے ہوئے دیکھے گئے، وہ اتنے بوسیدہ اور ایسے اونٹنی درجہ کے تھے کہ مسجد نبویؐ تو الگ رہی، اگر دہلی کے جامع مسجد میں بھی بچھا دیئے جائیں تو بجائے زیب و زینت کے بدنامی اور بدزبانی کا سامان بن جائیں! یہ صحیح ہے کہ سعودی حکومت ترکون کی سی دولت نہیں رکھتی، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ سعودی حکومت اتنی مفلس و نادار بھی نہیں، کہ مسجد نبویؐ کے لئے ایسے قالین بھی نہ بہم پہنچا سکے، جبکہ انتظام بھوپال، ٹونک، بھاؤل پور اور رانیپور کی مسلمان ریاستیں بدقت نہیں، بلا وقت، کر سکتی ہیں! اور تنہا فرش ہی پر موقوف نہیں، روشنی کا انتظام بھی ایسا ہی ناقص و اتر ہے، بجلی کا انجن خاص مسجد نبویؐ کے لئے موجود ہے، لیکن خدا معلوم انجن کا قصور ہے، یا انجن چلانے والوں کا، کہ روشنی اول تو بہت ناکافی، یعنی جس وقت سارے قلعے روشن ہوتے ہیں، اس وقت بھی دھندلی ہی سی رہتی ہے، دوسرے بجلی کی دو بار بار "فیل" ہوتی رہتی ہے، بار بار ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد کی آواز نہ گئی، دروازوں پر نمازیوں کا ہجوم ہے، لیکن چھا لک اس لئے نہیں کھلتے کہ اندر اندھیرا لگپ پڑا ہوا ہے، اور روشنی کی رو کسی طرح آ نہیں چکتی! بجلی کی روشنی اور ایسا اندھیرا!

ان مسطور کے پڑھنے والوں میں بہت سے ایسے ہیں جو دلسوزی و نیک نیتی کیساتھ  
 نجدی حکومت کے ہمدرد و خواہاں ہیں، اور ان میں سے بعض ان مسطور کے لکھنے والے  
 کے کرم و خدمت بھی ہیں، ازراہ کرم وہ عالم الغیب و الشہادۃ کو گواہ کر کے خود اپنے  
 قلب سے استغنا کریں، کہ آج اگر امام احمد بن حنبلؒ زندہ ہوتے، اور امام احمدؒ سہی، <sup>فظ</sup> <sup>ظ</sup>  
 بن قیم یا ان کے استاد شیخ ابن تیمیہؒ بھی ہوتے، تو وہ یقین کی اس گندی حالت کو گوارا  
 فرما سکتے تھے، جو چودھویں صدی کے نجدی مخالف نے اس کی بنا رکھی ہے، یہ تو ایسی  
 شے ہے، کہ بالعرض فقہ حنبلی نے اسے جائز رکھا ہوتا، تو بھی نجدی حکومت کو جہور مسلمین  
 کے مذاق کی رعایت لازمی تھی، اچھے جائیکہ جب فقہ حنبلی میں سرے سے اس بابت کوئی  
 حکم ہی نہ موجود ہو، مصالح امت کی اہمیت اسی سے واضح ہے، کہ خود صاحبِ ثبوت  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا سحاظ رکھا ہے، اور حکیم کو خانہ کعبہ میں شامل کرنے  
 سے اسی بنا پر اعراض فرمایا، کہ اس سے امت میں ایک تفریق اور فتنہ پیدا ہونے  
 کا احتمال تھا، پھر کسی غیر بنی کا جزئیات میں اس قدر غلو و تشدد اپنے اندر کیونکر  
 کوئی پہلو جواز کا رکھ سکتا ہے!

سودی حکومت کے روشن پہلوؤں سے انکار نہیں، لیکن نہ ہو، کہ کسی اہل دل  
 کی زبان پر ایہ کریمہ قد شہما اکبر من ففہما کا مضمون آجائے، اسکی ساری  
 خوبیاں ایک طرف، اور جنب البقیع کی یہ ناقابل برداشت حالت تنہا ایک طرف  
 کم سے کم، عام مسلمان تو اس شاہدہ کے بعد اپنے دماغوں میں سودی حکومت  
 کی کوئی خوشگوار یاد لے کر نہیں واپس ہو سکتے، اور حکومت کی فہرست جرائم کا

کہ دیکھنے والوں کو، پاکون کے پاک مدفن پر بخود بانڈ ایک طرح کے مزلہ یا گھوسے کا دھوکا، مونے لگے، بیٹن کے ٹکڑے، ٹاٹ کے سرٹے گلے ٹکڑے، بالوں کے گچھے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، جو عموماً گھوسے پر پھینک دی جاتی ہیں، ان پاک جہون کی پاک تربتون پر کثرت کے ساتھ پڑی ہوئی، اپنی انھیں آنکھوں سے دیکھنی پڑیں! بیعت کے مقابلہ کا ایک احاطہ کے اندر ہیں، احاطہ کا ایک پھاٹک ہے، پھاٹک پر سر کا پہرہ رہتا ہے، ان پہرہ داروں کا کام یہ ہے کہ زائرون کو ہر بدعت سے روکیں، لیکن بدعت کی بخدی تعریف میں قبور صاحبین کی تو ہیں، اور ان پر گندگی کا ٹالنا یقیناً داخل نہیں! گویا قبور صاحبین کو اتنی گندی اور غلیظ حالت میں رکھنا، خود بخود سنت و آثارِ سلف کے مطابق ہے!

امتِ اسلامیہ کی شور بختوں کی کوئی انتہا ہے؟ ایک طرف اگر محبت کا نام کہیں سے کان میں چڑ گیا ہو، تو بس "مزارات پر میلہ ہیں، راگ ہے، ناچ ہے، نشہ بازیان ہیں، بدکاریاں ہیں، طواف ہے، سجدہ ہے، چادر ہو، گاگر ہے، دوسری طرف اگر "اصلاح" اور "بدعت شکنی" کی بولی زبان نے سیکھ لی ہے، تو یہ بے ادبیاں ہیں، بے احترامیاں ہیں، امانتیں ہیں، زندوں کی دلازبیاں ہیں، اور مردوں کی دشمنیاں اور خواریاں ہیں، خدا اور نفسانیت کا دور دورہ ہے، فریقانہ جنبہ داریوں کی گرم بازی ہے، کون کسے روک سکتا ہے، ہر زبان آزاد، ہر قلم میاں، ہر ہاتھ گستاخ!

جو گنہ کیجئے، ثواب ہے آج!

آفتابِ عالم تاب طلوع ہوتا ہے، تو اس کے پہلو میں، کون ایسا ہے جس کی روشنی ماند  
 نہیں پڑ جاتی! آستانہ رسولِ صلح سے فرصت کس کو، اور فرصت ہو بھی تو دل کس کا کہ  
 بقیع تک جائے، خواہ اس کا فاصلہ چند ہی قدم ہی! اسی حقیقت میں دن گزرتے گئے،  
 اور ملتے گئے، لیکن بالآخر ایک روز صبح سویرے بعد نماز فجر، کہ وہ وقت بقیع میں ہجوم  
 کا بالکل نہیں ہوتا، حاضری کا ارادہ کر لیا اور داغستانی صاحب کی رہبری میں چل  
 کھڑا ہوا۔

بقیع کو جا کر دیکھا، اچھی طرح دیکھا، کاش نہ دیکھا ہوتا! کاش وہاں جانے کی  
 نوبت نہ آئی ہوتی،! کاش وہاں کی ناعری، جہاں چند روز تک ملتوی ہوتی رہی  
 تھی، ہمیشہ ملتے ہی رہی ہوتی! شاعر کا مصرعہ  
 ہمہ شوق آمدہ بودم ہر جہاں فتم!

پڑھا جا رہا تھا، اسنی کا تحقق آج جا کر ہوا! شریعت کے قانون میں شاذ اور مقبروں اور  
 اوپنے اوپنے قبوں کی یقیناً گنجائش نہیں، قبروں کے پختہ کرنے تک سے نہی آئی ہے،  
 دگو وہ نہی، نہی تزیین سمجھی جائے، لیکن کیا قبورِ مسلمین کی توہین، چہ جائیکہ قبورِ صالحین  
 و صدیقین کی اہانت، کا حکم بھی کہیں وارد ہوا ہے، حکم نہ سہی، کسی امام نے اس کی  
 اجازت بھی دی ہے؟ نجدیوں نے قیے گرا دیے، دستِ قرین بھی تمام تر کچی بنادی  
 گئی، جو تین، تو حکومت کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ تھا، لیکن یہ کیا قیامت ہے، کہ مقبرہ  
 صاحبین کو گرے ہوئے مکانات کا طبلہ بنا دیا جائے، بلکہ مسلمانوں کے کان اس سے  
 بھی زیادہ صاف صاف سننے کے لئے تیار ہیں! اس کی ہیئت اس درجہ سخی کر دی ہے

امام حسنؑ، اُدھر دیکھئے تو دونوں صاحبزادیان حضرت رقیہؑ، و حضرت ام کلثومؑ اور شہیدہؑ  
 کے سخت جگر امام زین العابدینؑ ایک طرف امت کی شفیق مائیں، مائی عایشہؑ اور  
 مائی حفصہؑ، مائی زینبؑ اور مائی ام سلمہؑ اور تقریباً ساری اہلبیت مومنینؑ اور دوسری  
 طرف علم رسولؐ عباسؑ اور عمرؓ رسول صغیہؑ، ایک گوشہ میں خلیفہ ثالث عثمانؓ ذوالنورینؑ  
 اور ایک ٹکڑے میں عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ، اور اگر ایسی روایات  
 بھی قبول کر لیا جائیں جو اب تک محققین کے ہاں مقبول نہیں کی گئی ہیں تو خاتونِ جنت  
 فاطمہؑ ہر راہ اور امیر المومنین علیؑ رضی اللہ عنہما!

ایسے ایسے آفتاب اور ایسے ماہتاب یہاں زیر خاک ہوں، اس زمین کی نور  
 پر اگر خود آسمان بھی رشک کرنے لگے، تو کس کو حیرت ہو سکتی ہے، اور یہ چند نام تو صرف  
 نمونہ کے طور پر دیے گئے، کہ ان سے اس خطہ صاحبین کی عظمت و نورانیت کا کچھ  
 اندازہ ہو سکے، ورنہ جہاں ایک نہیں، چند نہیں ہزاروں صحابی آرام فرما ہوں، جہاں  
 بے گنتی شہداء و صدیقین مدفون ہوں، اور جہاں زمانہ صحابہ و تابعین سے لیکر اس  
 تیرہ سو برس کے اندر بے شمار اولیاء کاملین اور ابراہامیہ کی ایک پوری سبقت  
 کی بستی آباد ہو چکی ہو، وہاں کے انوار و برکات کا احاطہ کرنا کس کے بس کی بات ہے،  
 آج ان میں کوئی ایک ہستی بھی کمین علیحدہ مدفون ہوتی، تو اس کا مزار مرجع  
 خلائق بن جاتا، اور اس کے آستانہ پر ایک پورا میلہ لگا رہتا، لیکن یہاں وضو رسولؐ  
 کا جوار ہے، بجلی کے قمقے بڑے روشن سہی، ستاروں کی روشنی شب تار کی تاریکیوں کو  
 کافور کر دینے والی سہی، اور خوش جمال ماہتاب ان سے روشن تر سہی، لیکن جب

# باب ۱۵

## انوارِ مدینہ

سجدہ نبویؐ کی زیارت ہو چکی، آستانہ نبوت پر سلام عرض کیا جا چکا، صدیقؓ اور فاروقؓ کے دربار میں حاضری کے آداب بجالانے جا چکے، گھڑیاں اور گھنٹے گزر چکے، زمین آئین اور جاچکین، دن طلوع ہوئے اور ختم ہو چکے، لیکن ابھی وہاں حاضر ہونا باقی ہے، جہان آدمی رات کو خواب اور آرام سمیٹ کر تشریف لیجاتا اور اپنے مولا سے راز و نیاز میں مصروف ہو جاتا، خود محبوب رب العالمین کو محبوب تھا، اس مقام کا نام کون سلمان ہے، جسکو معلوم نہیں، اس جگہ کی حاضری، کون سادل ہے، ہمیں اس کا ارمان نہیں، بہ یقع الغرق، یا عورت عام کے مطابق جنت الیقاع وہ خاک پاک ہے، جہان رسول صلعم کے چہیتے اور لاڈلے، اللہ کے برگزیدہ اور پیارے، ایک دو نہیں، دس نہیں، نہیں خدا معلوم کتنے اور کس تعداد میں، آرام فرما رہے ہیں! حرم نبویؐ سے کچھ زیادہ دور نہیں، مشرق کی جانب پیدل ٹہلتے ہوئے چلے، تو آٹھ دس منٹ میں باسانی پہنچ جائے گا، آبادی سے الگ ایک نہایت وسیع چار دیواری، اور اس احاطہ کے اندر کیا بتایا جائے کہ کیسے کیسے گہر نایاب زیر خاک آسودہ ہیں! ادھر دیکھئے تو جگر گوشہ رسول صلعم ہا جبرازہ ابراہیمؑ، جو اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے، اور نورِ نظر

آستانہ مبارک پر جس طرح سجدے کئے، اُس کے آستانہ پر سجدے کئے، جسکی  
 ساری زندگی کا منشاء اسی انسان پرستی کو مٹانا تھا، اُن کی بابت کیا کہا  
 جائے، اور عیسویں صدی عیسوی کا دور یا جو جی جو کچھ دکھارہا ہے، اس کا  
 رونا کمان رویا جائے!





ایک بار پھر اپنے انھیں فیض آبادی بزرگ اور ان کے حقیقی بھائی  
 حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا نام لینا پڑتا ہے، کہ ایک کے مکتوب  
 نے اور دوسرے کی زبانی گفتگو نے اغواست حرم، خصوصاً شیخ علیل آغا کو  
 (جو حدیث میں موجودہ شیخ الحدیث دیوبند کے شاگرد بھی ہیں) ہریان  
 کر دیا، اور ایک شب، کہ شبِ دو شنبہ تھی، قیام کی اجازت اس نائبر  
 اور اس کے رفیقوں میں مولانا مناظر صاحب کو مل گئی، چند اور اصحاب  
 کو بھی جو سب کے سب ہندی ہی تھے، اسی شب اجازت ملی جن میں  
 قابل ذکر میر ننگ صاحب (مقدمہ انجمن تبلیغ اسلام انبالہ) اور جد آباد  
 دکن کے وکیل مولوی ابوالخیر خیر اللہ صاحب ہیں، یہ شب کس طرح گدزی  
 اور کس نے کیا کیا کیا، اس کی شرح اخبار کے صفحہ پر لانے کی نہیں، صرف لوج  
 دل پر محفوظ رکھنے کی ہے، البتہ ایک بد نصیب ایسا تھا، جس نے اپنی ناقہ سی  
 سے اس شب قدر کو بھی بالکل ضایع کر کے رکھا، وہ صحن میں جا کر سویا بھی، وہ  
 جتنی دیر تک جاگا، اتنی دیر بھی اس کا وقت غفلت ہی کی نذر رہا، وہ اپنی  
 خریدیوں اور کوتاہیوں کا گلہ کس سے اور کن لفظوں میں کرے! سکندر کو  
 حضرت خضر جیسے رہبر کا ملے اور چٹمہ جوان تک رسائی ہوئی، لیکن نتیجہ؟  
 یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی بار، ایک ہی شخص کو پیش نہیں  
 آیا ہے، خدا معلوم کتنے سکندر ہیں، جنہیں ہر جگہ ہر وقت یہی پیش آتی رہتی  
 ہے۔ ————— باقی اور بعض ہریانوں نے اس شب میں جو کچھ کیا  
 حکومت کے قانون، اور شریعت کے قانون دونوں کو جس طرح توڑا

رباط حسین بنی مین مقیم رہے جو حرم سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ہی بعض دوسرے رفقاء  
 بھی الگ الگ مکانات میں اُٹھ گئے، لیکن جو جماعت بھر میں سب سے زیادہ کم ہمت  
 اور بہانہ باز تھا، اُسے مع غاص اس کے چچو آدمیوں کے قافلہ کے، اللہ کے فضل و کرم  
 نے حرم کے باب حیرت و باب لہذا سے کل دس میں گز کے فاصلے پر مولانا سید احمد  
 کے مدرسۃ الیتامی سے متعلق مولانا ہی کے ذریعہ سے جگہ ولادی ہو، کمزور دن  
 اور تاوانوں کا رب اپنے پست ہمت بندوں کی شاید بون ہی دستگیری کرتا رہتا ہے  
 مولانا سید احمد فیض آبادی کے احسانات و عنایات کا بیان کن الفاظ میں ہو،  
 محض انھیں کے لطف و توجہ نے قیام کا مسئلہ یوں حل کر دیا، اور اس کا پورا موقع  
 بہم پہنچا دیا، کہ عینی دیر تک اور عینی بار ہی چاہے، حرم میں حاضری ہوتی رہے  
 اور پھر کھانے پینے اور ٹھننے بچھانے، اور ہر قسم کے سامان آسائش کی، جس  
 اہتمام و التزام کے ساتھ، وہ ہر وقت خبر لیتے رہے، اس کی تفصیل اگر تحریر میں  
 لائی جائے، تو یقیناً ایک گروہ اسے مبالغہ بیانی پر محمول کرے،

حرم کے دروازے نماز عشا کے کچھ دیر بعد بند ہو جاتے ہیں، اور شب میں  
 کسی کو اندر رہنے کی اجازت نہیں، الا یہ کہ خدام و محافظین سے مخصوص اجازت  
 قبل سے حاصل کر لی جائے، کون ایسا بد نصیب ہے، جسے اس کی تمنا نہ ہوئی  
 ہوگی؟ لیکن اس آرزو کے پورے ہونے کی آخر کیا صورت؟  
 حل این نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد!

لے اب یہ اجازت بھی نہیں مل سکتی،

پر ایک ایک دود و تباہی دربان، جیسا کام یہ ہے، کہ حب آپ مسجد کے اندر قدم رکھنے  
 لگیں، تو اپنا جوتہ، یا چھتری، یا لالٹین، ان کے پاس رکھا دیں، واپسی پر بہ حفاظت  
 آپ کی چیز آپ کو مل جائیگی، اس مقدس مکان کی درباری، کوئی معمولی چیز ہے !  
 جس کے نصیب میں آجائے، انکی خوش نصیبی قابل رشک ! باب جبرئیل کے دربان  
 سے سابقہ زیادہ پڑتا رہا، ایک ہندوستانی ہیں، صوفیہ ہمارے رہنے والے، قمر الدین  
 نام ہے، سالہا سال سے ترک وطن کئے، در رسول پر پڑے ہوئے ہیں، عربی فارسی  
 سب زبانیں بقدر ضرورت سیکھ لی ہیں، اندر خوشدلی سے انکی خدمت کر دیئے، بس بھر  
 دیکھئے، کیسے مہربان ہو جاتے ہیں، اور آپ کے کیسے کیسے کام نکال دیتے ہیں، باب شمس  
 پر جو دربان ہیں، ایک فوری شکل کے پیر مرد ہیں، فقہ لوگوں سے سننے میں آیا، کہ صاحب  
 دل و صاحب نسبت ہیں، باب مجیدی کے بواب سے صرف دو ہی ایک بار سابقہ پڑا،  
 لیکن انکی خدمت میں جو کچھ پیش کیا گیا، اسے کسی طرح قبول نہ فرمایا، یہی کہتے تھے  
 کہ "میرے لئے کبر و عرفات میں دعا کر دینا، یہی معاوضہ کافی ہے، یہ بے طمعی" اور  
 ایسی متوکلانہ روش، ایسے موقع پر جہان ہر وقت ترقیبات موجود ہوں، قائم رکھنا  
 بجائے خود ایک مجاہدہ ہے،

بلدہ طیبہ میں قیام کی جگہیں بہت سی ہیں، علاوہ کراہیہ کے مکانات کے باط  
 بھوپال، رباط ٹونک، حیدر آباد کی متعدد رباطیں، وغیرہ، اوپر گزر چکا ہے، کہ اپنا خانہ  
 حیدر آباد کی ایک رباط میں اگر اترا، لیکن دوسرے دوسرے ہی روز خانہ مختلف مکروہ  
 میں تقسیم ہو گیا، مولانا مناظر صاحب، مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ بدستور

مخصوصاً حرم دینہ والے، یوں تو سب ہی آپ کی امداد و اعانت کے محتاج و منتظر ہیں لیکن  
 بن پرٹے تو ان ندام کی کچھ مذمت، ٹٹو میں دل سے ضرور کیئے ان کو یہاں کی ہمت  
 میں آغا کہتے ہیں بیچارے اپنے وطن سے دور اور اپنے عزیزوں قریبوں سے مجبور  
 آستانہ نبی پر پرٹے ہوئے ہیں، نہ کہیں آنے کے نہ کہیں جانے کے، کچھ بھی ہو جائے  
 کیسے بھی انقلابات آئیں، مارے شہر دینہ کی آبادی خالی ہو جائے، پر یہ بیان سے  
 نہیں ٹلے جب دیکھے، بحرہ مسلمہ کی پشت پر، جانب شمال، باب حیرت، باب لہنا،  
 کے درمیان اپنے یسح چوترا (دکھ، الاغوات) پر بیٹھے ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ یہی چوترا  
 کبھی اصحاب صفہ کا صفہ (چوترا) تھا، ان کے گزور جٹوں، ان کے غیف جسموں اور  
 سب بڑھکر ان کے سیاہ رنگ پر اگر کبھی نظر جائے، تو فوراً یہ یاد کر لیجے کہ غزوات  
 بلال کس ملک کے اور کس رنگ کے تھے، موجودہ آغاؤں کے سردار غلیل آغا،  
 خاص طور پر خوش اخلاق ہیں، ہندوستان بھی آپکے ہیں،

حرم کے اندر ایک خاص شخصیت شیخ الروضہ شیخ توفیق کر دی ہے، جو ترکون  
 کے زمانہ سے اسی عہدہ پر ہیں، نورانی چہرہ، سفید رنگ پر سن سفید داڑھی بہت  
 سے کلام مجید اس پاس لئے ہوئے، روضہ کے اندر منبر نبویؐ و مصلیٰ نبویؐ کے درمیان  
 بیٹھے ہوئے، تلاوت کے لئے جس وقت جتنی دیر تک بھی چاہے ان سے کلام مجید  
 لے لیکر پڑھتے رہتے، ایک صاحب ثقیب العلماء کے لقب سے باب مجیدی کے قریب  
 صحن کے شمالی والے میں ترکون کو درس دیتے رہتے ہیں، یہ بھی ملنے کے قابل  
 ہیں، ذیل خوش اخلاق، بے طبع، ہندوستان کی سیر کئے ہوئے، پانچوں دروازوں

تھے جو ماشاء اللہ تجوید سے واقف ہیں اور خوش امکان بھی ہیں، منجلی امام کے برخلاف قرات مختصر کرتے اور ارکان نماز بڑے اطمینان سے ادا کرتے اس لئے قدرۃ اس نماز میں اور تمام نمازوں سے زیادہ جی لگتا، جماعت عشا کے کچھ دیر کے بعد مسجد ہر شخص سے خالی کر دیجاتی، عظام کھوج لگاتے ہیں، کہ کہیں کوئی شخص پھپکھ تو نہیں بیٹھ رہا ہو، روشنیان گل کر دیجاتی ہیں، اور دروازے بند ہو جاتے ہیں، صرف دو ایک خادم اندر رہ جاتے ہیں،

مسجد کے قدام عمامہ فام خواجہ سراہین، حبشہ امراض، ازبجار و غیرہ افریقہ کے مختلف علاقوں سے ترکوں کے زمانہ میں نو عمر خواجہ سرا لاکر بکتے تھے، اور ترک سلطان انہیں خدمتِ حرمین کے لئے خرید لیتے تھے، سلطان ابن سعود نے اس دستور کو جو ہرگز نہ سنت رسول کے مطابق تھا، نہ سنت صحابہ کے، بحد اللہ بند کر دیا، تاہم پرانے خواجہ سراؤں کی ایک تعداد دیکھیں تیس کے قریب ہو گئی، اب بھی باقی رہ گئی ہے، حرمِ نبوی کے اصلی عظام چند سال قبل تک ہی لوگ تھے، اور اس مقدس چار دیواری کے اندر سیاہ و سپید سب انہیں کے احترام تھا، اب انکے اختیارات بہت گھٹ گئے ہیں، اور تنخواہیں بھی بہت کم ہو گئی ہیں، انذرانوں کی آمد نیان بھی یوں ہی سی رہ گئی ہیں، تاہم ان کے حسن اخلاق، ان کے ولولہ خدمت، انکے حب رسولؐ میں اب بھی کوئی فرق نہیں، انکا وہ سر سے پیر تک سفید براق لباس، وہ اونچی اونچی بگڑیاں، وہ ڈھیل ڈھیل عباہیں، وہ لمبی لمبی آستینیں، ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد انکی صورتیں نظر میں ایسی کھب جاتی ہیں، کہ پھر نکالنا چاہئے بھی، تو نہیں نکلتیں، مدینہ دے

ہے اور صفہ کے اندر غلین پڑھنے کا یہی بہترین وقت ہوتا ہے۔ معطلہ بنوسی پر بھی نماز پڑھنے  
 کا موقع ملتا ہے۔ جس خوش قسمت کی رسائی یہاں تک ہو جائے، اسے یہ نہ بھول  
 جانا چاہیے کہ خدا معلوم کتنے دوسرے بھی اسی معطلہ پر نماز پڑھنے کے آرزو و اشتیاق  
 میں ہیں، اس لئے اس جگہ پر بہت دیر تک اپنا قبضہ نہ تباہ رکھے بلکہ جلد دوسرے  
 کے لئے جگہ خالی کر دے۔ جسٹور قلب کے ساتھ اگر چار بلکہ دو رکعتوں کا بھی موقع ملتا  
 تو بالکل کافی ہے، ظہر میں ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہوتا ہے کہ پھر زائرون اور نمازین  
 کا ہجوم بڑھنے لگتا ہے، ٹھیک دوپہر کو بالکل اول وقت، نماز ظہر ادا ہوتی ہے اور پھر  
 اس کے کوئی تین گھنٹے بعد بالکل اول وقت نماز عصر بھی، عصر کے بعد پھر گھنٹہ ڈیڑھ  
 گھنٹہ ذرا جمع کم رہتا ہے، یہاں تک کہ مغرب میں جب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہتا ہے، تو پھر  
 بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، اس وقت صحن بھی غموٹا گھر جاتا ہے، اور درس حدیث و درس  
 صرف و نحو کے حلقے جا بجا قائم ہو جاتے ہیں، مغرب کے بعد بعض لوگوں کے وعظ بھی  
 اکثر سننے میں آئے، ان میں ایک واعظ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اردو میں بولتا  
 رہتا تھا اپنے کو دہلی کا باشندہ بتاتا تھا، لیکن لہجہ میں پنجابیت اچھی خاصی تھی ہندو  
 میں تو کوئی اسے جانتا نہیں، مگر یہاں اس کا شمار علماء میں تھا، قرآن کی عبارتیں  
 غلط پڑھتا، اور اس کے معنی غلط تر بیان کرتا، اور غیر مقلدئی کی تبلیغ بیا کی، اور  
 بد زبانی کے ساتھ کیا کرتا، ایک روز میں ذری کی ذری کھڑا ہو کر سننے لگا تو کہہ رہا  
 تھا کہ "جو لوگ یہاں کی خاک بطور تبرک لیجاتے ہیں، وہ سخت گنہگار ہوں گے" اور  
 ہرگز نہ بخنے جائیں گے، اس لئے کہ قرآن میں آچکا ہے ان الله لا يعصم ان فيشرك  
 عشا کی نماز، مغرب کے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے، اس وقت کے امام حنفی ہوتے

وحدت است اسلامیہ کے، مذاہب اربعہ کی تقسیم سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لئے ہے، نہ کہ امت اسلامیہ کو مختلف ٹکڑیوں میں توڑ دینے اور ایک کو دوسرے کے مقابل و حریف بنادینے کے لئے چار جماعتیں الگ الگ ہونے میں وہ لطف اور وہ حسن کہاں باقی رہ سکتا ہے، جو سب کے یکجا پڑھنے اور ایک امام کی اقتدا کرنے میں آتا ہے، شیعوں کے لئے کسی علیحدہ جماعت کا انتظام نہیں، خالی اوقات میں شیعوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو "روضہ" میں اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا گیا، اور جو دھری محمد علی روولی کے سے شیعہ توہم لوگوں کی جماعت میں بے تکلف شریک ہو جایا کرتے تھے، کا یہ فراخ دلی شیعہ فرقہ میں عام ہو جاتی!

فرض نمازوں کی اذان کے علاوہ "یہان تہجد کی اذان بھی" ہندوستان کے وقت کے اندازہ سے کوئی ڈھائی پونے تین بجے شب کو ہوتی ہے، اسی وقت حرم مدنی کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور اسی وقت خلعت کے ٹھٹ کے ٹھٹ، جو دروازوں سے لگے ہوئے باہر کھڑے ہوتے ہیں، اذوق و شوق کے ساتھ لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے اندر داخل ہونے لگتے ہیں، اور سب کی تمنا یہ ہوتی ہے، کہ سب پہلے مصلے نبوی پر یا کم کم روضہ کے کسی حصہ تک جا پہنچیں، تخمیناً گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد فجر کی اذان ایسے وقت ہوتی ہے، کہ خوب اندھیرا اچھایا ہوتا ہے، جنیل امام کی قرأت عموماً بہت طویل ہوتی ہے، پھر بھی جب نماز ختم ہوتی، اندھیرا اچھا خاصہ باقی رہتا، اور لوگ تارون کی چھاؤں میں گھرواپس جاتے، دن ٹپکنے سے لیکر کوئی چار ساڑھے چار گھنٹہ کا وقت مسجد نبوی میں نسبتاً ٹھیکہ کا ہوتا ہے، اس وقت ہجوم اور وقوتوں کے مقابلہ میں کم ہوتا

کس حصہ کو بڑھائیے اور کس کو گھٹائیے! یہ فخر عمر بھر کہیں ٹٹنے والا اور یہ شرف زندگی بھر  
 کبھی بھولنے والا ہے، کہ جس زمین کے ذرات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں نے مس کیا  
 جہاں صدیقوں نے نمازین پڑھیں، جہاں شہیدوں نے سجدے کئے، جہاں نور کے بنے ہوئے  
 فرشتوں نے بار بار فخر و ناز کے ساتھ حاضری دی، ہاں زمین کے جس ٹکڑے پر آسمان  
 کو رشک آرہا ہو، آج وہاں ایک خاک کا پتلا، عرض ہو اکا بندہ، آزادی کے ساتھ بے  
 روک ٹوک چلے پھرے، ہنسنے بسے، رونے اور گر کر ملے!  
 یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!

پہلے کسی زمانہ میں چار مصلے تھے، جو چاروں اماموں کی جانب منسوب تھے اب  
 صرف ایک ہی مصلے ہی، جس پر مذاہب اربعہ کے امام مختلف اوقات پنجگانہ میں بارگاہ  
 باری نماز پڑھاتے ہیں، اور ہر امام کے پیچھے ہر وقت نماز میں باقی مذاہب ثلاثہ کے  
 پیرو جو حق جوق نمازین پڑھتے ہیں، چار مصلوں کو توڑ کر ایک مصلے قائم کر دینا، نجدی  
 حکومت کی یقیناً ایک بدعت حسنہ ہے، کاش اسی طرح تفریقوں کو مٹا کر وحدت امت  
 کا خیال اس حکومت نے دوسری چیزوں میں بھی رکھا ہوتا! فجر کی نماز جنہلی (نجدی)  
 امام پڑھاتا ہے، ظہر شافعی امام سے متعلق ہے، عصر مالکی امام کے اقتدار میں ادا کیجاتی ہے  
 مغرب کی امامت پھر جنہلی امام کے پیچھے ہوتی ہے، اور عشا کے وقت حنفی امام کی نوبت آتی  
 ہے، نماز جمعہ پھر جنہلی امام کے پیچھے پڑھی جاتی ہے، اس طرح حنفی، شافعی، مالکی، جنہلی  
 سب کو ایک دوسرے کے پیچھے ہر روز نمازین پڑھنی پڑتی ہیں اور یہی معنی ہیں  
 صلہ بعد کو بڑا کی کہ حنفی اور شافعی امام موقوف کر دیئے گئے اور صرف مالکی و جنہلی امام باقی رہ گئے، افسوس!



# باب ۱۴

## مسجد نبوی

مسجد پاک کے کن کن حصوں کی پاکیزگی اور کن کن گوشوں کی بڑائی ان گنائی جائے  
اور جو ہمہ خوبی و ہمہ خوبی ہے اس کے کس کس جزو کے جمال کا نقشہ کھینچا جائے اس کے کہ ایک ہی بار  
دیکھیں بہارِ قزوآنِ گلزار!

پڑھ کر خاموشی اختیار کر لی جائے، ابھی روضہ جنت کا ذکر تھا، روضہ شے اندر ہی عرابی  
ہے اس کے مقابل، روضہ کے باہر منبر نبوی کے دوسری جانب محراب سلطانی ہے، سال  
کے بیشتر حصہ میں چونکہ جماعت مسجد کی دست و گنجاش کے لحاظ سے بہت مختصر ہوتی ہے،  
اس لئے امام محراب نبوی میں کھڑا ہوتا ہے، اور غازی روضہ میں ہوتے ہیں لیکن حج کے  
آگے پیچھے موسم زیارت میں جب جمع کئی گنا بڑھ جاتا ہے، تو امام محراب نبوی کو چھوڑ کر چند  
صفین آگے بڑھ کر محراب عثمانی میں کھڑا ہونے لگتا ہے، اور غازی مسجد کے سامنے عرض  
و طول میں پھیل جاتے ہیں یہ محراب ذوالنورین خلیفہ ثالث کی تعمیر کرائی ہوئی ہے  
اس کی نورانیت کا بیان کس زبان سے ہو! — عرض ساری مسجد اللہ ہی  
کی ہے، اور اللہ کے بندوں کے لئے ہے، اہان چاہئے غازی پرٹھئے، اور جس جگہ دل میں آئے  
اپنے مولا سے ماز و نیاز میں گجائے، چپہ چپہ اندر سے سمور، ذرہ ذرہ برکتوں سے پر نور



بدعتوں کا مٹانا بتایا جاتا ہے، لیکن خاص مجاہد کے مبارک و متبرک دن عین صاحبِ بخت  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں "بدعتوں" کو یوں مٹایا جاتا ہے: "امر بالمعروف" کی  
یون جہارت کیجاتی ہے: "توحیدِ علی" کی یوں منادی کیجاتی ہے، مسادات و اخوتِ اسلامیہ  
کا درس، صرف رعایا سے حجاز ہی کو نہیں ساری دنیا سے اسلام کو یوں دیا جاتا ہے۔  
اللہ کا علم، بیک بہت بڑا ہے، لیکن کیا ہمیشہ ملت ہی دیتا چلا جاتا ہے:

نماز سے ذرا پہلے امیر صاحب (غالباً موٹر پر) تشریف لاتے ہیں، اور مسجد کے اندر  
اس شان سے داخل ہوتے ہیں کہ بند و فوجیوں کا ایک پورا دستہ ہمراہ، آگے بھی سپاہی  
اور بائیں بھی سپاہی، اور اس غول کے اندر امیر صاحب نہ کسی سے مصافحہ نہ کسی  
سلام علیک! قدم قدم پر حکومت کی شانِ عیان، اور امارت کے نشانات نمایاں،  
بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہندوستان کی سر زمین پر مائیکل اوڈوئر، یا جنرل ڈائر اپنے  
اور لیون اور اپنے فوجیوں کی قوت پر نازان، اپنی کالی رعایا کے سامنے، اکڑتا اور جھوٹا  
ہموچل رہا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ترک بادشاہ اپنے نام کے ساتھ "خادم" و "حریم الشریفین"  
لکھتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، اب سلطان نجد و جلالة الملك، گو اپنی سلطنت اور  
مین ان سے بہت چھوٹے ہیں، ایسا کیون نہیں کرتے؟ جواب ظاہر ہے جس سلطان کے نائب  
اور جس "نائب" کے گورنر تک "خادم" ہونے کے بجائے "مخدوم" ہوں اور حرم کے اندر عین عبادت  
و تضرع کے وقت، عین خشیت و انابت کے موقع پر بھی، اپنے مخدوم اور اپنے حاکم ہونے کا  
یون مظاہرہ فرماتے رہیں، وہ کیا کوئی دیوانہ ہے، جو اپنے کو "خادم" کہتا رہے، اور اپنے مندرجہ  
واقعا رکھ اپنے لئے باعثِ شرف سمجھتا رہے؟ — دوستو! اور عزیزو! یہاں سوال

جمعہ کا دن مسلمانوں کی عید کا دن ہوتا ہے، پھر مدینہ کا جمعہ اور مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جمعہ جس کے نصیب میں یہ آجائے، اس کے نصیبہ ور ہونے میں کے کلام ہو؟  
 لیکن جس نے اپنا ہم قاور علی الاطلاق رکھا ہے، جس نے اپنی شان غنی عن العالمین بیان کی ہے، اس کی کار فرمایوں کے بھید کون پاسکا ہے، اور اس کی مشیت کی باریکیوں کی تھاہ کس کو مل سکی ہے، آفتاب عالمات ہے، سارے عالم کی آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے، لیکن اسی عالم کے اندر ایسے جاہل بھی موجود ہیں، جن کے حق میں یہی نور عالمات، آنکھوں کا عجاب بن جاتا ہے، مدینہ پر اس وقت سودی حکومت کا پرچم لہرا رہا ہے، سلطانِ حجاز کی طرف سے مدینہ میں جو امیر (گورنر) مقرر ہیں، وہ عیسائیوں کی طرح ہفتہ میں صرف ایک دن، ایک وقت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا ضروری خیال فرماتے ہیں، "حاضر ہونا" غلط کہا گیا، وہ حاضر نہیں ہوتے ہیں، مسجد میں "تشریف لاتے ہیں" تشریف آوری کی شان یہ ہوتی ہے، کہ نماز جمعہ کے وقت مقررہ سے تین گھنٹے قبل (بہ بین گھڑی کے حساب سے پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں) سے "روضہ جنت" کا ایک عہدہ جمعہ عام نمازیوں، اور عبادت گزاروں سے خالی کرایا جانے لگتا ہے، اور منبر سے لیکر مصلیٰ نبی تک کا حصہ بقدر تین صفوں کے، ہر نماز پڑھنے والے سے، ہر تلاوت کرنے والے سے، ہر درود پڑھنے والے سے کبھی طوعاً، اور زیادہ تر کہ با، خالی کرایا جاتا ہے، اس لئے کہ امیر مع اپنے خدم و خشم کے تشریف لارہے ہیں! (خدا کا شکر ہے کہ اس طرح کی تشریف لاری ہفتہ میں ایک ہی بار ہوتی ہے، اور یہ خالی کرانے والے سودی حکومت کے پیادے نیز "محکمہ امر بالمعروف" کے عہدہ دار ہوتے ہیں، محکمہ کا مقصد شریعت کا مفاد ادا

شاید دھائی تین سو نازیون سے زائد کی نہ ہو، صرف چند لمحے صبر و انتظار کی ضرورت  
 ہوتی ہو، یہاں تک کہ مسئلے بنی جو موسم حج میں کبھی نازیون سے خالی نہیں رہتا  
 اور جس پر مشاقون کے ٹھٹھٹ ٹوٹے پڑتے ہیں، وہاں بھی کچھ ہی دیر کے صبر و انتظار  
 کے بعد جگہ ملی کر رہتی ہے، البتہ اتنا خیال اپنے کو بھی رہنا چاہئے، کہ اُس جگہ پر بہت  
 دیر تک اپنا قبضہ نہ رکھے، اس پر سب مسلمانوں کا حق یکساں سمجھے، اور ملکی ملکی کعتیں  
 پڑھ کر جلد اس جگہ کو دوسرے آرزو مندوں کے لئے خالی کر دے، یہیں منبر کے قریب  
 اور ایک دوسرے مقام پر بھی، بہت سے کلام مجید رکھے رہتے ہیں، جب کا جی چاہے،  
 پڑھے، غرض روضہ جنت کے اندر قدم رکھنے کے بعد جتنی دیر چاہئے نماز پڑھے، جب تک  
 جی میں آئے قرآن کی تلاوت کرتے رہئے، اور جب تک دل لگتا رہے، اور درخواستی  
 میں مصروف رہئے، اہر عمل جنت ہی کی طرف لیجانے والا ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے  
 کہ مواجہ مبارک میں جو عجب و جلال ہے، اور وہاں حاضر ہو کر قلب پر جو بہت  
 طاری ہوتی ہے، وہ یہاں مفقود ہے، یہاں سکون، اطمینان اور ٹھنڈک ہے، کیسوی  
 اور حضور قلب کے ساتھ جب تک نعمت یاوری کرے مناجات میں لگے رہئے، غرض  
 معروض کرتے رہئے، دعائیں مانگئے، اپنی ذات کے لئے، بزرگوں کے لئے، عزیزوں  
 کے لئے، دوستوں کے لئے، ساری امت اسلامیہ کے لئے، سب کے لیے بھلائی چاہئے،  
 اپنے گناہوں کو یاد کیجئے، اپنی تباہ کاریوں کا حساب لگائیے، رویئے، اور گناہ گزائیے  
 سجدوں میں گریئے، اور کسی کو مٹائیے، دل سے بھی رویئے، اور آنکھوں سے بھی  
 سیلاب بہائیے، نہ یہ جگہ سب کہیں نصیب، اور نہ یہ گھڑیاں ہر وقت حاصل!

(۶) اسطوانہ جبریل، حضرت جبریلؑ اکثر وحی اسی مقام پر لیکر آئے ہیں،

چار ستون یعنی اسطوانہ حرس، اسطوانہ وفود، اسطوانہ سریر، اسطوانہ جبریل،

بالین مبارک کی جالیوں والی دیوار میں ایک ہی قطار میں قریب قریب ہیں،

(۷) اسطوانہ عایشہؓ جس جگہ اب مصلیٰ بنی ہو، اس کے اختیار کرنے سے قبل رسول اللہ

نے کچھ روزہ میں نماز ادا فرمائی ہو، ایک مرتبہ حضور صلعم کی زبان مبارک سے یہ نکلا تھا،

کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہو، کہ اسکی فضیلت اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، تو وہاں

جگہ پانے کے لئے لوگ قرعہ ڈالیں، اُس وقت سے صحابہؓ کو برابر اس جگہ کی حقارت ہو گئی،

حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عایشہؓ نے اس جگہ کا پتہ اپنے بھانجے حضرت عبداللہ

بن زبیر کو بتایا اسی مناسبت سے اسے اسطوانہ عایشہؓ کہتے ہیں،

(۸) اسطوانہ تہجد، یہ مقصورہ شریفہ کی پشت کی جانب ہو، (یعنی شمالی دیوار میں)

کہا جاتا ہو کہ یہاں رسول اللہ صلعم نے تہجد کی نماز میں ادا فرمائی ہیں، سعودی حکومت

نے یہاں نماز پڑھنے کی، بلکہ یہاں تک پہنچنے کی مانعت کر دی ہو، شاید اس خیال

سے کہ یہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تربت مبارک سامنے پڑتی ہو،

روضہ حبیب میں جہاں کہیں بھی جگہ مل جائے، اپنی خوش نصیبی سمجھے، لیکن

اس کے لئے دوسروں کی جگہ زبردستی چھین لینا، ایک دوسرے سے دھکم دھکا کرنا

آداب مسجد اور وقارِ دربارِ نبویؐ کے بالکل منافی ہو، اور حق یہ ہو کہ اسکی ضرورت

بھی نہیں پڑتی، شدتِ ہجوم کے زمانہ میں بھی اسے یہاں کی کراہت سمجھے، یا جو کچھ

کہ ہر آرزو مند کو اس محدود درقبہ کے اندر جگہ مل ہی جاتی ہو، حالانکہ کل گنجائش سین

اسی روضہ کے اندر وہ آٹھ ستون بھی ہیں جنہیں اسطواناتِ رتہ کہا جاتا ہے۔  
ان کے پاس نمازین پڑھنے کی خاص فضیلتیں آئی ہیں اور روضہ بھر میں کہیں بھی نماز پڑھنے سے سزا  
تختہ، تختہ جنت ہو، لیکن اگر آسانی سے بلازحمت و لنگش ان میں سے کسی ستون کے پاس جگہ  
مل جائے، تو سبحان اللہ نور علی نور،

(۱) اسطوانہ منلقہ، یہ ستون عین مصلیٰ نبی کی پشت پر ہے، منبر تیار ہونے سے قبل  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ جمعہ اور شاد فرماتے تھے، ستون خانہ جس نے  
منبر کی تیاری کے بعد حضور سے جدا ہونے پر گریہ و بکا کیا تھا، ٹھیک اسی مقام پر تھا  
(۲) اسطوانہ حرس یا اسطوانہ علیؑ، یہاں صحابہ کرام حضور کی مدد بانی یا پھرہ کے لئے  
بیٹھے رہتے تھے اور اکثر یہ خدمت حضرت علیؑ سے متعلق رہی تھی اور آپ کثرت سے  
نمازین ہمیں ادا فرماتے تھے،

(۳) اسطوانہ وفود، باہر سے جو وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان سے  
اکثر اسی مقام پر ملاقات فرمائی جاتی،

(۴) اسطوانہ ابی لبابہؓ، حضرت ابی لبابہؓ مشہور صحابیوں میں ہیں، ایک مرتبہ آپ  
جہاد میں نہ گئے، بعد کو خود ہی مذمت ہوئی، اور اس زود کا احساسِ مذمت ہوا کہ آپ  
کو مسجد میں ایک ستون سے باز نہ دیا، بالآخر جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس تشریف  
لائے اور ابی لبابہؓ کی بریت میں وحی نازل ہوئی تو اپنے دست مبارک سے ابی لبابہؓ  
کو کھولا،

(۵) اسطوانہ سریر، اس ستون کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ احکام میں کبھی کبھی  
کے بویئے پر آرام فرماتے تھے،





الفاظ میں کیونکر بیان کیا جائے! حدیث کی شرح میں شارحین کے قول مختلف ہیں، کوئی  
 یہ کہتا ہے کہ اتنا ٹکڑا نزول رحمت و حصولِ سعادت میں جنت کے باغیچوں کے مثل ہے، اور  
 اس لئے اسے چہن جنت کہا گیا، کسی کا فرمانا یہ ہے کہ یہاں کی عبادت نہایت مقبول ہے  
 اور اس کے سبب یقیناً باغِ جنت ملے گا، اس مناسبت سے اسے روضۂ جنت ارشاد فرمایا  
 گیا، اور بعض شارحین کا قول یہ ہے کہ اس ارشاد کو ظاہر ہی پر محمول رکھا جائے، یعنی تھا  
 ٹکڑا حقیقۂ جنت ہی کا ٹکڑا ہی، اور قیامت کے دن بعینہ جنت کی طرف اٹھالیا جائیگا، یہاں  
 شرمین اور تاویلین جغین علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے، اپنا اپنی جگہ  
 پر بالکل صحیح و درست ہیں، عبادت اگر یہاں کی بھی مقبول نہ ہوگی تو اور کہاں کی ہوگی  
 نزولِ رحمت اور حصولِ سعادت اگر یہاں بھی نہ ہوگا تو اور کہاں ہوگا، یہ سب صحیح ہے،  
 لیکن صحیح ترین مفہوم وہی ہے، جو سب آخری قول میں نقل ہوا، کوئی اور مانے یا نہ مانے  
 لیکن جن خوش نصیبوں کو اس خطہ بستی کی زیارت نصیب ہو چکی ہے، انکا دل تو یہی  
 پکار رہیگا، اسی کو مانے گا، اور یہی سمجھے گا، اتنا حسین، اتنا دلکش، اتنا جاذبِ نظر  
 اتنا پر انوار قطعہ اس ناسوتی اور فانی دنیا کا ہو نہیں سکتا! یقیناً اسے جنت الفردوس  
 ہی سے اٹھا کر لایا گیا ہے، اور دنیا کی بربادی کے وقت اسے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھ کر  
 انشاء اللہ بحسنہ و بہن پھر اٹھالیا جائیگا!

اور محض دل کی آواز نہیں، محض قلب ہی کا فتویٰ نہیں، اگلے بزرگوں میں  
 بھی بعض محققین کرام اسی جانب گئے ہیں، شیخ دہلوی حدیث بالا اور اسکی شرحوں  
 کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

کے پیش نظر صرف یہی جالیان رہتی ہیں، یہ اہتمام اور انتظام جو دہویں صدی ہجری  
اور بیسویں صدی عیسوی میں جس پہلو اور جس اعتبار سے بھی دیکھیے، سرتاسر غریبی  
و مناسب نظر آئے گا، تربت مبارک اگر منیر اتنے عجائبات کے کہیں کھلے میدان میں ہوتی  
تو شریعت سے بیگانے اہل جوس و اہل بدعت خدا معلوم اب تک کیا کر گزرے ہوتے  
اور پھر جو اہل نظر ہیں، وہ اس منظر راہے عجباب کی تاب کیونکر لاسکتے! ان کے  
علامہ اور بھی متعدد تعلیمتین ہیں جو ہر غور کرنے والے کی سمجھ میں آسکتی ہیں،

زیارت سے فراغت ہو چکی ہو، تو درود و سلام پڑھتے ہوئے اب مسجد کے  
اس حصہ کی طرف آئیے جس کی بابت زبان اقدس سے ارشاد ہوا ہے کہ:-

ما بین یمنی (ادقبری) و منبری ہونہ  
میرے مکان (یا میری قبر) اور میرے منبر کے  
درمیان جو کچھ ہے، وہ جنت کے باغوں میں  
منہ یا من الجنة،

سے ایک باغ ہے،

اور اسی بنا پر اس قطعہ کا نام بھی "روضہ" یا "جنت" کی کیا رہی ہو گیا ہے، بالین مبارک  
کی طرف، جو جالیان ہیں، وہاں سے "روضہ" کے حدود شروع ہوتے ہیں، اور منبر کے  
ختم ہوتے ہیں، جو تخمیناً پچیس تیس فٹ کے فاصلے پر رکھا ہوا ہے، یہ منبر کہا جاتا ہے کہ  
سلطان مراد کا بنوایا ہے، لیکن رکھا ہوا اسی جگہ پر ہے، جہاں منبر نبویؐ رہتا تھا، منبر  
اور جالیوں کے درمیان منبر سے ڈھائی تین گز کے فاصلے پر محراب البنی اور مصلیٰ نبویؐ  
ہیں، یعنی وہ مقامات جہاں اپنے رب کے سب سے بڑے پوجنے والے نے نماز پڑھی  
ہیں، سجدے کئے ہیں، رکوع کئے ہیں، امامت فرمائی ہے، اس خطہ نور کی نورانیت کو

## باب ۱۳

### روضہ حبشہ

اللہ تعالیٰ رکھے اگلون کی تربتون کو، تربت مبارک کی حفاظت اور لوگوں کی نظر سے مخفی رکھنے کا کیسا کیسا انتظام کر گئے ہیں، دین کے بادشاہ کا جہد مبارک جہان سے دونوں وزیروں صدیق و فاروقؓ کے آرام فرما ہے، وہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا، اسی سال تک جو اپنی اصل ملک میں زیارت گاہ خلافت بنا رہا، لیکن رسول صلعم کا جمال دیکھنے والے اور ان دیکھنے والوں کے دیکھنے والے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے، ہجرت کی پہلی صدی ابھی ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی، کہ خلیفہ ولید کے حکم سے والی مدینہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک سنگی عمارت حجرہ صدیقہ کے گرد اگر تعمیر کرا دی، جس میں کوئی دروازہ نہ رکھا، تربت اطہر تو حجاب میں تھی ہی، اب حجرہ شریفہ اس حجاب میں آگیا، اور مشتاقانِ جمال کو اسی یردنی عمارت کی زیارت پر قناعت کرنا پڑنے لگی، کچھ روز کے بعد مزید ترقی کے خیال سے ایک اور احاطہ پتھر کے ستونوں اور محرابوں کا، اس عمارت کے ارد گرد بھی بنا دیا گیا، اور گنبد خضرا، اسی احاطہ پر قائم ہے، اس احاطہ پر کلبہ طیبہ سے نقش پر پڑے رہتے ہیں، اور اس کے دو دروازے کے فاصلہ پر چاروں طرف فولاد یا پیتل کی زر و جالیوں کی دیواریں ہیں، اور اب زائر کے

نے انکا معارضہ روایات بالا سے کرنا چاہا ہے۔ لیکن ان روایتوں میں سے کسی پر بھی ہمارے  
 زیر بحث ہوا تو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اس میں تو صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت سجاد و سید  
 مسلم کے قریب کھڑے ہوئے شہادت لڑ رہے تھے یہ صحیح ہے لیکن اس سے ان چیزوں  
 کی جو کچھ بھی جاچکی ہیں کسی طرح بھی تردید نہیں ہوتی۔ وہ تینوں وہ دور و آئین جو ابن  
 اور سند احمد کے حوالہ سے بیان کی گئی ہیں یہ روایتیں اگر اسی صورت میں مروی ہیں  
 دراصل نگار صاحب معارف فرامین کی خدمت میں نوادہ صاحبہ بالکل نہیں اور نہ  
 اعتماد پر انھیں بالکل صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے سوا دل تو یہ شہور و معلوم ہے کہ ابن عباس  
 اور سند کے رجال اس پایہ کے نہیں جیسے کہ محتاج کے ہیں اس لئے محض یہ روایات  
 استدلال کے اعلیٰ مرتبہ پر نہیں لیکن بالعموم اسے اس طرح بھی چون اور حضرت بلال  
 حضرت ابو ایوب کے ان افعال کو ان کے غلبہ محبت اور وفور جوش پر بشمول کیا جاتا  
 چنانچہ حضرت بلال کے متعلق تو روایت ہی میں تصریح ہے کہ وہ بیہوش ہوئے تھے  
 جو دوسروں کے لئے سند اور حجت کا کام نہیں دے سکتے۔ تانہی عیان و ملا علی قاری  
 امام غزالی، شیخ عبدالحق دہلوی اور فقہاء حنفیہ کے حوالوں سے سچ میں جو عرض کیا گیا  
 تعداد شریعت کا ایک عام ضابطہ و قانون تھا، باقی اہل محبت پر غلبہ شوق و وفور جوش میں  
 اضطراب و کیفیات طاری ہو جاتی ہیں، ان پر کون اعتراض کر سکتا ہے البتہ دوسروں  
 جو حال شہید گمانہ ہیں انھیں رسماً و عقیداً انکا اتباع بھی جائز نہیں اور شریعت کا ضابطہ و  
 نظام ان مشہدات کی بنا پر نہیں قائم ہو سکتا، حضرت کے لئے ایک بیگناہ کا قتل کر دانا جائز  
 ہو گیا، لیکن ہم آپ اگر کسی کو سب سے مشہور طریقہ بھی مادیں تو شریعت کے قانون میں مجرم  
 قرار پائیں گے۔ (پہلے جلد ۵، نمبر ۱۶)

# نوٹ متعلق باب (۱۲)

”مرسلہ“

## آداب زیارت نبویؐ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یا مبدیٰ! ہذا ما امرت فی باب آداب زیارت  
یعنی صلعم صلی اللہ علیہ وسلم (۱) سیدنا بلالؓ نے حضور (روحی فدا) کو خواب میں دیکھا  
فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ تو نے یہ کیسی جفا کی کہ ہماری زیارت نہ کی، بلالؓ اسی وقت شام سے  
روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر جب روضہ انور پر حاضر ہوئے تو دو تے دو تے بیہوش ہوئے گئے  
اور اپنا منہ مزار اقدس پر ملنے لگے، حافظ ابن عساکر عن ابی الدرداء (۲) مروان نے ایک  
شخص کو مزار اقدس پر منہ رکھے دیکھا تو کہا اے شخص یہ کیا کر رہا ہے؟ اس شخص نے سر اٹھایا تو  
وہ ابویوب انصاریؓ تھے، انھوں نے مروان کو جواب ان الفاظ میں دیا، نعم حببت  
عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولغات عن النجاشی (۱) امام احمد فی سندہ (۳) أخرج  
البرزہ فی سندہ ۱۷۱۰ میدنا نعم خرج الی المنبر رسول اللہؐ فاذا امعاذ بن جیل قائم  
یکی عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(محمد افضل سلاخوری دکن، ۱۲۔ آذر)

پتہ، یہ مرسلہ آج ۲۲ اکتوبر کو سفر میں ملا، وطن واپس ہونے میں ابھی دوڑھینہ  
کی دیر ہے، اور اس اثنا میں کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا کوئی موقع نہیں پچ نمبر ۲۵  
میں سفر حجاز نمبر ۱۲ کے ذیل میں آداب زیارت روضہ رسولؐ پر جو کچھ لکھا گیا تھا، مرسلہ لکھا

عبدیت اور اپنی بندگی کا تحفہ محمدؐ کے رب کے حضور میں محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقہ کے  
 موافق پیش کیا جاراہی، کون بتلائے کیا کیا مانگا جاراہی، کیا کیا مل رہاہی؛ دینے والے کے  
 کرم کی کوئی انتہاہی؟ پھر آخر مانگنے والے کیون اپنی زبان میں روکین، اور کیون اپنے دل میں  
 کوئی حوصلہ کوئی ارمان باقی رہنے دین؟ دینے والا وہی توہی جس نے ایک مانگنے والے کے  
 احاج کو دیکھ کر غصہ اور خفگی کے بحر میں نہیں پیار کے الفاظ میں اور محبت کی آوازیں چرن  
 لکھ کر لپکا رانھا، اللہ اکبر! حرص تو حیب کیجاتی ہر حیب لئے سے پورا اطمینان نہیں ہوتا ہے خوا  
 دینے والے اور بے اندازہ کرم کرنے والے سے بھی جو کوئی اپنا سوال جاری رکھے، اسکی حرص  
 شفاعت اسکی حرص "شفقت کا کون اندازہ کر سکتاہی؟ دینے والا غیر محدود اسکی فیاضیوں کا  
 اندازہ طاقت بشری سے باہر لیکن مانگنے والا تو غیر محدود نہیں محدود اور خدا نہیں انسان  
 ہی تھا اس محدود اور فناہی، اور بندہ اور بشر ہی کی حرص شفاعت و حرص "شفقت کا کون  
 اندازہ لگا سکتاہی؟ آج اور یہاں مانگنے والے اسی حرص شفاعت اسی حرص علیکم بالود  
 ردت الرحیم کا لقب پانے والے کے امتی ہیں، اسی کے نام لیوا ہیں، اسی کا کلمہ پڑھ کر  
 جینے والے اور اسی کا نام لے لیکر مرنے والے ہیں، ان کی دعائیں، اور ان کی آرزو  
 اللہ! کس کی زبان میں قوت اور کس کے قلم میں طاقت ہو اس  
 احوال کی تفصیل اور ان اشارات کی تشریح کر سکے!

ہر حال جو نہ ہونا تھا وہ ہوتا ہی اور وہاں ہوتا ہی جہاں ہرگز ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا،  
رحمت عالم کی شان رحمتہ للعالمین سب کے عیون پر پردہ ڈالے ہوئے ہے اور جن و  
رحیم رب غفار سب کے مالک اور سب کے پروردگار کی شان ستاری نادان و ذیان کا ہر  
و خطا کار سب کو ہمت دیئے ہوئے ہے، دلو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ما  
ترک علیٰ خلصیٰ ہامن و آبتہ۔

لیکن ہزاروں کے اسی مجمع میں اگر سیکڑوں نہیں تو میوں، ضرور ایسے ہوتے  
ہیں جو دل ولے بھی ہوتے ہیں اور آنکھوں ولے بھی، جو دیکھتے ہیں کہ کس دربار میں  
حاضر ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ انکا نصیب انھیں کہاں لے آیا ہے، انھیں دیکھیے، تو کبھی  
مواجه مبارک کے سامنے کبھی پالین میں کبھی بالین کی طرف کبھی مصلیٰ نبی پر کبھی منبر  
نبوی کے قریب، کبھی ستون عایشہ کے متصل، کبھی ستون ابابکر کے لگے ہوئے، کبھی  
پاک مسجد کے کسی اور پاک گوشہ میں ڈبائے ہوئے، روتے اور گونگرتے ہوئے ہنسا  
میں مشغول ہیں، سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں، اور کوع میں جھکے ہوئے ہیں، تلاوت میں  
لگے ہوئے ہیں، اور ود خوانی میں محمد میں تسبیح تسلیل میں غرق ہیں، اپنی خطائیں ایک ایک  
کر کے یاد آ رہی ہیں، اپنے گناہوں کی فرد کی ہر ہر سطر سامنے ہے، کسی کی رحمت بجا بگا  
حساب لگ رہا ہے، کسی کے کرم بے انداز کا اندازہ کیا جا رہا ہے، کسی کی شفاعت کا  
خیال اگر ٹوٹے ہوئے دل کو تسلی دیر رہا ہے، اپنے اور اپنے بزرگوں، عزیزوں  
دوستوں کے حق میں دعائیں ہیں، امت اسلامیہ کے حق میں آہیں ہیں، فرائین  
ہیں، پکاریں ہیں، درد مندیاں ہیں، بیقراریاں ہیں، غرض ہر صورت سے اپنی

رابع فصل فی حکم زیارت قبر و صلعم | نے نقل کیا ہے،

غرض یہ کوئی حقیقی و دہائی، مقلد و غیر مقلد، کا اختلافی مسئلہ نہیں، اہل سنت کے سارے اکابر اور تمام فرقے اس پر متفق ہیں، اور آداب زیارت پر جس کسی نے لکھا ہے، یہی لکھا ہے،

لیکن عمل کی حالت؟ — آہ آج کہاں اور کس چیز میں مسلمانوں کا عمل اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، جو ایک اسی معاملہ میں مطابقت کی تلاش کی جائے؟ خدا معلوم کتنے زائر، صبح سے شام تک ایسے آتے رہتے ہیں، جنہیں نہ ادب واسطہ نہ تمیز سے اوقاف مسکنیہ والے اور مسکنات کا ذکر نہیں، کتنے ایسے ہیں جو باوجود تنگ نہیں ہوتے، ادب سے بیگانہ آداب سے آشنا، سراٹھائے قدم بڑھائے، اور وارڈن میں داخل ہوئے، اور دوڑتے بھاگتے ہوئے حیرت سے آنکھیں بھاڑے چاروں طرف دیکھتے ہوئے اردوئے انور کی طرف دھاوا کے چلے آ رہے ہیں، اور پہنچتے ہی یہ چاہتے ہیں، کہ جالیوں سے لپٹ جائیں، یا ان کے اندر گھس جائیں، اور سودی سپاہی کی نظر جو کی اور ادھر انھوں نے جالی پر ہاتھ اور منہ رکھ کر اندر کی طرف، میباکی کے انداز اور حیرت کی نگاہوں کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا، اور سلام پڑھنے کے وقت تو جاہل مزدور کی رہنمائی میں اس مسجد مطہرین، بہان عمر فاروق زور سے بولتے ہوئے تھرتے تھے، وہ شور اور ہنگامہ برپا ہوتا ہے، کہ نازیوں کو ناز پر مہنی، اور تلامذت کرنے والوں کو تلامذت کرنی دشوار ہو جاتی ہے، اور پھر مزدور دن کی زائروں سے "لین دین" کی گفتگو اب ان باتوں کا پڑھنا ناظرین کے لئے ناخوشگوار اور انکا لکھنا راقم کے لئے ناخوشگوار تر!



شخصہ الکریم لوکان جیاد کما  
 گنت تری الحموة فی ان لائس شخصہ  
 ولا قبلہ بل تقف من بعد ما ملایین  
 ید یہ فکذلک فاضل فان المسر  
 المقتیل للمشاهد عادة المضامی  
 والیہود

آپ کی قبر مبارک کے قریب اس سے زیادہ  
 نہ ہونا چاہئے، جتنا آپ کی حیات میں آپ کے  
 جسم پاک کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کو  
 سوادوب سمجھتے، بلکہ آپ کی طرف متوجہ کچھ فاصلہ  
 پرانے ٹھکانے سے، اس طرح اب بھی کرنا چاہیے اور اگر کسی  
 کو تادیر پور دینا تو نصاریٰ اور یہود کا شمار ہے۔

محدثین کے گروہ میں قاضی عیاض مالکی سے بڑھ کر جمال رسالت کے شدید اہل  
 میں اور کون گزرا ہی، حقوق رسالت پر ان کی کتاب الشفاء سے جامع ترکونی  
 کتاب آج تک موجود نہ ہو سکی، اپنی اسی کتاب میں خود انھوں نے، اور انکی  
 شرح میں ملا علی قاری نے جو کچھ فرمایا ہے، ذرا ایک نظر اس پر بھی فرمایا جائے،  
 (دین نو) ای یقرب الی القبر فتر یا قبر شریف کے نزدیک آئے، مگر اسی حد تک  
 بنام الادب (ویسلم لایس القبر) ادب و تعظیم کے مناسب ہے، اور آپ پر سلام  
 دکن اجداد قبۃ و مشکۃ حجۃ بیجے، لیکن قبر کو ہاتھ نہ لگائے، اور یہی حکم ہے  
 علیہ السلام (دیدہ) لایس القبر قبۃ شریف کی دیواروں اور جالیوں کا، اور نہ  
 بعد مرود لا عن الصحابة اکھرا انھیں نہ سے چھوئے، اس لئے کہ صحابہ کرام  
 ولانہ اقرب الی مقام الادب سے ایسا کرنا ثابت نہیں، اور اس لئے بھی  
 ولان ذالک من عادة المضامی کہ ادب کا مقتضایا ہی ہے، نیز اس لئے کہ ایسا  
 علی ما نقلہ العزالی (شفاعہ باب کرنا نصاریٰ کا شمار ہے، جیسا کہ عزالی

از خضوع وقار و ذلت و انکسار ذرہ نامی و باطنی ہر حیثیت سے اپنے میں خضوع وقار  
 نگذار و غیر آنکہ از سجود و تریغ و جہ تبراب ذلت و انکسار پیدا کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھانہ  
 و استلام تقبیل شاک شریف و امثال آن رکھے، البتہ سجدہ کرنے اور فرش زمین پر گونے  
 آنکہ در شرع رخصت نہ کردہ اند و در نظر ظاہر اور جالی کو چومنے چاٹنے سے بچے نیز اسی  
 بیان از قبیل ادب نماید اعتبار کتد، قبیل کی دوسری حرکتوں سے اس لئے کہ  
 بلکہ یقین داند کہ حقیقت ادب و رعایت شریعت میں ان کی اجازت نہیں، گویا ہر منوب  
 اتباع و امثال امر آنحضرت صلعم است و ہر چہ کی نظر میں یہ ادب معلوم ہوتا ہے، یقین کھنا  
 نہ ازین باب است از توہم باطل است، چاہئے کہ حقیقت ادب نام ہے، آنحضرت صلعم کی  
 (جذب القلوب) باب شانزدہم در آداب یار، پیروی و قبیل احکام کا اور جو کچھ اس کے علاوہ  
 ہے، وہ سب توہم باطل ہے،

سرتاج علماء ریائین و صوفیہ کرام، حضرت امام غزالیؒ کا ارشاد ملاحظہ ہوا۔  
 و لیس من السنۃ ان یمس الجدار و لیس من السنۃ ان یمس الجدار  
 و لا ان یقبلہ بل الوقوف من بعد القیاب یا اسے بوسہ تھے، بلکہ احترام کا تعاضیہ ہے، کہ  
 للاحترام (اجار العلوم، اسرار راجح باب ۲) دور ہی کھڑا ہے،

اور پھر حید ورق کے بعد:-

و اما سزا سزا رسول اللہ صلعم فیغی اور آنحضرت صلعم کی زیارت آپ کے سامنے  
 ان تقف بین ید یدہ لقا و حضار و تودہ لقا کھڑے ہو کر اسی طرح کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم  
 ہمیشہ لکھا تھوڑا سا لقا و تقرب لکھ آئے ہیں، آپ کی زیارت موت کے  
 من قبرہ لکھا کما کنت تقرب من بعد اسی طرح کرو جیسے زندگی میں کرتے، اور

اور طحاوی، شرح در مختار میں ہے،

یہ نو منہ قدس ثلاثہ اذہم اذا  
ولید نو اکثر من ذلک ولا یضع یدہ  
علی جہ اس التوبۃ فهو اہیب عظم  
اور ترمذی تافیان میں ہے۔

و اذا اتی المدینۃ یستعد لزیارۃ قبر  
النبی صلعم یا یتہا بالکلیۃ والوقار  
والحلیۃ الا جلای لافہ علی سول  
اللہ صلعم مبیط الوعی و نزول المملکۃ  
در تہ پہونچکر زیارت قبر نبی صلعم کے لئے آمادہ ہونا  
و ہاں حاضر ہو ادب و احترام و محبت و عظمت کیساتھ  
کہ یہ مقام ہے رسول خدا صلعم کا اور نزول دینی  
و نزول ہنگام کا،

یہ نہ خیال گذرے کہ یہ احکام و ہدایات صرف خشک فقہاء کے ہیں، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی فرما گئے ہیں شیخ عبدالحق محدث  
دہلوی سے بڑھکر اہل دل اور اہل محبت کے گروہ میں اور کون ہوگا، مگر وہ فرماتے ہیں  
ولا یضع یدہ علی جہ اس التوبۃ ولا  
یتبایہا فان ذلک و امثالہ من صنع  
الجاہلین و لیس من مہودۃ السلف  
الصالحین بل ید نو علی قدس ثلاثہ  
اذہم او اس لبعۃ (ما ثبت بالسند) پر ہے،

اس اجمال کی تفصیل خود شیخ ہی کی زبان سے سن لیجئے۔

و از انچہ در ویح و امکان بود در تہا ہر و ہاں اجماع کہ اپنے امکان و اختیار میں ہو گا ہر

شمالہ مستقبلہ للوجہ الکلیم مستند  
 للقبلة تجالہ مسماہ الفضل علی  
 نحو اس لبعۃ اذماع لا الاقل ای لانتہ  
 لیس من شعاع آداب الا براس۔

ہوئے ہو، چہرہ روئے مبارک کے سامنے ہوشت  
 قبلہ کی جانب ہو، اس ہیئت کے ساتھ چاندی  
 کی کیل کے پاس آئے، اور تقریباً چار گز کے فاصلہ  
 پر رہے، اس سے زیادہ قریب نہ آئے، کہ اس

قریب تر آنا آداب صاحبین میں داخل نہیں،  
 ادب کی جگہ ہے ہیئت کا مقام ہی، ناز نہیں نیاز در کار ہی، ناز کرنے اور اترانے  
 کا نہیں، لرزے اور تھرانے کا کام ہے، ہیئت، ادب، وقار، خشیت، سبکدوشی پر تمام فقہاء  
 نے زور دیا ہے، اور سب سے زیادہ زور اس پر ہے کہ لپٹنا، چومنا، اس کو نال لگ رہا، جالی  
 مبارک کے قریب تک نہ جائے، بلکہ کمال ادب کے ساتھ کچھ فاصلہ ہی پر اپنے کو روکنے  
 صاحب شیح القدیر فرماتے ہیں:-

ثم یاتی القبر الشریف فیستقیل جداراً  
 ویستند بنوا القبلة علی نحو اس لبعۃ  
 اذماع،  
 پھر قبر شریف کی طرف آئے، اس کی دیوار کی طرف  
 رخ اور قبلہ کی طرف پشت رکھے، اور کوئی  
 چار گز کے فاصلہ پر رہے،

اور عالمگیریہ میں ہے:-

ثم یدنو منہ ثلاثۃ اذماع (اور اس لبعۃ)  
 ولا یدنو منہ اکثر من ذالک ولا یضع  
 یدہ علی جدار التزیۃ فهو اہیب  
 اعظم للحرمة لئلا یفت فی الصلوۃ،  
 پھر تریب شریف سے بقدر تین یا چار گز کے قریب  
 آئے لیکن اس سے زیادہ قریب نہ ہو، اور نہ  
 اپنا ہاتھ دیوار پر مڑا کر رکھے، کہ یہی مقتضائے  
 ہیئت ہے، اور اس طرح کھڑا رہے، جیسے  
 ناز میں کھڑا ہوتا ہی،

رسول صلعم کے حقوق کا اور کسی اور کے حقوق کا مقابلہ نہیں، مومن کی نظر میں رسولؐ کا مرتبہ اپنے جان و دل سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے، البنی ادلی بالحوثین من الفسحہ، جسکی مجلس کے آداب کا مخلوق کو نہیں خالق کو، بندوں کو نہیں پروردگار کو، یہ اہتمام ہو جس کے دربار میں حاضری کے یہ قواعد و ضوابط اس تفصیل کے ساتھ ہمیشہ کیئے اور ہر آنے والی قوم کی ہدایت کے لئے قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہوں، اس کے آستانہ پر دو دروازے اگر حاضری دینے والے امتی اگر اپنی نادانی اور بے فہمی سے ان بندے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کو توڑیں، اور اس ربانی دستورِ عمل کی جگہ اپنے ایجاد کے ہوئے طریقوں کو رواج دینے لگیں، تو بجز اس کے کہ انکی کم انصافی پر حسرت و تاسف کیا جائے، اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

فقہائے حقیقہ جم اند کی ہدایات، آداب زیارت و وضع انوکے سلسلہ میں بالکل صاف، صریح اور واضح ہیں جنہیں کسی قسم کا اختلاف نہیں، علامہ رحمۃ اللہ سندی، باب المناک من اور ان کے شایع ملا علی قاری، المناک المتوسط میں کہتے ہیں:-

تد توجہ بالقلب و القالب مع مراعاة	پھر دل و جم دونوں کے حضور کے ساتھ قیادت اور
غایۃ الادب تجا لا الوجه الشریف	لحوظ رکھ کر موجد شریف میں حاضر ہو، اس حال
متواضعاً خاضعاً شامعاً الذ لست	میں کہ تواضع، خضوع، خشوع، ذلت، انکساریت
الانکسار و الخشوع والوقار والہیبة	وقار، ہیبت اور عجبی اپنے اوپر جاری ہو، نظریں
والاستقامۃ غاض الطرف مکفوف الجوارح	نبی ہوں، اعضا سٹے ہوئے ہوں، قلب کیسے
فاسرغ القلب و اضاع عینہ الخ	ہوا دھنا، تہ باین ہاتھ کے اوپر باندھے

ابہ اگر کوئی شخص اپنے بوڑھے ان باپ کو اس طرح چیرنے لگد گدائے اکھلائے کدائے لگے، جس طرح اپنے بچھوٹے کو کرنا رہتا ہے، تو یہ اس کی محبت کی دلیل ہوگی یا انتہا حق اور کھلے ہوئے جنون اور دیوانگی کی؟

پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ، تو باپ، اماں، بزرگ، استاد، مرشد، حاکم، غرض مخلوق کے ہر مرتبہ سے بڑا اور رسول عام کا رشتہ ہر انسانی رشتہ سے اونچا ہے، اس کی شان میں اُس کے مرتبہ کے لحاظ سے ادنیٰ فروگزاشت بھی کیسے نظر انداز کیا جاسکتی ہے؟ اسکی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے، وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَقَدْ اطاعَ اللَّهَ اُس کی اطاعت کا حکم ایک دفعہ نہیں بار بار وارد ہوتا ہے، اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، اسکی پیروی کا صلہ اللہ کی محبوبیت ہے، فاتبعونی بحببکم اللہ اُس کے مجلس کے آداب، تصریح و تاکید کے ساتھ، بار بار تعلیم کئے جاتے ہیں اس کے حضور میں آواز نہ بلند کرو، یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، ایسا نہ ہو کہ ایسی ناشائستہ گستاخی سے سارے اعمال مٹ کر رہ جائیں لا تجھروا للہ بالقول کجھربعضکم بعض ان یحبط اعمالکم وانتہ لا تشعرون، اس مظہر نور خدا کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھنا ہی بڑی پاکبازی اور دینداری ہے، ان الذین یعصون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتن اللہ علیہم للتعویٰ لہم مغفرۃ واجر عظیم، حجر دہن کے باہر سے آواز دے دیکر پکارنا شدید بد عقلی ہے، ان الذین ینادون من دسآء الحجۃ اکثرہم لا یعقلون، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پکارنا جس طرح عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے، ممنوع الا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

## باب ۱۲

### زیارت اور آداب زیارت

توحید کا مسئلہ ایک صاف اور سیدھا مسئلہ ہے، لیکن دہریوں اور مخدوین  
 ہی نے نہیں، خدا پرستی کے دعویداروں نے بھی عجیب عجیب شگوفہ کاریاں کر رکھی  
 ہیں، اسی طرح بارگاہ رسالت کے ادلے حقوق کے معاملہ میں انکار کرنے والے  
 نہیں، اقرار کرنے والوں کے دماغوں نے عجیب عجیب سناٹے کھائے ہیں، لوگوں  
 کے کانوں میں کہیں سے ایک لفظ "محبت" کا پڑ گیا، بس پھر کیا تھا، اسکی آڑ میں  
 ہر حرام، حلال تھا، اور ہر عیب، ہر نیکو ربا، ذرا نہیں سوچتے اور دیکھتے کہ محبت  
 اپنی کتنی بیشمار مختلف صورتوں اور قالبوں میں اپنے گرد پوش ہر وقت ظاہر  
 ہوتی رہتی ہے، بیوی کی محبت کی شکل اور ہوتی ہے، اولاد کی محبت کی صورت اور  
 اولاد سے جس قسم کی محبت کیجاتی ہے، کون شخص ہوش و حواس درست رکھ کر  
 اپنے ماں باپ سے اُسی طرح کی محبت کرے گا، پھر خود اولاد کی محبت کا یہ حال  
 ہے، کہ بچہ جب تک چھوٹا ہے، اُسے گود میں لیا جاتا ہے، اُسے گدگدایا جاتا ہے، اُس کے  
 ساتھ کھیلا جاتا ہے، اور جب سیانا سمجھدار ہوا تو اس کیساتھ خوب وقاعدہ برتا جائے  
 لگا، اور ادب کے ساتھ محبت کا برتاؤ بالکل ہی دوسرے انداز کا ہونے لگا،

ماشق الہی صاحب میر معنی (ترجم القرآن) نے اپنی تازہ تالیف تذکرۃ الخلیل  
لطف فرمائی، جو مولانا خلیل احمد صاحب ایٹمیوی قدس سرہ اشاعت ابوداؤد و ناظم  
مدرسہ منظر علوم ہمارے پورے کے حالات میں ہے، مولانا شریعت و طریقت کے جامع  
ایک مسلم بزرگ تھے، ان کے حالات میں حسن اتفاق سے ذیل کی عبارت نظر آئی  
جو مجببہ نقل کر دیجاتی ہے:-

”آسانہ مخدیر پر عارضی کے وقت حضرت کی عیب کیفیت ہوتی تھی، آواز بھٹکا تو کیا، وہ بہ  
شریت کے قریب یا قابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خود فرود و مود بانہ دے پاؤں  
آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، بہ کمال خشوع و منکوع و مذم غرض کرتے  
اور چلے آتے تھے، زائرین جو بے باکانہ و بچی آواز سے منکوع و سلام پڑھتے، اس سے آپ کو  
بہت تکلیف ہوتی، اور فرمایا کیسے کہ آنحضرت معلّم حیات ہیں، اور ایسی آواز سے سلام  
عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذا کا سبب ہے،

لہذا بہت آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے، اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبویؐ کی حد میں  
کتنی ہی بہت آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو آنحضرت معلّم خود سنتے ہیں۔“

(صفحہ ۲۶)



ادیس سے بڑھکر عاشق و شیدا ادیس سے بڑھکر عشق و محبت میں غرق، ادیس سے  
 بڑھکر بخون و دیوانہ اور کون ہو اہر؟ اس عشق کے ساتھ یہ کاناظ ادب، یہ کمال احترام  
 یہ پاس غفلت ابھر اگر آج حرم رسول صلعم ہیں، مسجد رسول صلعم ہیں، روضہ رسول صلعم ہیں  
 کوئی شریعت رسول صلعم، کی نغیر جوئے کیجئے حقوق رسول صلعم کو پامال ہوتے ہوئے یا لٹا آداب  
 رسول صلعم ہے بیزاری پھیلی ہوئی پائے، تو عشق و محبت کے مدعو! عذار ابتداء کہ کیا کیا  
 جائے؟ خوشی خوشی گوارا کر لیا جائے؟ ٹوکنے کی قوت و استطاعت رکھتے ہوئے،  
 محض تقدیر الہی کے حوالہ کر دیا جائے؟ یا خوش عقیدگی کے معنی یہ فرض کر لئے جائے  
 کہ سیاہ سفید ہو، اور سفید سیاہ؟ صحابہؓ نے، تابعین نے، مجتہدین، فقہ نے، محدثین  
 اکابر صوفیہ نے، کسی نے خوش عقیدگی کے یہ معنی لیے ہیں؟ روم کا عارف کمال تو  
 اپنی شنوی میں یہ کہہ گیا، کہ جب امر حق مل جائے، تو نقش حق کو بھی توڑ ڈالو،  
 اور شیشہ یار کو سنگ یار سے چکنا چور کر کے رکھ دو، پھر کیا یہ کہا جائیگا، کہ عارف  
 روٹی بھی آداب عشق و محبت سے بیخبر تھا؟

## نوشق باب (۱۱)

کمزور کو قوت دے، کا، نابینا کو آنکھوں دے، کا، گنگار کو تہی کا سہارا اگر ملتا  
 ہو، تو بڑا سہارا ملتا ہو، مدبر سچ نے اپنے مضمون سفر حجاز کے ذیل میں لکھا تھا، کہ مسجد  
 نبویؐ میں لوگوں کو مواہب شریعت کے روبرو دیباکی کے ساتھ جاتے ہوئے اور چلاتے  
 ہوئے دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی، اس کے شایع ہونے کے چند ہی روز بعد، مولانا

لگتے ہیں، اور اُس کو اپنے نزدیک کمالِ عقیدت و منہائے تعظیم سمجھتے ہیں! ع  
خرد کا نام جنون پڑ گیا، جنون کا خرد!

باہر کے آئے ہوئے زائرین بجا رہے تو فی الجملہ ادب ملحوظ رکھ لیتے ہیں، اور  
بہر حال ڈرتے ہی رہتے ہیں، اندر ہو کر غضب تو زیارت کرانے والے بزرگ کرتے ہیں  
جبکہ ہمیشہ ہی زیارت کرنا ہی، اور جو مدتوں سے اس پاک سرزمین میں آباد ہیں!  
ان کے لئے نہ اس کی ضرورت، کہ اپنی آوازوں کو پست اور نظروں کو نیچا رکھیں  
نہ اس کی حاجت کہ روضہ اقدس کے عین پائین میں کھڑے ہو کر زائرین سے  
مہرسم کی "معاشرت" اور وہ بھی آدابِ شریعت کے ساتھ نہیں، بلکہ لوازمِ "معاشرت"  
کے ساتھ ملے فرمانے سے محترز رہیں، اور نہ ان کے علاوہ دوسرے آدابِ مسجدِ نبویؐ  
آدابِ مسجدِ نبویؐ کے لحاظ و احترام کی ضرورت! ان کے لئے یہ بالکل کافی ہے کہ  
یہ "حیرانِ رسولؐ" ہیں، اور "اضیاءِ رسولِ صلعم" جو ہزار ہا میل کے فاصلہ سے آئے ہوئے  
ہوتے ہیں، ان کے ساتھ انکا ہر سلوک جائز، اور ہر بناؤ درست!

سرگروہ عاشقانِ حضرت اویس قرنیؓ کی بابت بعض اکابرِ صوفیہ سے منقل  
ہے کہ جب آپ زیارتِ مدینہ کو حاضر ہوئے، آستانِ حرم (بابِ جبریل) تک پہنچے  
ہی تھے، کہ کسی نے کہدیا کہ "دیکھئے وہ سامنے رسول اللہ صلعم کا مقدس ہویہ سننا تھا"  
کہ غش کھا کر گر پڑے، اور جب ہوش آیا، تو کہا مجھے ابھی واپس لے چلو، جس شہر میں  
بجائے حبیب کے تربِ حبیب موجود ہو، وہاں میں ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتا،

پکڑ پکڑ کر کھینٹے اور ڈھکیلنے میں انہیں دیر نہ نہیں، کوئی کوئی اس کے برعکس ایسے نرم دل اور روادار کہ زائرِ دن کو ہر طرح کی بے ضابطگی اور قانون شکنی کرتے دیکھتے اور کچھ نہ بولتے، بلکہ سر جھکا کر کلامِ مجید پڑھنے لگتے، بعض ایسے بھی دیکھنے میں آئے جو زائر کی معمولی داد و دہش کے بعد پھر سے سو ہو جاتے! سپاہیوں کے علاوہ اور شاید ان کی نگرانی کے لئے بھی، دو چار آدمی محکمہ امر بالمعروف کے بھی بید یا پھری ہاتھ میں لئے ٹپکتے رہتے ہیں، اور شریعتِ حقہ بخدیہ کا نفاذ اس حرمِ محرم کے حدود کے اندر زبان اور ہاتھ دونوں سے پوری قوت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں!

مواہجہ شریف، مشتاقانِ زیارت سے خالی تو کسی وقت نہیں ہوتا، البتہ پانچویں نمازون کے بعد زیارت کے اوقات باضابطہ مقرر ہیں، قدرۃ ان اوقات میں برسی چیلکش ہوتی ہے، اور بعض اوقات آنا ہجوم ہو جاتا ہے، کہ جو لوگ مسجد کے اندرونی دروازے میں محرابِ عثمانی کے آس پاس بہن و نواں میں کچھ دیر مشغول رہنا چاہتے ہیں، ان کے لئے قطعاً کوئی موقع نہیں باقی رہ جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ پتے پتے بچ جاتے ہیں! زیارت عموماً مزدورون کی پیشہ ورجاعت کراتی ہے، اور زیارت کا علم ظہر یہ ہے، کہ مواہجہ مبارک کے سامنے ہر مژدہ اپنے اپنے گروہ زائرین کو لاکھڑا کرتا ہے اور آواز بلند صلوة و سلام پڑھتا جاتا ہے، اور زائرین اسی کے الفاظ کو دہراتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد ان آوازوں سے گونج جاتی ہے، اور جن کو یہ واضح و قطعی حکم ملا تھا کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت البی (نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو) وہ مواہجہ میں حاضر ہو کر اپنے حلق کی پوری طاقت قوت کیساتھ بے تحاشا پیچھے

کے الفاظ یاد پڑتے ہیں، نہ لاجامی کی کوئی نعت خیال میں آتی ہے، چلتے وقت تودول  
 میں کیا کیا دلولہ اور کیسے کیسے حوصلہ تھے! لیکن اس وقت سارے منصوبے یک قلم غلط،  
 سارے حوصلے اور دلولے یک نخت غائب! بے دس کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہے، وہ بعض کا مجملہ  
 کی بعض سورتیں، اور آیتیں ہیں، یا پھر یہی عام و معمولی فرد و شریف، اور زبان ہے، کہ  
 بے سوچے سمجھے بغیر غور و فکر کے، انھیں الفاظ کو رٹے ہوئے سبق کی طرح، اضطراب و ادھر  
 چلی جا رہی ہے! ع

### نظارہ زنجیدین مرگان گلہ دار!

جالیوں کے تین طرف سعودی سپاہیوں کا پہرہ رہتا ہے، چوتھی طرف یعنی شمالی  
 سمت سے جالیوں تک پہنچنے کا کوئی آسان راستہ نہیں، مسجد نبویؐ کے دروازے  
 آخر وقت تہجد سے لیکر بعد نماز عشا تک کھلے رہتے ہیں، اس درمیان میں پہرے برابر لگتے  
 رہتے ہیں، جنوبی سمت میں، بعد عصر مواجہ شریف ہے، پہرہ کا اہتمام زیادہ رہتا ہے، چار سپاہی  
 ہر وقت تعینات رہتے ہیں، زیارت کی عام اجازت بھی صرف اسی رخ سے ہے،  
 مغربی جانب، بالین مبارک ہے، ادھر سے زیارت کی اجازت نہیں (سنای کہ کسی  
 زمانہ میں شیعوں کو زیارت کی اجازت اسی رخ سے تھی) مشرقی جانب پائین بند  
 ہے، اور باب جبریل سے داخل ہونے کے بعد مواجہ شریف تک پہنچنے کا راستہ  
 اسی طرف سے ہے، ادھر سے بھی زیارت کی عام اجازت نہیں، لیکن سپاہی بھی مختلف  
 مزاجوں اور طبیعتوں کے ہوتے ہیں، اکثر ایسے تند مزاج، متشداد و شرقی القلب، کہ  
 دھکے دینے میں انھیں باک نہیں، بیدار بیٹھنے میں انھیں تامل نہیں، عورتوں کو

دلون کا کعبہ اور روحون کا قبلہ ہو، اور جس کے ارد گرد خود پاکیزگی طوائف کرتی رہتی اور  
 ہمارے صدقہ ہوتی رہتی ہو! کسی کا نالہ، جگر گداز کسی کے لب پر آہ و فریاد، ہر شخص  
 اپنے اپنے مال میں گرفتار، ہر شخص اپنے اپنے کعبے میں سرشار، گنہگاروں اور خطاکاروں  
 کی آج بن آئی ہے، آستانِ شفیق المذنبین تک رسائی ہو!

سجدوں میں اور برہمنی ہر وقت چین کی!

یہاں بھی نہ مانگین گے تو کہاں جانیں گے، آج بھی نہ گراؤ! میں گئے تو کدھر  
 سرنگرائیں گے، اولاً آغماً اذ ظلموا انفسہم جاذبات الخ کا وعدہ پورا ہونے کیلئے  
 ہے، محض لفظ ہی لفظ نہیں ہیں!

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہو، رند و پار، ساق و متقی سب ہی اس دھن میں لگے  
 ہوئے ہیں، ادھر ایک تنگ امت، حیران و شہد، رفرط ہیبت و جلال سے گنگ و مضطرب  
 حواس باختہ، چپ چاپ، سب الگ کھڑا ہوا ہو، نہ زبان پر کوئی دعا، نہ دل میں  
 کوئی آرزو، سرے پر تنگ ایک عالم حیرت طاری، بیا الہی، یہ خواب ہو یا بیداری  
 کہاں ایک شب خاک، کہاں یہ عالم پاک ————— جل جلالہ، جہان ابوبکرؓ اور علیؓ  
 حاضر ہوتے ہیں، تھرتاتے ہوں، جہان عزاؤں سے بولتے ہوئے لرزتے ہوں، جہان کی  
 حضورِ جبریل امین کے لئے فخر کا باعث اور شرف کا سبب ہو، آج وہاں عبدالقادر  
 دریا بادی کا فرزند، عبدالماجد اپنے گندہ دل اور گندہ تر قلب کے ساتھ، بے تکلف  
 اور بلا بھیجک کھڑا ہوا ہو! دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت  
 بزدان نہ زبان یاوری کرتی ہو، نہ لب کسی عرض و معروض پر کھلتے ہیں، نہ دعاؤں

لیکن جبکی نصیبہ وری کا آفتاب عین اسی وقت طلوع ہو رہا ہو جس کی سر بلندیوں  
اور سرفرازیوں کی "فخر عین اس وقت ہو رہی ہو کیا وہ بھی اس وقت کو، مغرب  
ہی کا وقت گنتا اور سمجھتا رہے؟

لیجئے نماز ختم ہو گئی، فرض ختم ہو گئے، ستین ختم ہو گئیں، اور روضۃ المہر کے دروازے  
پر ہر طرف سے صلوٰۃ و سلام کی آوازیں آنے لگیں، ان اللہ و ملکۃ تعبدون علی  
النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً، جس پر اللہ خود درود  
بھیجے، اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں اس کے آستانہ پر بندوں کے صلوٰۃ و سلام  
کی کیا کمی ہو سکتی ہے! الصلوٰۃ والسلام علیک یا سول اللہ، الصلوٰۃ والسلام  
علیک یا بنی اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید المرسلین، الصلوٰۃ والسلام  
علیک یا رحمتہ العالمین، السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، (آج "غائب" کا صیغہ سرے  
سے غائب ہے، چھوڑی کے وقت بھی غیبت کے آداب ملحوظ رکھنا کیسی کھلی ہوئی  
بدتمیزی ہے) و اشہد انک عبدہ و رسولہ و اشہد انک قد بلغت  
حدادیت الامانۃ و نصحت الامۃ و کشف الغتہ و جاهدت فی  
حق جہادہ، یا سول اللہ انی اسألت الشفاعۃ و اتوصل بک الی اللہ  
تعالیٰ! ہر طرف آوازیں ہیں تو یہی ہر سمت صدائیں ہیں تو ایسی ہی، بے دیکھے  
مواجمہ شریف کی طرف کھینچا چلا آ رہا ہے، اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں، پتھر  
سے تعمیر کئے ہوئے کعبہ کی جانب نہیں، بلکہ اس کے در اقدس کی جانب ہے، جو

ہوئی اور قدم دروازہ سے باہر نکالے، مکان سے حرم کے داخلہ کا دروازہ باب جبریل  
 اگر چند فٹ نہیں، تو چند گز پر ہو، اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کے منت میں طے ہوا، اس وقت  
 نہ وقت کا احساس نہ فاصلہ کا اور اک "زمان" کی خبر نہ مکان کی!

کہتے ہیں کہ داخلہ باب جبریل ہی سے افضل ہے، یہ افضلیت بلا قصد خود بخود  
 حاصل ہو گئی، حرم کے اندر قدم رکھتے ہوئے، یہ دعا پڑھی جاتی ہے، اللھم ارفع لی القدر  
 و اعلیٰ لی و افضل لی و ابرز لی یا رسول اللہ علیہ وسلم کعبۃ من  
 اولیاءک و اغضی لی و ابرز لی یا رسول اللہ احمیت، لیکن پہلی مرتبہ قدم رکھتے وقت  
 ہوش و حواس ہی کب درست تھے جو یہ دعا یا کوئی اور خاص دعا، قصد داراؤ  
 کر کے پڑھی جاتی، ایک رہو گی، بغیر ہی، اور یہ نمبے ہوشی کی حالت میں بھولی  
 درود شریف کے الفاظ تو محض حفظ کی بنا پر، بلا قصد داراؤہ زبان سے ادا  
 ہوتے رہے، باقی بس، ہوش آیا، تو دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے، دو چار منٹ ہو چکے  
 ہیں اور امام پہلی رکعت کی قرات ختم کر کے رکوع میں جا رہے ہیں، عجیب کر  
 جماعت میں شرکت کی اور جون توں کر کے نماز ختم کی، یہ پہلی نماز وہاں ادا ہو رہی  
 ہے، جہان کی ایک ایک نماز، پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار نمازوں کے برابر  
 ہے، اللہ اللہ! شان کریمی اور بندہ نوازی کے حوصلے دیکھنا! کس کو کیا کیا ہے  
 عطا ہو رہے ہیں!

اس مرتبہ کو دیکھئے اور یہ کو دیکھئے!

وقت، نماز مغرب کا تھا، اور مغرب کی نماز سورج ڈوبنے پر پڑھی جاتی ہے

کیون کیجئے، خلافتِ توحید کیون سمجھیے اور خدا کے لئے اس ناکارہ و آوارہ بیچارہ  
دور ماندہ کے اس حال زار کی منہی کیون اڑائیے؟

مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھی کہ قسمت کی یاد دہی بابِ اللہ کے قتلِ ایک ہندو بزرگ مولانا  
سید احمد جہا فیض آبادی مغلک پٹ میں پنچایاتِ موصوف حضرت مولانا حسین احمد صاحبِ مدظلہ و جانشین حضرت  
شیخ الہند علیہ الرحمہ کے حقیقی بھائی ہیں، (قلم چلتا رہا ہے کہ اگر انکو بڑا لکھے، تو انھیں  
”چھوٹا“ کیونکر کہے؟ ۲۰۱۲ء سال سے اپنے شہر کو ترک کئے ہوئے دیارِ رسول صلعم میں  
حاضر ہیں، اور وطن کے ساتھ ہی یادِ وطن کو بھی ترک کر چکے ہیں، مولانا گنگوہی  
سے بیعت و اجازت ہو، اور مرشدوں کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی  
کے چشمہ فیض سے سیراب صبح سے لیکر رات تک ہر وقت خدمتِ خلق میں مشغول  
ایشوار و استغنا، بے نفسی و خود خراموشی تو واضح و فروتنی کا ایک کامل نمونہ ہندوستان  
میں دیکھا تھا، اور دوسرا نمونہ اللہ نے اس مقدس سرزمین پر پہونچتے ہی دکھایا  
جلد سی جلدی تعارف ہوا، اور فوراً اذان کی آواز فضا میں گونجنے لگی، ایک انا  
مصرعہ ذہن میں پڑا ہوا تھا، ص

مومن چلا ہے کعبہ کو اک پار سا کیشتا!

حکیم مومن خان تو شاعری کی دنیا میں چلے تھے، یہاں چلنا خیالی دنیا میں  
نہیں، اعلیٰ دنیا میں تھا، اور حاضری ”سیتِ خلیل“ میں نہیں، ”سیتِ حبیب“ میں دینی  
تھی، اس گھڑی ایک پار سا کی دنگیری و رہنمائی غنیمت نہیں، نعمت تھی، دھوکا  
ہوا دل کچھ تھا، اور ڈنگا گاتے ہوئے پیر کسی قدر سنبھلے، ادھر اذان کی آواز ختم



## باب (۱۱)

### گنبد خضراء

ظہر کی چوٹیاں جس وقت کسی کی تجلیات جمالی کی جاوہ گاہ بنے لگیں تو پاکون کے پاک اور دیر و ن کے دیر موسیٰ کلیم تک تاب نہ لاسکے اور اللہ کی کتاب گواہ کر کہ کچھ دیر کے لئے ہوش و حواس رخصت ہو گئے معراج کی شب جب کسی کا جال بے نقاب ہونے لگا، تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبد کامل جو فرشتوں نے بھی بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا، اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا، اور ضرورت ہوئی کہ رفیقِ قادر (رضی اللہ عنہ) کا مثل سامنے لا کر آب و جہل کے بنے ہوئے پیکرِ نور کی قسلی کا سامان کیا جائے۔ یہ سرگزشت انکی تھی، جو قدوسیوں سے بڑھ کر پاک اور نورانیوں سے بڑھ کر لطیف تھے، پھر وہ مشت خاک جو ہمہ کثافت اور ہمہ غلاظت ہو، جب کا ظاہر بھی گندہ اور باطن بھی گندہ اگر وہ رسولِ صلعم کی مسجدِ اقدس میں قدم رکھتے ہچکچا رہا ہو، اگر اسکا قدم رسول کے روضہِ نور کی طرف پڑھتے ہوئے لڑکھڑا رہا ہو، اگر اسکی ہمت زحمت و جمال کی بے بڑی تجلی گاہ میں قدم رکھنے سے جواب دے رہی ہو، اگر اسکا دل اس وقت اپنی پیپارگی و درمانہ گی کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا ہو تو اس پر حیرت

رکھا گیا ہے، سب سے پہلے چاروں طرف لوہے اور پتیل کی جالی یا بنگلے کی دیواریں  
 ہیں، ان جالیوں کی دیواروں میں جنوب، مشرق، اور شمال کے رخ پر دروازے  
 بھی ہیں، اگر عام لوگوں کے لئے ہمیشہ بند ہی رہتے ہیں، خاص خاص موقعوں پر  
 خدام وغیرہ کے لئے کوئی دروازہ کھلتا ہے، جالیوں کے اندر سیدہ بھری ہوئی گہری بنیادوں  
 کے اوپر ایک مضبوط پختہ چار دیواری جو حجرہ صدیقہ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے  
 اور جس میں کوئی دروازہ نہیں، اس عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے، اور گنبد خضر اسی عمارت  
 کے اوپر ہے، اس کے اندر اصل حجرہ صدیقہ ہے، جو عہد نبویؐ میں خام تھا، بعد کو پختہ  
 کر دیا گیا، یہ بھی ہر طرف سے بند ہے، جالیوں والی چار دیواری کے اوپر کے حصہ میں  
 بھی خوشنما سبز غلات ترکوں کے زمانہ کا اب تک پڑا ہوا ہے، مدینہ سے کعبہ سمت جنوب  
 میں ہے، اس لئے روضہ اطہر کا، جیسے صدر دروازہ سمجھا جاتا ہے وہ جنوب رخ ہے، اور  
 یہی مواہجہ شریف کہلاتا ہے، اسی عمارت کے اندر حجرہ صدیقہ بنائے ملا ہوا ایک اور  
 حجرہ بھی ہے، جس کے اندر ایک مزار سامنا معلوم ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ زہرا  
 نے یہیں وفات پائی ہے، اور مزار کی بابت ایک روایت یہ ہے کہ انھیں سیدہ خاتون  
 جنت کا ہے، اور بعض روایات یوں مشہور ہیں کہ یہ کوئی دوسری نبیؐ حضرت زہراؑ  
 کی نہ نام تھیں۔۔۔۔۔ مدینہ پہنچتے ہی تربت تھی تو یہ بے قراری تھی تو اس کی  
 کہ جقدر جلد بھی ممکن ہو، اس آستان پاک تک پہنچنے، لیکن اس ذوق و شوق، اس  
 طلب تمنا کے باوجود، یہ کیا ہے کہ ہمت کے قدم ڈنگا گئے چارہ ہیں، اور ارادہ ہے کہ ہم  
 جم کر ٹوٹتا ہے اور ٹوٹ ٹوٹ کر جتا ہے، اَللّٰہی یہ آخر کیا اسرار ہے!

محدثین اور شک قہار یہاں تک فرما جائیں، اس کے لئے جذبات کی زبان، لفظ  
کہان سے ڈھونڈ کر لائے، اور کسی نے خود جو کچھ دیکھا ہے، وہ اسے دوسروں کو  
کیونکر دکھائے؟ شاعر کی تخیل نے بڑی بلند پروازی کی تو یہ کہا کہ

انبساط عید دیدن روے تو

عید گاہ ماغریبان کوے تو

لیکن جس کی دیدِ رخ کو انبساط عید سے کوئی نسبت ہی نہ ہو، اور جس کی  
گلی پر ہزاروں عید گاہیں قربان ہوں، اس کے بیان کرنے کے لئے دنیا کی  
کس زبان سے الفاظ تلاش کر کے لائے جائیں، اور کس اہل زبان کی زبان سے  
امداد و اعانت کی التجا کی جائے؟

ہر کجا بوسعت رنے باشد چو ماہ      جنت ست آن گرچہ باشد قہر چاہ

ہر کجا دلبر بود خرم نشین      فوق گردن ست نے قہر زین

خوشتر از ہر دو جہان آنجا بود      کہ مرا با تو سر و سودا بود،

یہ تو سب کو معلوم ہے، کہ حضور مصلح نے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ منیٰ کے عالم  
سے سفرِ آخرت اختیار فرمایا تھا، اور جید اطہر حسین سپردِ محکم کیا گیا، پہلو میں ادب کے  
ساتھ نذر پائین کی طرف بٹے ہوئے، صدیقی و فاروقی دونوں وزیرِ بھی ہیں آرام  
فرمایا، ہجرت صدیقہ میں اس کے بعد سے بار بار تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک  
کہ اب روضہ مبارک کوئی ۳۵، ۳۰ فٹ لابی اور اس سے کچھ کم چوڑی عمارت  
ہو گی، خانہ کعبہ سے ممتاز رکھنے کے لئے اسے بالقصد، بجائے مربع کے مستطیل

ہیں، دو جانب مغرب، باب السلام اور باب الرستہ، ایک جانب شمالی باب مجیدی  
 سلطان عبدالجبار خان کا تعمیر کرایا ہوا، اور دو جانب مشرق، باب النساء اور باب  
 جبریل صحن میں شرقی والان سے ملا ہواستان فاطمہ تھا، کچھور کے چند شاہد اب  
 درخت لگے ہوئے تھے، اور ان کے سایہ میں ایک کنواں تھا، جسکا پانی شیرینی و لطف  
 میں مشہور تھا، نجدی حکومت نے وہ درخت کٹوا کر صاف کر دیئے ہیں، اور کنوئیں  
 کو بند کر کے اس میں قفل ڈال دیا ہے، مسجد میں خدام پہلے سیکڑوں تھے، اب بہت  
 گھٹ گئے ہیں، خواجہ سراؤں، (آغاؤں) کی جماعت پہلے بہت  
 ذی اختیار تھی، اب یہ لوگ بھی تعداد میں بہت کم رہ گئے ہیں، اور ان کے اختیار  
 بھی بہت محدود ہو گئے ہیں، انکے بیٹھنے کا ایک وسیع چوڑا باب جبریل اور  
 باب النساء کے درمیان بنا ہوا، کہا جاتا ہے، کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا  
 بھی یہی چوڑا تھا، مسجد کے ستونوں پر عہد نبوی کی مسجد کے حدود درج،

اسی مسجد کے گوشہ جنوب و مشرق میں والالون کے اندر، وہ سبز گنبد والا  
 روضہ اقدس ہے، جس کی زمین بہ قول محدث علیل، قاضی عیاض مالکی کے، بلا نزاع  
 و اختلاف سارے روئے زمین سے بڑھ کر ہے (خلافت ان موضع قبر صلح  
 افضل بقاء الاسلام) اور یہ قول ہمارے فقہاء کے زمین، آسمان کعبہ، عرش  
 کرس، سب سے افضل ہے، فعا من اعضاء الشریفہ فهو افضل بقاء الاسلام  
 بالاجماع حتی من الکعبۃ، ومن العرش (باب النساء) فانہ افضل مطلقاً  
 حتی من الکعبۃ والعرش والکرمی (در مختار) جس حصہ زمین کی بابت محقق

اور بائیں دونوں جانب صحن ہی کے برابر لائے لائے والان، بائیں جانب دوائے  
 والان میں عورتوں کیلئے جگہ مخصوص کلام پاک کی آیات بعض احادیث کے ٹکڑے،  
 اسماء الہی، اسماء رسول، اسماء صحابہ کبار، سب موقع موقع سے درو دیوار پر کندہ  
 بڑی محراب، محراب عثمانی کے نام سے موسوم حضرت خلیفہ ثالثؒ کی تعمیر کرائی ہوئی  
 منبر ٹھیک اسی جگہ پر رکھا ہوا جہاں عہد نبوت میں تھا، اسی منبر اور روضہ مبارک  
 درجہ مائشہ صدیقہ کا درمیانی حصہ روضہ جنت کے نام سے، حدیث صحیح کی بنا پر  
 موسوم، اتنے رقبہ میں کوئی ڈھائی تین سو نازیون کی جگہ ہوگی، اسی حصہ میں  
 محراب البنی، اور مصلى بنی، یعنی وہ مقام جہاں سرکار خود کھڑے ہو کر امامت فرمایا  
 کرتے تھے، اصل مصلى ایک دیوار سے چھادیا گیا ہے، صرف اتنا حصہ کھلا ہوا ہے،  
 جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے تھے، اس طرح اب جو قسمت کا وحشی وہاں  
 کھڑے ہو کر ناز پڑھتا ہے، اس کا سر قد نہ واضطر اما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار قدم پر جا کر  
 پڑتا ہے! اللہ اکبر! کیا شانِ جمال، کیا وسعتِ کرم ہے! خدا جانے کتنوں کی نجات اسی  
 بہانہ سے ہو جاتی ہے!

عہد نبوت میں یہ تکلفات اور یہ وسعت کہاں تھی، محض زر، من اور انہائی  
 سادگی، تو سید فاتحِ روم و ایران حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی، پھر عباس  
 ترمیمات حضرت عثمان غنیؓ اور خلیفہ ولید نے کرائیں، موجودہ عمارت کی زینت  
 خوشنمائی کا سہرا سلطان عبد المجید خان مرحوم و مغفور کے سر ہے، اللہ ان سب  
 خدامِ حرمِ نبویؐ کو پورا اجر عطا فرمائے، اس وقت مسجد میں پانچ دروازے

دنہ یا سرائے قبر الشریعت مند و بستہ بلی قبر شریف کی زیارت معجب، بلکہ یہ قول بعض علما  
 قیل و اجبۃ لمن سمعہ ..... کے واجب ہی جیسا کہ استماع ہو .....  
 ..... ولینعمہ سرائے مسجد ۲ اور قبر شریف کی زیارت کے ساتھ چاہئے کہ  
 الشریعت (در غمار) خاذی نوحی سرائے مسجد شریف کی زیارت کی بھی نیت کرے،  
 القبر فلینعمہ سرائے مسجد ۳ لہذا  
 صلعم (عالمگیری)

مسجد نبویؐ اور روضہ مبارک الگ الگ عمارتوں کے نام نہیں، اور ایک  
 دوسرے سے جدا نہیں، مسجد کی عمارت بہت وسیع، شاندار، اور اس سے بھی کہیں  
 بڑھ کر حسین و جمیل ہے، اس سے بڑی بعض مسجدیں ہندوستان کے اندر موجود ہیں،  
 اور دوسرے ملکوں میں بھی یقیناً ہوں گی، لیکن حسن و جمال کے لحاظ سے خوب و محبوبی  
 کے لحاظ سے زیبائی و دلکشی کے لحاظ سے پردہ زمین پر اس مسجد کا جواب نہیں ہیں  
 یہ جی چاہتا تھا کہ ہر وقت صحن میں بیٹھے ہوئے، عمارت مسجد کی طرف برابر نگاہی  
 لگی رہے، اللہ اللہ! کس محبوب کی مسجد ہے، کیسے کیسے محبوبوں نے یہاں ماتھے ٹکے  
 ہیں! اینٹ اور پتھر مٹی اور چونہ تک پر محبوبیت چھا کر رہی ہے! مسجد کی پیمائش کا  
 دماغ کس کو، اور طول عرض کے جائزہ لینے کا ہوش کسے، لیکن بعض کتابوں میں  
 پڑھا ہے کہ موجودہ مسجد کا طول ۶۰۰ فٹ اور عرض ۸۰ فٹ ہے، قبلہ جنوب کے رخ  
 پر ہے، آگے پیچھے دس گیارہ والاں بنے ہوئے، بہترین نقش و نگار سے آراستہ حسن  
 و زیبائش میں ایک سے ایک بڑھے ہوئے، اس کے بعد وسیع صحن، صحن کے دائرے

اس کے بعد اب اس بحث میں کیوں الجھئے کہ نیت روضہ اقدس کی زیارت کی رکنی چاہئے، یا مسجد نبویؐ کی؟ انسان کی جدال پسند فطرت ہر سیدھی بات کو ٹیر مہی بنادیتی ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ مقصود خود حضورؐ انورؑ کی زیارت ہونی چاہئے، ظاہر ہے کہ اب مادی انگھون سے اس کا اسکان نہیں، اس لئے مکان کے جس حصہ کو مکین سے جس قدر زیادہ تعلق، جس قدر زیادہ نسبت، جس قدر زیادہ قرب ہوگا، اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی، حجرہ مائتہ صدیقہؑ ہو یا محلہ او سبھرا جس شے کو بھی اقبال و افتخار حاصل ہوا، اسی بنا پر حاصل ہوا کہ حضورؐ کی ذات سے اس کا تعلق تھا، اس میں نہ کسی کو نزاع ہے اور نہ کوئی وجہ نزاع ہے، اس کے آگے جو کچھ اختلاف ہو وہ کسی اصول یا عقیدہ کا اختلاف نہیں، اپنے اپنے ذوق طبعی کا اختلاف ہے بعض کی نظر میں کہ ان مجتہدوں کی عظمت و تقدس پر گہنی جو سید الانبیاءؑ و صلعم کے رکوع و سجود کیلئے مخصوص تھے اور اس لئے انھوں نے نیت زیارت میں مسجد نبویؐ کے احترام کو سب پر مقدم و بالا رکھا، اور بعض نے یہ خیال کیا کہ وہ شہیدوں اور صدیقوں کا سردار و حجب اپنی حیات طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ و قائم ہے، تو قدرۃ سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس محک کو حاصل ہے جس کے اندر حیدر اطہر آرام فرما ہے، اور اس لئے سفر کا اعلیٰ مقصود اُس تربت پاک ہی کی زیارت رہے تو بہتر ہے، اور فقہاء حنفیہ نے غایت انصاف و اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ زیارت تربت مبارک کے ساتھ ہی ساتھ زیارت مسجد نبویؐ کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے،

مقام اور کسی مکان پر بھی ماعز ہونا کسی آئین توحید و سنت کے مطابق ہو سکتا ہے؟

حافظ ابن کثیر دمشقی، تیرہویں اور چودھویں صدی کے "بدر" تھے، ساتویں اور آٹھویں صدی کے محدث تھے، اپنی تفسیر میں دس تفسیر میں جو اکیبار ہندوستان کے مشہور "مومند" نواب صدیق حسن خان مرحوم کی تفسیر کے ساتھ شائع ہوئی تھی، اور اب نجد و حجاز کے مشہور مومند خروار سلطان ابن سعود کے حکم سے نیاں ہوئی ہیں، عتبی کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میں رسول کی تربت مبارک کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا، اور عرض کی یا رسول اللہ! علم میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اولو نعم اذ ظلموا انفسهم جادوا فاستغفروا واللہ واستغفر لہم الرحمن سول اوجد واللہ توبانا** (مرحومہ! پس میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے پروردگار کے حضور میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں) اس کے بعد حضرت عتبی سے کہتے ہیں کہ اس کے بعد اعرابی توبان سے ہٹ گیا اور مجھے نیند آگئی، خواب میں مجھے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے اعرابی سے جا کر مل، اور اسے بشارت پہونچا دے کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی، (جلد ۲ صفحہ ۵۱۰ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۳۲ھ) اور اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری روایت ابو حیان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر بحر المحیط میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے نقل کی ہے، (جلد ۲ صفحہ ۶۸۳ مطبوعہ مصر ۱۳۳۲ھ) یہ روایات اپنے تمام جزئیات و تفصیلات میں صحیح ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنا تو بہر حال نکلتا ہے کہ یہ "خوش عقیدگی" کوئی آج کی بدعت نہیں، بلکہ صدیوں پیشتر کے "محدثین" بھی اس مرض میں مبتلا



ناجربدلل ونامہ سیاہ اگر حکم جاؤگت کی قیصل کرنا چاہے، تو کیا اس کے لئے اس سعادۃ  
و ہدایت کا دروازہ، خدا خواستہ، قیامت تک کے لئے بالکل بند ہو چکا ہے؟ اور اسکی قسمت  
مین بحرِ مخرومی و مایوسی کے اوپر کچھ نہیں؟

موسمِ گل جب چرسِ شخصیت ہو چکتا ہے، اور کوئی بوئے گل کا متوالا اکھلتا ہے، تو عرق  
گلاب کے شیشوں اور قرابون کو کیفیت سمجھتا ہے، پھر اگر آج کوئی بوئے حبیب کا متوالا  
حکمِ جاؤگت کی قیصل مین اپنے کو ہزاروں میل کے فاصلہ سے دیارِ حبیب تک پہنچاتا ہے  
اور اپنے مظالمِ نفس کی تلافی و غدرِ غلہی کے لئے اپنے ایمان اور اپنی بعیت کی تجدید کیلئے  
اپنی تباہ کاریوں پریشانی و اٹک افشانی کے لئے حبیب تک نہ سہی، آستانِ حبیب  
تک گرنا پڑتا جا پہنچتا ہے، تو کیا اس پر بدعت "و شرک" کا فتویٰ لگایا جائیگا؟ جہانِ انشا  
کے اس سب سے بڑے پرستار نے نمازون پر نازین پڑھیں، اور آخری نازین پڑھیں،  
جہانِ عبد و مبود کے راز و نیاز، حیاتِ ناسوتی کی آخری سانس تک جاری رہے،  
جہانِ ہیبت و خشیت سے لرزے ہوئے گھٹے خدا معلوم کتنی بار رکوع مین جھکے، جہان  
ذوق و شوق سے دکتی ہوئی پیشانی بار بار سجدہ مین گری، جہانِ امت کے گنگارون  
اور یہ کارون کے حق مین در و بھری دعاؤن کے لئے ہاتھ اٹھے اولبہلے جہان  
ٹوٹی ہوئی آس والون کی میثار مرتبہ تشفی کرائی گئی، جہان آج وہ جدِ اظہر آرام فرما  
ہے جس کے طفیل مین عرش بھی وجود مین آیا، اور کرسی بھی، کوثر بھی اور سلسبیل بھی۔  
— اس عظمت و جلالت والی اس برکت اور نورانیت والی زمین پر مقدس کمین  
کے مقدس مکان پر بھی جینِ نیاز کو غم کرنا اگر شرک ہے بدعت ہے، تو خدا معلوم کسی

# باب ۱۰

## آستانہ نبوت

وَلَوْ أَنَّم إِيَّاكُمْ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ تُصِفُونَ آوَاتٍ فَاَسْتَغْفِرَ لَكُمْ اللَّهُ وَاسْتَغْفِرَ لَكُمْ رَسُولُ  
 اوجہ و اللہ تو بابر جیسا کہ کس نقیضہ کا آیتاوشین جس پر رد و قدح کی گنجائش ہو  
 کسی بزرگ کا کشف نہیں جس میں غلطی اور دھوکے کا احتمال ہو کوئی روایت حدیث  
 نہیں جس کے اسناد میں گفتگو ہو سکے خدا سے پاک کے کلام کی ایک آیت ہر ارشاد  
 ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جس وقت اپنے اوپر ظلم کئے تھے اسے خیرباد کر دیا تھا اسے پاس  
 آگئے ہوتے، اور اللہ سے اپنے تصور کی معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے حق میں معافی  
 چاہتے تو پاتے اللہ کو معاف کرنے والا نہ رہا نہ گویا گناہگاروں اور تباہ کاروں کو برکھ  
 ملا ہے کہ اپنے پروردگار سے معافی طلب کریں، لیکن تمہارا اپنے گمراہوں پر بیٹھے ہوئے نہیں  
 بلکہ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان سے بھی اپنے حق میں دعا کر اگر اظاہر ہے  
 کہ حکم کا براہ راست متعلق کسی ایسے گروہ سے ہے جو جنسور انور کے زمانہ میں موجود تھا  
 خوش نصیب تھے وہ افراد جنہیں اس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی، جو رسول کی خدمت  
 میں حاضر ہوئے جنہوں نے اللہ سے گڑ گڑا گڑا گڑا کر معافی مانگی، اور رسول نے جن کے  
 حق میں سفارش فرمائی، لیکن آج اس چودھویں صدی میں امت کا کوئی فاروق

خوش رہ رہا ہے؟ غمگین ہے؟ حیرت طاری ہے؟ ہیبت سے دھڑک رہا ہے؟ شوق سے اچھل  
 رہا ہے؟ آخر کیا ہے؟ — کون بتلائے؟ اور بتلانے کے لئے الفاظ کہاں سے  
 لائے؟ زبان، گوشت اور پوست کی بنی ہوئی زبان، زبان گفتگو کی ترجمانی کر سکتی ہے؟  
 لیکن دل کی ترجمانی کیسے؟ تو دل ہی کی زبان چاہیے کا عقد کے نقوش اور سیاہی کے حروف  
 میں خدا را کیونکر منتقل کیا جائے، ع

کوئی بتلا دے کہ ہم بتلائیں کیا؟

سے ایک صاحب نے میرا نام ٹیکر پکارا حیرت ہوئی کہ میان یہ کون شناسا گل آئے،  
 اتنے میں وہ صاحب ان کر نیچے آئے تو معلوم ہوا کہ منشی امیر احمد صاحب غلوی کا کوری  
 روٹھی مجسٹریٹ و ڈسٹرکٹ جج نیچ بھاؤنی اپن جو کئی ما قبل سے یہاں مقیم ہیں اس وقت  
 انکا لٹا منعت غیر مترقبہ تھا، خود ہمارے میزبان بن گئے، منشی صاحب روٹ  
 کے ایک ممتاز ادیب اور اہل قلم ہیں، اور متعدد ادبی کتابوں کے مصنف، لیکن یہ کم گو  
 کو معلوم ہو گا کہ محض اہل قلم نہیں اہل دل بھی ہیں، بخوری دیر میں صوبہ ہمارے ایک  
 ہوسپوٹیک ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی، جو ریاست حیدرآباد کی  
 طرف سے دو سال سے خدمت عجاج کیلئے مجاز آرہے ہیں، انکی وسعت اخلاق نے ثابت  
 کر دیا کہ مسافر نوازی میں صوبہ ہمارا کاقدم، صوبہ آدوم سے کچھ پیچھے نہیں، اتنے میں دانستہ  
 بھی آگئے، مولوی لطف اللہ صاحب مونگیری کا پانچ آدمیوں کا قافلہ اسی مکان  
 میں رہ گیا، اور ہم سولہ آدمی رباط حسین بی میں منتقل ہو گئے،

اس سارے اہتمام و انتظام میں ظہر کا وقت تو جا ہی چکا تھا، عصر کا بھی اول  
 وقت چلا گیا، اور یہ دونوں نمازیں پچائے حرم شریف میں پڑھنے کے گھری میں پڑھیں  
 اب ڈر ہوا کہ کہیں غذا خواستہ مغرب کا وقت بھی نہ چلا جائے، جلدی جلدی جانت  
 بنوائی غسل کیا کپڑے بدلے، اور حرم شریف کی حاضری کی فکر ہوئی، جسم ان تیار یوں  
 میں مصروف، لیکن دل کس حالت میں؟ آداب زیارت کے جتنے رسالے نظر سے  
 گزرے یہ سب میں لکھا ہوا ملا کہ غسل کرے، خوشبو لگائے، کپڑے نئے پہنے، لیکن یہ کوئی  
 نہیں بتاتا کہ دل کو کیونکر قابو میں کیا جائے؟ اس وقت اپنے دل کا کیا حال ہو رہا؟

کہتے ہیں اور شاید ان کے علاوہ بھی کوئی عمارت ہے، حسین بنی کا مکان کو مختصر کر  
لیکن اچھی حالت میں ہے، حسین بنی کی رباط گو بہت وسیع اور خوب منزلی عمارت ہے،  
لیکن بہت بوسیدہ اور مرست طلب حالت میں ہے، ان حیدر آبادی عمارتوں کے  
مستم شیخ جعفر داغستانی، ایک معقول و خوش اخلاق شخص ہیں جو مزدوری بھی کرتے  
ہیں، ہم سب لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام، ریاست حیدر آباد کی طرف سے انھیں  
سرکاری عمارتوں میں ہو گیا تھا، اور ان داغستانی صاحب کے نام متعارف نامہ بھی  
اختریار جنگ بہادر محمد امجد ذہبی ملک انصافیہ نے دیدیا تھا،

بزرگوں نے فضل اور تحب اکو بتایا ہے، کہ مدینہ طیبہ پہنچے ہی سب سے پہلے ہی  
روضہ اقدس پر حاضری دیجائے، لیکن ایسے نصیب صرف خوش نصیبوں ہی کے ہوتے  
ہیں، یہاں اکیس آدمیوں کا تافلہ میرا تھا، جس میں اچھی خاصی تعداد بوڑھے مردوں  
اور بوڑھی عورتوں کی تھی، سب سے پہلی فکر قدر دان کے ٹھہرانے اور سامان کے  
ٹھکانے لگانے کی ہوئی، بوڑھے اتر کر سامنے والی مسجد میں چار چار کمتین فضل  
کی پڑھیں اور سامان اچھا ہون پر لا کر ہم لوگ پایادہ روانہ ہوئے، مقام کی کیفیت  
زبان کی کیفیت راستہ کی ناواقفیت ہر حال کچھ دیکھ بے بد پتہ لگاتے لگاتے مکان حسین بنی تک  
پہنچے، داغستانی صاحب معلوم ہوا کہ نماز ظہر پڑھنے حرم گئے ہوئے ہیں، اور ابھی واپس  
نہیں ہوئے ہیں، وہ خدا معلوم کتنی دیر میں واپس ہوں؟ عورتوں کو اتنی دیر کہاں  
بٹھایا جائے؟ خود اتنی دیر تک، عرب کی اس تیز و شدید دھوپ میں ٹھیک دوپہر  
کے وقت کہاں ٹھیکر انتظار کیا جائے؟ یہی سوالات پیش نظر تھے کہ مکان کے کوٹھے

ضعیفون، غورتون، بچوں اور ناقوانوں کے لئے، حیدر آبادی جھٹکے کی قسم کی سواریاں بھی بلجاتی ہیں، جھین یہاں کی زبان میں اعرابیان کہتے ہیں، مزدور ہوں یا سواریاں، سب کی اجرتیں پہلے سے چکا کر طے کر لینا ضروری ہے، ورنہ بعد کو خواہ مخواہ بد مزگی واقع ہوتی ہے، اور جو مقام شکستگی و افتقار کا ہے، وہاں خواہ مخواہ زبان بد زبانی پر کھلتی ہے،

مکہ کے معلموں کی طرح، مدینہ میں بھی ایک پیشہ ور جماعت موجود ہے، جس کا کام زائرین کے قیام کا بندوبست کرنا، اور انھیں آداب زیارت تلقین کرنا ہے، یہ لوگ مزدور کہلاتے ہیں، ہندوستان کا ایک ایک شہر ہر ہر مزدور کے حصہ میں تقسیم ہے، اسی شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ سوال کر لیا جاتا ہے، کہ کس شہر سے آتے ہو، خود مزدورین تو بہت کم آتے ہیں، البتہ ان کے کارندے اور ملازمین لازمی طور پر ہر قافلہ کو ملتے ہیں، اور جو قافلہ جس شہر کا ہوتا ہے، اس کے قیام کا ذمہ دار اُس شہر کا مزدور ہو جاتا ہے، زائرین اور مسافروں کے لئے عام طریقہ یہی ہے، ان کے علاوہ ہندوستان کے بعض صاحب خیر رئیسوں کی طرف سے رباطین بھی قائم ہیں مثلاً رباط ٹونک، رباط بھوپال، رباط حیدر آباد، رباط ٹونک تک پہنچنا نہیں ہوا لیکن اسکی تعریف سننے میں آئی، رباط بھوپال، حرم سے نصف فرلانگ کے جملہ پر ہے، اور عمارت گو بہت زیادہ وسیع نہیں، تاہم اچھی حالت میں ہے، اور تھوڑے سے آدمی اس میں پوری آسائش کے ساتھ رہ سکتے ہیں، حیدر آباد کی طرف سے کم سے کم دو عمارتیں ہیں، ایک رباط حسین بی کہلاتی ہے، اور دوسری کو مکان حسین بی

شوفرون سے سوال وجواب کر رہے ہیں اور کہیں مزدوروں کی جماعت اہل قافہ کر  
سوالوں کی بھرمار کر رہی ہو!

”کس شہر سے آرہے ہو؟ کتنے آدمی ہوئے؟ کس رباط میں ٹھہر گئے؟ اس قسم کے سوالات  
کے مسلسل جوابات دیتے ہوئے، ٹھیک دوپہر کے وقت کہ ہندوستان کے حساب سے بارہ  
بجے تھے اور عربی گھڑیوں میں چھ بجے کا وقت تھا، فیصل شہر کے اندر داخل ہوئے اور  
اور موٹر ریلوے اسٹیشن کے سامنے والے میدان میں اپنے آڈے پر پہنچ کر رُک گئے۔  
یہ اسٹیشن وہی ہے جو مشہور حجاز ریلوے کے سلسلہ میں ترکوں کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا  
عمارۃ نہایت وسیع اور عالیشان ہے، شام سے اس زمانہ میں ریلوں کی آمد و رفت  
شروع بھی ہو گئی تھی، ریل کی پٹریاں اب تک بھی ہوئی ہیں، اور انجن اور گاڑیاں  
اب تک کھڑی ہوئی ہیں، یہ ریل اس پیمانہ کی تھی، جسے ہندوستان میں ”چھوٹی لین“  
کہتے ہیں، بسم اللہ ماشاء اللہ، ولا فناء الا باللہ رب اذ خلق من دخل صدق و اخر حنی  
مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً اللھم هذا امر مررہ سولت قافلہ  
لی وقایۃ من النار و اماناً من العذاب سوء الحجاب اللھم ارفع لی احوال حبس  
و ارفعنی من غریبہ اساتہ سولت علی اللہ علیہ وسلم ما نہرقت اولیائک و اهل  
طاعتک و اخلصنی من الناس و اغضنی و ارحمینی یا خیر مسئول! اسٹیشن مسجد بنی  
سے کوئی میل بھر کے فاصلہ پر ہو گا، یہیں ترکوں کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے،  
جسکی سمت قبلہ کہا جاتا ہے، کہ بہت غلط واقع ہوئی ہو، اور اس لئے جماعت میں نہ  
ترجیح کھڑی ہوتی ہیں، اسامان اٹھانے کے لئے مزدور کثرت مل جاتے ہیں،

حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ کا ایک عارضی اور وقتی ناپاکی کی بنا پر یہ حال ہوا یہ احساس ہوا  
تو اے دینِ مبین کے حاملو! اور اے شریعتِ اسلامیہ کے معقبو! اُس کے متعلق کیا فتویٰ  
دو گے جس کی گندگی عارضی نہیں دائمی ہے، وقتی نہیں مستقل ہے، جسم کے اوپر نہیں، روح  
کے اندر ہے، ظاہر میں نہیں، باطن میں ہے، پانی کے چند لوٹون سے دھل جائیوالی نہیں  
دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ کھا کر بھی جون کی تون رہ جائیوالی ہے!

ادب کا تقاضا کہ شہر کچھ دور باقی رہے کہ سواری سے اتر کر پیدل چلے، شہر  
دل کا فتویٰ کہ ضروریات سے فارغ ہو کر، نہادھو کر، سفر کے گرد آلود کپڑوں کی جگہ نئے  
کپڑے بدل کر شہر کے اندر قدم رکھئے، لیکن سواری اپنے اختیار کی نہیں، موٹر کے  
شوفروں کی ہر طرح خاطر مدارات کی کہ کسی طرح مان جائیں، لیکن جواب ہی ملتا رہا  
کہ حکومت کے قانون اور سرکار کے ضابطے سے مجبوری ہے جو جگہ موٹروں کے ٹھہرنے  
اور مسافروں کے اترنے کی مقرر ہے، ٹھیک وہیں پہنچ کر موٹر رکے گا، نہ اُس سے  
چار گز ادھر نہ چار گز ادھر! لیجئے بات کہتے کہتے گیارہ بج گئے، اور سوا دہ شہر نظر آنے لگا  
شوفر نے پکار کر کہا "مدینہ! مدینہ!" اور سرسبز درخت اور شہر کی عمارتیں دھندھلی دھندھلی  
دکھائی دینے لگیں

خاکِ شرب از دو عالم خوشتر است      اے خنک شہرے کہ آنجا دلبرست

در دلِ سلم مقامِ مصطفیٰ است      اکبر وے باز نامِ مصطفیٰ است

اللھم هذا لحم بنتک فاجعله لی وقایۃ من النار واما نامن العذاب وسوء

الحساب، اب موٹر قدم قدم پر رکنے شروع ہوئے، کہیں سرکاری کارندے اور پیرا



بلکہ دین پر کیا گزر گئی ہوگی!

عزیزو اور بزرگو! یہ شاعری نہیں، وہم و تخیل کی کرشمہ سازی نہیں، البتہ اور صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی زبانی بیان ہے کہ میں راستہ میں جا رہا تھا اور مجھے غسل کی حاجت تھی، کہ سامنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہوئے آئے، اور میری طرف بڑھے (فاہویٰ البیہ) لیکن میں الگ ہٹ گیا (فخلعہ) اور اس کے بعد غسل سے فراغت کر کے جب خدمت والا میں حاضر ہوا ہوں، تو میں نے عرض کیا، کہ اُس وقت میں پاک حالت میں نہ تھا، اور اسی طرح اس نامور آقا کے ایک دوسرے نامور خادم ابو ہریرہؓ اپنی آپ جی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں مل گئے، اور مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی، میں الگ ہٹ گیا، اور غسل کرنے کے بعد مجلس مبارک میں حاضر ہوا! اللہ اللہ! یہ اعتباط کون لوگ کر رہے ہیں؟ حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہما جو پاکوں کے سردار کے فیضِ صحبت سے خود پاک و پاکیزہ بن چکے ہیں! اور جو خود اس درجہ پر پہنچ چکے ہیں، کہ انکا سایہ ناپاکوں کو پاک بنا دینے کے لئے کافی ہے! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خود ان کی جانب التفات فرماتے ہیں، اور چونکہ ملنا چاہتے ہیں، لیکن اُدھر یہ حالت ہے کہ بجائے سر کے بل دوڑنے کے، الٹے پاؤں داپسی اور علیحدگی اور کنارہ کشی ہوتی ہے، اور رسول کریمؐ کی عارضی آزدگی کا خطرہ قبول کر لیا جاتا ہے، لیکن یہ گوارا نہیں ہوتا، کہ اپنی عارضی ناپاکی کو اس سراپائے نور کے مقابل لایا جائے، جو ہمہ لطافت اور ہمہ نفاخت ہے! جب

جگہ مضطرب و بقرار کسی کی آنکھیں اشکیار، اور کسی کا دماغ نشہ لذت و فرحت سے سرشار! اپنی اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار!

سارا قافلہ ذوق و شوق کی تصویر، اور تو اور بخدی شوفر تک چند لحوں کے لئے بجائے "بخدی" کے "وحدی" بنا ہوا، مولانا مناظر فرط گریہ سے تیاب ضبط و احتیاط کے باوجود بھی صحیح نکل جانے پر مجبور، ایک سرگشتہ و دیوانہ عقل سے دور، علم سے بیگانہ، نہ گریبان نہ شادان، نہ اپنی حضور کی خوش بختی پر خوش، اور نہ اپنی تباہ کاریوں کی یاد پر غمگین، محض اس الجھن میں گرفتار کہ یا الہی یہ بیداری ہے یا خواب! کہاں یہ ارض پاک، اور کہاں یہ بے مایہ مشتبہ خاک! کہاں مدینہ کی سرزمین، اور کہاں اس تنگ خلایق کی حسین! کہاں سید الانبیاء کا آستانہ، اور کہاں اس رویہ کا سردشانہ! کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدم سیون کو بھی چلنا نصیب ہو، تو ان کے خرد شرف کا نصیب جاگ جائے، اور کہاں ایک آوارہ و ناکارہ بے محفل اُسے پامال کرنے کی جرات کر سکیں، عورتی نے کہا تھا، کہ ناپاک کے سجدہ کرنے سے زمین فرط اذیت سے چیخ اٹھتی ہے، اے

یہ زمین چو سجدہ کردم ز زمین ند ابر آمد

تو مرا خراب کردی بہ این سجدہ ریائی

لیکن جیب ریاکار کے سجدے سے، ہر معمولی اور عام خطہ زمین یہ ایذا محسوس کرتا ہے، تو پھر ایک ریاکار کے بار قدم سے اس عظمت و تقدس والی سرزمین کے

غیر جید آن نگار مقبلم ، گرد و صد زنجیر آری بگسلم ،  
دقت آن آمد کہ من مریان شوم جسم بگذارم سر اسرجان شوم

شب منزل یرحان میں گزاری تھی، صبح سویرے روانہ ہوئے، اور سات بجے مسجد میں دم لیا، سر زمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہو گئے، روحانی انوار تو خیر جس کسی کو نظر آتے ہو گئے، اس کے لئے ہیں باقی مادی فضا کی خوش آئند تبدیلیاں تو ہم بے بصرون کو بھی محسوس ہو رہی تھیں، خوش عقیدگی کا سوال نہیں، محض ثبات جو اس وادراک کی ضرورت ہے، بجے کھڑے کھڑے چند منٹ کے لئے ایک اور منزل پر گئے، اس کا نام اس وقت یاد نہیں آتا یہ آخری منزل ہے، اس کے بعد کوئی اور منزل نہیں، صرف منزل مقصود ہے اب گویا نواج مدینہ شروع ہوا، کچھ نہایت شاداب و شیرین سامنے رکھے ہوئے ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوش منظر، مہربانی جو راستہ بھر کہیں نہیں نظر آتی تھی اب ہر طرف دکھائی دے رہی ہے، ریت کے میدان اور رگینان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ، شکر اتنی ہموار و نفیس، کہ معلوم ہوتا ہے عرب میں نہیں، ہندوستان میں سفر کر رہے ہیں، دس بجے ہوا دس بجے ساڑھے دس بجے اور دقت کی گھڑیاں گزر رہی ہیں، اور ادھر دلوں کا شوق و اشتیاق ہے کہ ہر ہر منٹ، ہر ہر سگند بڑھتا جا رہا ہے، کسی کے ہاتھ میں مناسک و آدابِ یاد کے سامنے ہیں، وہ انھیں دیکھ دیکھ کر دعائیں یاد کر رہا ہے اور کوئی خالی درو شریف کا ورد کئے جا رہا ہے، ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار ہر دل اپنی اپنی

# باب ۹

## مدینہ

ہوئے یار میر باغم می رسد      ہوئے بنانان سوئے جانم میرسد  
 باز آمد آبِ مادر جوئے ما،      باز آمد شاہِ مادر کوئے ما،  
 ۱۱۔ اپریل ۱۹۲۵ء پنجشنبہ، یکم ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ، آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے،  
 آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے! آج ذرہ آفتاب بن رہا  
 ہے، آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے، آج گنہگار  
 امتی کو شفیق اور شفیق رسول صلعم کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے!  
 ہندوستان کی عورتیں ذیقعدہ کو "خالی" کا مہینہ کہتی ہیں، پر جس کے نصیب میں اسی  
 "خالی" مہینہ میں اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو، وہ اس مہینہ کو  
 کیا کہہ کر بچا رہے؟ "جمرات" کو شاید قافیہ کی رعایت سے "پیردن" کی کرامات کہتے  
 ہیں، ہر جمرات ایسی ہوتی ہوگی، لیکن جس جمرات کو کسی کی قسمت میں یہ کرامت  
 لکھی ہو، اس کا توجہی میں آتا ہے، کہ پیردن اور بزرگوں کی نہیں تباہ کاروں  
 اور سیاہ کاروں کی کرامات، نام رکھئے!

عاذلا چند این صداع و ما جرا      پنڈ کم وہ بعد ازین دیوانہ را

ہیں اور گجراتی بھی، بھارتی بھی ہیں، اور نجدی بھی، مصری بھی ہیں اور سودانی بھی،  
 جاوی بھی ہیں اور چینی بھی، برہمن بھی ہیں اور بھاری بھی، افغانی بھی ہیں اور مراٹھی  
 بھی، یہ سب کے سب ملن اور عزیزانِ وطن کو چھوٹے ہوئے، پتی ہوئی ریگ میں چلبلیاتی  
 ہوئی دھوپ میں، کشمیر اور تملک کو چھوڑ کر، سبزہ زاروں اور آبشاروں کو بھلا کر  
 بھوک اور پیاس کی منتیں جھیلے، اور گردوغبار میں غسل کرتے ہوئے کہاں کو چل  
 رہے ہیں؟ راجپوتوں کے حاتم وقت رئیس، کلب علیخان کو کس راستہ کی خاک پھانگنے  
 پر غرق تھا؟ بھوپال کی اہل دل فرما زوار، سلطان جہان یگم کو کس کے آستانہ کی  
 گدائی پر ناز رہا؟ ملکیت آصفیہ کے تاجدار، میر عثمان علیخان نامدار کے دل کو کس کے  
 کوچہ کی آرزو سے جادوب کشی تڑپا رہے ہوئے ہے؟ محمد کے نام سے، ابوہل اور  
 اور ابولسب کی طرح جلنے والے محمد کی عظمت کو طلی توہیات و تاویلات کو کر کے  
 دونوں سے گھٹانے والے محمد کی سیرت پاک کو اپنی ناپاکیوں اور گندگیوں پر قیاس  
 کر کے مسخ کر کے پیش کرنے والے، آج کاش اپنے اپنے مٹی کے گھرنڈوں سے باہر  
 نکل کر دیکھیں، کہ اس دور یا جوہیت، اس غلیظ و تجالیت کے باوجود دنیا کی کتنی بڑی  
 اور کسی کالج میں، کسی جامہ اور کسی اکاڈمی میں، کسی کتخانہ اور کسی تجربہ گاہ میں  
 کسی ماہر فن کے لکچر روم میں، کسی پروفیسر کے حلقہ درس میں وہ کشش اور دلکشی، وہ  
 قوت جذب ہے، جو اس مقام میں ہر جہان اُس امی کا جہدِ ظاہری آرام فرما رہا  
 جو اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا (محمد) تھا، اور جسے اس کے رب نے  
 "تعریف کیا گیا" (محمد) کہہ کر پکارا؟

اعتراف پر کھلی اس۔۔۔ اے ریاکار، آج تیری اصلیت ظاہر ہو رہی ہے! اے منافق! اس وقت تیری کھلی اتر رہی ہے! جب قوالی کی محفلوں میں شاعری کی دنیا میں، دشتِ شرب میں ناقہ کے پیچھے دوڑتے رہنے کا، یا تلوؤں میں خاکِ صحراے مدینہ کے پھینے کا ذکر آتا تھا، تو تو خوب گردن ہلاتا تھا، اور بڑی مستی کا اظہار کیا کرتا تھا، اور ہمہ تن اشتیاق و تمنا بن جاتا تھا، پھر آج تو یہ منظر سامنے ہی، تصورِ روحِ خدایہ میں نہیں، مادی آنکھوں کے رو برو ہے، اس خاک کا سرمہ آنکھوں میں کیوں نہیں لگاتا؟ یہاں کے کانٹوں کو اپنے پیروں میں کیوں نہیں چھنے دیتا؟ اس دشت میں حبیب و گریبان کی دھجیاں اڑاتے ہوئے کیوں نہیں دوڑ لگاتا،؟ محبت رسول صلیم کے زبانی دعوے بڑے بڑے تھے، دوستوں اور معقدوں کے مجمع میں، عشق سرکارِ مدینہ کی خوب خوب لاف زنی ہوتی تھی، آج سارے دعوؤں کی حقیقت کھل گئی! مرکزِ نور سے جو نوجون قرب حاصل ہوتا جاتا ہے، ہر شے کی اصلیت سے نقاب اٹھتا جا رہا ہے، اے نفسِ خبیث کے غلام، کیا تو یہ سمجھے ہوئے تھا، کہ تیری ریاکاری و منافق پروری پر پردہ یون ہی پڑا رہنے دیا جائیگا،

ہماری طرح خدا معلوم کتنی اور موٹر میں اور موٹر لاریاں سواریوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی اس راستہ پر چل رہی ہیں، ہزار ہا انسان اونٹوں کے قافلہ میں چلتے ہوئے مل رہے ہیں، سیکڑوں آدمی پیدل سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ان میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی، بوٹھے بھی ہیں اور بچے بھی، غریب بھی ہیں اور امیر بھی، بنگالی بھی ہیں، اور پنجابی بھی، دکنی بھی،

موٹرین روانہ ہوئیں اور شب کی تاریکیوں میں سفر شروع ہوا، کس کا سفر کہاں  
 کا شروع ہوا؟ — کون بتائے؟ کسی زبان جواب دے؟ حاضری کی اجازت  
 اُسے مرحمت ہو رہی ہے، جس کے نام اُٹھنے کی سیاہیاں، شب تار کی تاریکیوں سے  
 بھی سیاہ تر ہیں، جنوری اُس کے آستانہ پر ہو رہی ہے، جو خود طاری بگر رات کی  
 تاریکیوں کو منور کرتے آیا، جس کا ظہور اُس گڑھی ہوا، جب دنیا پر تاریکیوں اور  
 سیاہیوں کے ایک سے ایک گہرے پردہ پڑے ہوئے تھے، اور جو اپنے ہمراہ نور اور  
 اجالا لیکر آیا، — این! یہ دل کیون دھڑکتا جاتا ہے؟ یہ آنکھیں کیون پرغ  
 ہو رہی ہیں؟ یہ زبان کیون خشک ہوئی چلی جاتی ہے؟ سامنا اُس کا تو نہیں ہوا  
 کی میزان ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے، جو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کر نیا لایا ہے،  
 حاضری تو اُس کے دربار کی ہے، جو ہر محنت و ہمہ مرحمت ہے، جو بدکاروں کی  
 پردہ پوشی کرنے والا ہے، جس کا نام شفیع الذین ہے، یعنی نیکوں اور پاکوں کا نہیں  
 گناہگاروں کا نجات دلانے والا، تباہ کاروں کا سہارا! یہ سب کچھ سہی، یہ سب صحیح  
 پر دل اب بھی اپنے قابو میں نہیں، نفس کی شرارتیں، اندر کی خباثتیں، قلب کی  
 فتادیں، ایک ایک کر کے بے پردہ وہ بے نقاب سامنے آرہی ہیں اور ریا اور  
 نفاق کا جامہ ہر ہر لمحہ چاک ہو رہا ہے، جدہ سے نکلتے ہی ریت شروع ہو جاتی ہے  
 راستہ کا بیشتر حصہ بالکل ریتلا ہے، اور جب مدینہ طیبہ کی مسافت بقدر ایک ثلث  
 کے پہنچاتی ہے، تو پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور زمین بالکل پتھر ٹپٹپٹ  
 لگتی ہے، ان ناہمواریوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے، کہ لاریاں گویا اچھلتی ہوئی چلتی ہیں  
 اور دھکے اور دھچکے قدم قدم پر لگتے رہتے ہیں، اور دھچکا لگا، اور اُدھر زبان

سیٹ کی آگ ہر جگہ بجھائی جا سکتی ہے، لیکن اگر زبان کا ذائقہ بھی مطلوب ہے، تو ان  
 منزلوں کے کھانے کے بھروسے پر ہرگز نہ رہنا چاہئے، بلکہ اپنے مذاق و پسند کے مطابق  
 کچھ ناشتہ ضرور ساتھ رکھنا چاہئے، بعض منزلوں میں تر بوڑا اور بعض میں کھجور بھی لجاتے  
 ہیں، بڑی بڑی منزلوں میں رات کو سونے یا دن کو لیٹنے بیٹھنے کے لئے بان کے  
 اونچے اونچے تکیہ دار کھاٹ مناسب کر ایہ پر مل جاتے ہیں گوشت کی بنی ہوئی چیزیں  
 تو گرم موسم میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتیں، البتہ سٹو بکٹ بکھن، وغیرہ اگر اس سفر میں ساتھ  
 رہیں، تو کھانے کا مسئلہ بآسانی حل ہوتا رہتا، ٹرکین اچھی بری کیا معنی، کہنا چاہئے کہ سڑک  
 سے ہیں ہی نہیں، چلتے چلتے جو راستے بن گئے ہیں، انھیں کا نام سڑک رکھ لیا گیا ہے  
 حیرت ہے کہ سودمی حکومت جو موٹروں کی سرپرستی میں اتنی عالی ہمتی دکھا رہی ہے  
 (شاید اس لئے کہ موٹر کمپنیوں سے خوب بھاری بھاری ٹیکس وصول ہوتے رہتے ہیں)  
 سڑکوں کی تعمیر کی طرف سے اس درجہ غافل و بے پروا ہے (شاید اس لئے کہ سڑک  
 کوئی آمدنی کی مدد نہیں محض خرچ ہی خرچ کا کام ہے) حالانکہ بہتر سے بہتر سواری بھی  
 بغیر اچھی سڑک کے پیکار ہے، راستہ کی اسی اتری کا نتیجہ ہے، کہ سواری کی دودو  
 لاریوں کے ساتھ حوادث ناگمانی کے خطرہ سے ایک ایک خالی لاری بھی رکھی  
 جاتی ہے، اور یہ خطرہ محض موہوم نہیں، اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، خود  
 ہمارے ساتھ جو لاری زنانہ قافلے کی تھی، دوپہر کے وقت ایک جگہ ریت میں  
 دھنس گئی، اور کسی طرح نہ ہمیں سکی، مجبوراً سوار یوں کو اسی خالی لاری میں منتقل  
 کرنا پڑا،



پندرہ گنی تھی، لیکن مختلف موٹر کمپنیوں میں مقابلہ جاری تھا اس لئے ارزانی ہو کر  
 فی کس دس گنی (تقریباً ۱۳ روپیہ انگریزی) کی شرح آمد و رفت رہ گئی تھی، مولوی  
 شاہ لطف اللہ صاحب سوئٹری کی پانچ آدمیوں کی پارٹی بھی ہمارے ہی ہمراہ  
 چلنے پر آمادہ ہوئی اس طرح کل ۲۱ آدمی ہوئے دو موٹر لاریاں، تیرہ تیرہ نشستوں  
 کی گئیں، اور افضل صاحب کی عنایت سے ہمارے لئے مخصوص ہو گئیں یعنی  
 ۲۱ آدمیوں کے ٹکٹ سے ۲۶ آدمیوں کی جگہ مل گئی،

روانگی شام کو مسرار پائی تھی صبح مزے کے وقت دونوں لاریاں دروازہ  
 پر آکر لگ گئیں، سب کے سوار ہونے اسامان لادنے، پوری میٹھی اجوت دیکر اٹھ کی  
 رسید حاصل کرنے اور حکومت و بلدیہ کے دوسرے مراحل طے کرنے میں عشا کا وقت  
 آگیا، اور صبح اُس وقت جبکہ سجدون میں عشا کی فائین ہو رہی تھیں ہمارا قافلہ  
 شہر کے پچھلے حصے سے روانہ ہوا، جدہ سے مدینہ تک موٹر راستہ میں آرام لیتا ہوا اور  
 سستانا ہوا ڈیڑھ دو دن میں پہونچا ہے، اونٹنوں سے یہ فاصلہ دس دن میں  
 طے ہوتا ہے، جابجا میٹر لین بنی ہوئی ہیں، موٹر جہاں عموماً ٹھہرتے ہیں، ان میں سے  
 مشہور منزلیں، طوال، قدیمہ، رابع، مستورہ، میر تدویش، بیر حسان، مسجد بن ہر  
 منزل پر پانی، چائے، قہوہ، کی دوکانیں ہیں، اکثر منزلوں پر روٹی اور پکا ہوگا  
 یا ابلی ہوئی مچھلیاں مل جاتی ہیں، مگر گوشت بدوی مذاق کا ہوتا ہے، ہندوستانیوں  
 کے ذائقہ کا نہیں ہوتا، گو بھوک کے وقت ہر شے اچھی معلوم ہوتی ہے، بعض منزلوں  
 مثلاً رابع کا پانی بہت خفیس ہے، اور بعض مثلاً بیر حسان کا اس کے بالکل برعکس،

ہوئے صرف دو ہی صاحبوں کو پایا، ایک شیخ نصیف کو دوسرے حاجی عبداللہ زیل کو، ورنہ اور تو ہر شخص کی زبان سے وہ زبان سنی، جسے خدا معلوم عربی کہا ہی کیون جاتا ہی! شام کے وقت ہنشی صاحب اپنے موٹر پر سمندر کے کنارے ہواؤں کے لئے لے گئے، اور وہیں نماز مغرب پڑھی، عثمان کی نماز پڑوس کی مسجد میں آکر پڑھی

۹ اپریل سہ شنبہ، وکیل صاحب نے آج موٹر دلا دینے کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن یہ وعدہ اطمینان و اعتبار کے لئے کافی نہ تھا، اگر آج شام کو وہ انکار کر دیتے، تو اُن کا تو کوئی نقصان نہ ہوتا، لیکن ہم لوگوں کا ایک دن خلوہ خواہ ضایع ہو جاتا، اور صرف یہ کہ مدینہ طیبہ کی حاضری میں ایک دن کی تاخیر ہو جاتی، بلکہ وہاں کی مدت قیام میں بھی ایک دن گھٹ جاتا، وکیل صاحب کے لئے ہماری التجائیں اور درخواستیں قطعاً غیر موثر تھیں، آج صبح میں مولانا مناظر احسن کے ہمراہ شیخ عبدالرحمن محمد الفضل سے ملا، جو ممبئی کے عبداللہ الفضل کے حقیقی بھائی ہیں، اور جدہ کے مشاہیر اور سلطان کے حاشیہ نشینوں میں ہیں، یہ بہت خوب شخص نکلے، خلافت کمیٹی علی برادران، خدام الحرمین، اور ہندوستان کے اور بہت سے مسائل پر آزادی و بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے، شرکتہ حرمین کے نام سے ایک موٹر کمپنی بنائی گئی ہے، سفر مدینہ کی عجلت ہم لوگوں میں دیکھ کر اُنھوں نے پورا اطمینان دلا دیا کہ وکیل پر تاکید کر کے آج ہی لاری کا انتظام کر دیا جائیگا، اور شام تک قافلہ روانہ ہو جائیگا، اس کے بعد وکیل صاحب کو بھی کوئی راہ گریز باقی نہ رہی اور آج شام کو روانگی طے پا گئی، موٹر کی سرکاری شرح آمد و رفت فی کس

مال دیا جائے یہی صورت ہمارے ساتھ بھی پیش آنی شروع ہوئی،

جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب (نائب قنصل برائے حجاج ہند) کی ذات ہندوستانی حاجیوں کے حق میں بڑی کارآمد ہو، جہاں پر ان سے تعارف ہو چکا تھا، اسے پہر کو ان سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، اخلاق و محبت سے پیش آئے ہمارے وکیل صاحب کو ہانوں کی کثرت و هجوم کی بنا پر ہم لوگوں کی جانب توجہ کرنے کی فرصت کم ملتی تھی، اور سواری کے جلد ہم پہنچنے کی طرف سے تو انھوں نے بالکل قطعاً مایوس کر دیا تھا، منشی صاحب سے جب ملاقات ہوئی اور ان چیزوں کا تذکرہ آیا، تو انھوں نے ٹیلیفون دیکر وکیل صاحب کو فوراً طلب کیا، وکیل صاحب کا اخلاق اسی لمحہ سے بدل گیا، اب ہم لوگوں پر توجہ کرنے کی فرصت بھی انھیں نہ اندھئی، اور سواری کے لئے بھی وعدہ ہو گیا کہ کل بلجائیگی، جدہ میں حکومت مجاز کی طرف سے جو حاکم اعلیٰ رہتے ہیں، انکا ام شریف حاجی عبداللہ رضا زبیل ہیں جدہ میں ٹرین مار سین لپنی کے ایجنٹ بھی ہیں، بڑے معمول تاجروں میں انکا شمار ہے، ہمیں میں ان کے جتنے محمد علی زبیل موتوں کی تجارت لاکھوں روپیہ کی کرتے ہیں، انھوں نے ازراہ عنایت اپنے چچا صاحب کے نام ایک تعارف نامہ دیا تھا، اسے پہر کو منشی صاحب اپنے ہمراہ ان کے ہاں لے گئے، جج ٹیڈی کا اجلاس ہو رہا تھا، اور وکیل صاحبوں کو بدعنوانیوں پر سزائیں مل رہی تھیں، زبیل صاحب کو دیکھا، سن سفید دارھی، چہرہ شرافت و نورانیت کی ایک تصویر، بڑی خاطر سے پیش آئے، پوچھا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں؟ جدہ بھر میں صحیح و پاکیزہ عربی بولتے

وفدِ خلافت ہو سلطانِ بہمان تھا وہ بھی بدہ میں شیخ موصوف ہی کے ہاں ٹھہرایا گیا تھا۔  
 بیسویں کے ہاں، بند کردن میں شب بسر کرنے میں وقت تھی، شب میں میں نے  
 اور مولانا مناظر صاحب نے شیخ موصوف سے اُن کے کھلے ہوئے ہواد اچھو ترہ پر لپٹ  
 رہنے کی اجازت مانگی، شیخ نے اپنے لطف و کرم سے مہسرت تمام اجازت دیدی،  
 اور ہم دونوں کی رات بڑے آرام سے اور شیخ کی شکر گزار سی کیسا تھو بسر ہوئی

جسدہ اترتے ہی سفرِ مدینہ کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی، عمر بھائی چاند بھائی  
 نے جسدہ میں ہنڈیاں ایک ہی نام کے دوسا ہو کارون شیخ جمال الدین اور  
 سیٹھ جمال الدین پٹنی کے نام کی دی تھیں، دونوں سے ملاقات ہوئی، اول لڑکے  
 نے بڑی مستعدی اور مستدی سے بھی بڑھ کر ہمدردی و دلسوزی کے ساتھ سارا کام  
 کر دیا، یہی نہیں کہ رقم فوراً ادا کر دی، بلکہ یہ صحیح و ضروری مشورہ دیکر کہ اندرون  
 حجاز، انگریزی نوٹ اور روپیہ سے کہیں بڑھ کر انگریزی گنیاں کام دیتی ہیں،  
 رقم کو نوٹ سے گنیوں میں تبدیل کر دیا، روپیہ ہاتھ میں آتے ہی چلنے کی فکر  
 ہوئی، جسدہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اونٹ کے قافلے بھی چلتے ہیں، اور اب  
 موٹر بھی کثرت سے چلنے لگے ہیں، ہم لوگوں نے موٹر ہی پر چلنا طے کیا، حجاز میں  
 قدم رکھتے ہی مسافر بالکل معلوم یا اُن کے وکیل کے ہاتھ میں آجاتا ہی، اور بغیر انکی  
 وساطت کے کسی سواری کے لئے معاملات نہیں کر سکتا، وکیل صاحبوں کے مصداق  
 و اغراض قدرۃ اس کے مقتضی ہوتے ہیں، کہ جتنے دن بھی ممکن ہو حاجیوں  
 کو جسدہ میں پڑا رہنے دیا جائے، اور حیب وہ سواری کے لئے تقاضا کریں، تو انھیں

زیادہ دور دور نہیں، جہاں ہم ٹھہرے ہیں، بازار یہاں سے قریب ہیں، ڈاکخانہ بھی  
 زیادہ فاصلہ پر نہیں، اور مسجد تو بالکل پڑوس ہی میں ہے، اتفاق سے آج ہی ہندوستان  
 کی ڈاک روانہ ہونے کا دن ہے، خطوط لکھ کر ڈاک میں ڈالے نہیں گئے، بلکہ پوسٹاسٹر  
 صاحب کے ہاتھ میں دیدیئے گئے۔

ماتے ایک لق ووق، شاندار و آراستہ عمارت کھڑی ہوئی ہے، معلوم ہوا  
 کہ شیخ محمد نصیف صاحب کا مکان ہے، یہ یہاں کے ایک امیر کبیر ہیں، بیٹی سے ایک  
 صاحب نے اپنی کسی ضرورت کے متعلق ایک خط ان کے نام کا مجھے دیا تھا، اسے  
 لیکر مولانا مناظر حسن صاحب کے ہمراہ دوپہر کو ان کے ہاں گیا، عربی و سبب اخلاق  
 اور تجازی شان مسافر نوازی کے ساتھ پیش آئے، اردو نہیں جانتے، صرف عربی میں  
 گفتگو کر سکتے ہیں، چنانچہ مولانا سے عربی ہی میں گفتگو ہوتی رہی، ایک عظیم انسان گفتگو  
 کے مالک ہیں، بڑی بڑی الماریوں میں نفاست و سلیقہ کے ساتھ کتابیں چنی ہوئی، اور  
 گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ کتابوں کا ذخیرہ محض الماریوں کی زینت کے لئے نہیں، بلکہ  
 دل و دماغ میں بھی اپنا گھر بنا چکا ہے، ظہر کی نماز انھیں کے مکان پر جماعت کے ساتھ  
 نجدی امام کے پیچھے پڑھی، یہیں ایک صاحب سے یہ کہہ کر ملایا گیا کہ وہ شیخ محمد بن  
 عبد الوہاب کے پوتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا کہ نجد کے مشاہیر علماء میں ہیں، مولانا  
 مناظر نے ان سے کچھ سوالات کئے، جوابات اُس معیار پر نہ ملے، جس کی توقع ایک  
 صاحب نظر عالم سے ہو سکتی ہے، سنا ہے کہ سلطان ابن سعود جب جدہ آتے ہیں،  
 تو شیخ محمد نصیف ہی کے ہاں فرود کش ہوتے ہیں، اس لئے میں ہندوستان کا

# باب ۸

## جدہ - راہ مدینہ

صالح بسیونہ نے ہمیں اپنے ذاتی مکان میں ٹھہرایا، یہاں عمو، کئی کئی  
 منزلوں کے مکانوں کا رواج ہے، یہ مکان بھی کئی منزل کا ہے، ہم لوگوں کو جگہ  
 دوسری منزل میں ملی، ہمیں دو کمرے ہیں ایک بڑا اور ایک اوسط درجے کا عورتوں  
 کو بڑے کمرہ میں کر دیا، چھوٹے کمرے کو مردانہ رکھا ہے، سامان زیادہ تر نیچے کی منزل میں  
 رکھنے دیا، سولہ آدمیوں کے لئے دو کمروں کی گنجائش ناکافی معلوم ہو رہی ہے، صحن نہ  
 ہونے سے گرمی علی الخصوص محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت اللہ  
 کی ناشکری ہے، سیکڑوں ہزاروں، اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں اتنی جگہ کیا  
 یعنی، اس کی آدھی بلکہ چوتھائی بھی نصیب نہیں، اور وہ صبر و شکر کے ساتھ تیز دھوپ  
 آئین بہتی ہوئی زمین کے اوپر، سڑکوں اور راستوں میں، بٹرجائے بیٹھے ہیں،  
 وہ بھی آخر انسان ہی ہیں، وہ بھی حاجی ہیں، وہ بھی پردیسی ہیں، وہ بھی اللہ ہی کی  
 بواہ میں گھربار، عزیزوں، دوستوں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں، اور ان میں سب کے سب  
 مفلس اور کھنگلے ہی نہیں، کیا انہیں آرام کی خواہش نہیں؟ کیا انہیں موسم کی سختیوں  
 کا احساس نہیں ہوتا؟ — جدہ کا رقبہ کچھ بہت بڑا نہیں، اس لئے مقامات

ہو کر رہتی تھی، سو ہو کر رہی، مسجد میں نماز کئی وقت پڑھی، پر شہر کے علماء و کابر  
ایک وقت بھی مسجد کے اندر نہ دکھائی دیئے، اور دل نے ناسوت کے ساتھ کہا  
کہ حضرت اکبر مرحوم کا تجزیہ ع

کو نسل میں بہت یزد مسجد میں فقط تین !

صرف حذوستان ہی تک محدود نہیں، اور یاے جتنا کا کنارہ ہو، یا بحر احمر کا ساحل  
آج مسجد کی آبادی جہاں کہیں بھی قائم ہے، میان جن ہی کے دم سے ہے !



جدہ، سرزمین عرب کا پھانگ ہے، حکومت اسلام کا پہلا شہر ہے، بُرا یا  
 بھلا جیسا بھی ہے، اپنا ہے، اور اپنوں اور اپنے والوں کی چاہت کے نہیں  
 ہوتی؛ لیکن ————— اے سب عزتوں کے مالک! ایک گستاخ  
 مشہدِ خاک کو یہ کہنے کی اجازت دے کہ ————— اب تو کسی کو بھی  
 ”اپنا“ کہتے ہوئے دل لرزتا ہے، اور زبان ہچکچاتی ہے، خیر قرطیبہ، اغرناطہ  
 کو تو مدت ہوئی بھول چکے، لیکن ابھی کل کی بات ہے، کہ مقبرہ اپنا تھا، بغداد  
 اپنا تھا، حلب اپنا تھا، بیروت اپنا تھا، دمشق اپنا تھا، بیت المقدس اپنا تھا، قاہرہ اپنا تھا، اتینول اپنا تھا  
 اور کچھ ہی قبل شاتجان آباد اپنا تھا، اکبر آباد اپنا تھا، لاہور اپنا تھا، ملتان اپنا تھا، لکھنؤ اپنا تھا، امرتسر آباد  
 اپنا تھا، عظیم آباد اپنا تھا، دہاکہ اپنا تھا، بیجا پور اپنا تھا، کرناٹک اپنا تھا، آج ان  
 میں سے کوئی ”اپنا“ ہے؟ پھر جدہ غریب کی خیر کب تک سنائی جا سکتی ہے؟  
 یا جوج کا پھریرا گو آج ضابطہ و رسم کے ساتھ وہاں نہ لہرا رہا ہو، لیکن جدہ  
 کے کوچہ و بازار دور و دیوار سب یا جوج ہی کی عظمت کے نقیب بن چکے ہیں  
 دوکانوں میں مال ہے تو ولایتی، بازاروں میں سودا ہے تو ولایتی، مکانوں  
 میں سامان ہے تو ولایتی، جموں پر لباس ہے تو ولایتی، عقلیں مرعوب ہلچل  
 مغلوج! کوئی کس چیز سے دل کو سمجھائے، اور کیا کہہ کر اپنے کو دھوکا دے؟  
 سرزمین اسلام کا اسلامی شہر اور دل ترستارہ گیا، کہ کسی محدث کی زیارت  
 سے آنکھیں روشن ہوں، کسی بزرگ صاحبِ باطن کی نگاہِ کرم دل کو گرمائے  
 کسی فقیہ کے حلقہٴ درس و افتاء کی تازگی و شگفتگی تنکے ماندے مسافر کی خستگی و  
 ماندگی کو دور کر دے! پر آہ، یہ کچھ بھی نہ ہوتا تھا! ہر متنا کا کام، ہر آرزو کا



شرح پر لکھا ہے، کھاری سمدری پانی البتہ بہ افراط مکانات کی وضع عیسائی کے  
 مکانات سے ملتی جلتی، یعنی صحن کار و اراج برلے نام، اور اوپر تلے چار چار پانچ  
 پانچ منزلوں کا وراج عام! انھیں کروں کو کھڑکیوں کی مدد سے خاصا ہوا،  
 بنالیا جاتا ہے، ہندوستان کے لوگوں کو جس شے کی زیادہ تکلیف ہوتی ہے، وہ یہاں  
 کے پانچانے ہیں، ہندوؤں کی قسم سے کوئی قوم یہاں موجود نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ  
 یہ مکان میں بہت گہرے سڑاس، کنوئیں کی طرح گہرے بنے ہوئے ہیں،  
 انھیں میں رنج حاجت کی جاتی ہے، اور ان کی حقوت مکان کے دوسرے  
 حصوں تک پھیل رہتی ہے، زبان، موجودہ بگڑی ہوئی عربی، جیسے قرآن مجید کی  
 عربی سے کوئی نسبت نہیں، تاہم اردو بھی اچھی خاصی سمجھ لجاتی ہے، اور محض روڈ  
 بھی اپنا کام نکال ہی لیتے ہیں، حایوں کے جوم کے زمانے میں ہر ہر گھسہ  
 مسافر خانہ بنا ہوا، ہزار ہا غریب حاجی سڑکوں پر اور گھوڑوں پر پڑے ہوئے،  
 یہ ملک حقیقہ حیدر آباد، ریاست بھوپال اور ریاست ٹونک کی طرف سے  
 مکہ و مدینہ میں رباطین (تیامگاہیں) ہی ہوئی ہیں۔ اگر عہد میں بھی ہندوستانیوں  
 کے لئے دو ایک بڑی رباطین بنائیں اور انتظام اچھے ہاتھوں میں رہے،  
 تو کم سے کم حایوں کی ایک جماعت کو تو بڑی سہولت حاصل ہو جائے، آبادی  
 میں ہندوستانیوں کا عنصر بالکل غائب نہیں، حاجی اور تجارت کے سلسلے میں  
 صوبہ سببی خصوصاً علاقہ راجستھان و کاشیادار کے لوگ اکثر نظر آئے، انگریزی  
 قنصل خانہ میں نیز موٹر کمپنیوں میں صوبہ پنجاب کی نمایندگی متاخر، ہمازی  
 کمپنیوں کے دفتر میں بھٹی، ہمارا، اور ادو دھو کے چہرے اور قیافے نظر پڑے

اور دوپہر ہوتے ہوتے چار درویش کے چار چنڈ یعنی پورے سولہ درویش ان کے مکان میں اکٹھا ہو گئے۔

جسٹہ ہندوستان کے شہروں کے میار سے کوئی بڑا شہر نہیں، کوئی پنڈرہ ہزار کی آبادی ہوگی، لیکن اپنی جغرافیہیت کے لحاظ سے اہمیت بہت خاصی رکھتا ہے، بازار اچھا بڑا ہے، ہر قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں، اور گرانی کچھ ایسی زائد نہیں، بلکہ ہر ملک کے چل جاتے ہیں، ہندوستان کے چاندی کے سکے بے تکلف چلتے ہیں، البتہ نکل کی ریزگاری نہیں چلتی، ہندی سکے کا تبادلہ حجازی سکے سے آسانی ہو جاتا ہے، کھانے کی دوکانیں بکثرت، اور سیٹ بھرنے کے قابل کھانا قدم قدم پر مل جاتا ہے، البتہ اچھے ہوٹل ذرا تلاش کے بعد ہی ملتے ہیں، اور ان کے نرخ کا تحمل بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں، ڈاکخانہ ہے، اسپتال ہے، ہینہ میں تین مرتبہ ہندوستان کی ڈاک نکلتی ہے، لیکن ہندوستان کے ڈاکخانوں سے یہاں کے ڈاکخانہ کو کوئی نسبت نہیں، ہر کام توکل پر چلتا ہے، صفائی کا انتظام خاطر خواہ نہیں، یہاں کی کھیاں اپنی کثرت کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہیں، عرب کی سرزمین شروع ہو چکی ہے، اس لئے گرمی کی بابت کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، برف مل جاتی ہے، اگرچہ گر ان قیمت پر پانی کی قدر جہانہ ہی سے شروع ہو جاتی ہے، اور عرب ہو چکر تو پانی کے بارے میں ہندوستان کی پڑی ہوئی مسرفانہ عادتوں کی اچھی خاصی اصلاح ہو جاتی ہے، جسٹہ میں میٹھا، یعنی سمندر کا صاف شدہ پانی تلاش سے اور خاصی گر ان

"عقل کل" اُس کا معلم ہوتا ہے ہندوستان کے لئے حکومت مجاز کی طرف سے سیکرٹری  
 بلکہ شاید ہزاروں کو تعلیم کی اجازت حاصل ہے، اور حاجی نے مکہ میں قدم رکھا اور  
 اُس کی زندگی کا ہر قدم مسلم کے حدود اختیار میں آگیا، مکہ میں قیام کا انتظام بطور  
 کا انتظام، ہستی کا انتظام، ہستی، وفات، و مزل و فتنہ میں رہنے کا انتظام، قربانی کا انتظام  
 سواری کا انتظام، غرض چھوٹی بڑی ہر شے معلم ہی کے ذریعہ سے طے پاتی  
 ہے، جدہ میں ہر علم کی طرف سے ایک نمائندہ یا ایجنٹ مقرر رہتا ہے جو یہاں کی  
 اصطلاح میں اُس کا وکیل کہلاتا ہے، اور جس طرح مکہ میں حاجی کے لئے معلم  
 ہی سب کچھ ہوتا ہے، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ یہاں جدہ میں وکیل کو حاصل  
 رہتا ہے، ہم سے ساحل پر اترتے ہی قبل اس کے کہ محصول خانہ اور جگہ گھر  
 کے مرحلے طے ہوں، دریافت کیا گیا تھا کہ تمہارا اہل کون ہے؟ اور جب جواب  
 میں عبدالقادر سکندر کا نام بتایا گیا تو ان کے وکیل جدہ صاحب بیسوی نے  
 بڑھکر ہمارے پاسپورٹ کو بلکہ خود ہم کو اپنے قبضے میں کیا، سکندر کے وکیل کا  
 نام محمود بیسوی ہے، مگر اب وہ گبرسنی کی بنا پر خانہ نشین ہو گئے ہیں، صاحب  
 بیسوی ان کے لڑکے ادعیر عمر کے ہیں، اور چونکہ ہندوستان میں عرصہ تک  
 رہ چکے ہیں، اس لئے اردو بخوبی سمجھ لیتے، اور اُلٹی سیدھی بول بھی لیتے  
 ہیں، انکا نوجوان لڑکا مصطفیٰ بیسوی کو بے تکلف ہونے سے قبل اردو بولتے  
 ہوئے شرماتا ہے، لیکن حاجیوں کا کام نکالنے اور انھیں آرام پہنچانے میں  
 اپنے والد سے کہیں بڑھکر ہے، ہم کو انھیں وکیل صاحب کے مکان میں لایا  
 گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہمارے سارے قافلہ کے لوگ بھی یہیں پہنچ گئے

پیدا، وہ لوگ نہ فارسی بول سکتے تھے، نہ انگریزی نہ اردو، نہ ہی عربی، سو عربی اور  
 یہاں آتی ہی کیا ہے اور غلط ملط، ٹوٹی پھوٹی ایک آدھ فترے بونے کی جو کوشش  
 کی جاتی، سو اسکو وہاں کے لوگ بخوبی سمجھتے اور سرے سے عربی ہی نہیں تسلیم کرتے  
 پاسپورٹ کی دیکھائی نہیں ہوتی ہے اور اس کی عملی ضرورت سارے سفر بھر میں  
 اسی موقع پر پیش آتی ہے، بہر حال تنگی خانہ کے مختلف عامل کے ساتھ حاضری دینی  
 پڑی، میرے پاس اسباب مطلق نہ تھا، صرف کٹے مین ایک عیلام پڑا تھا، اس میں چند  
 خطوط اور ہنڈیاں وغیرہ تھیں، محکمہ جنگی کے مختلف عامل اپنی ساری قوت تفتیش  
 و تحقیق انھیں کاغذات کی امٹ پلٹ میں صرف فرماتے رہے اور ادھر یہ کاغذ  
 ہوتا رہا، کہ سرخ فیتہ (RED TAPE) خواہ بھر بند کے ساحل پر ہوا یا بحر  
 کے، ہر جگہ کچھ کیساں ہی سا ہوتا ہے، چودھری صاحب کے ساتھ چونکہ کس وغیرہ  
 بھی تھے، اس لئے قدرۃ اُن بیچارہ سے باز پرس بھی زائد ہوتی رہی اور غالباً  
 کس کھلو کر دیکھے گئے، اس گیر و دار میں میں اور وہ ملحدہ بھی ہو گئے، اور میں  
 بغیر کسی رستق و رہنما کے اس اجنبی مقام میں بالکل تنہا رہ گیا، بارے پتھوڑی  
 ہی دیر کی حیرانی و گسرتگی کے بعد ہمارے وکیل کا ایک ملازم مل گیا، اور وہ وکیل صاحب  
 کے مکان تک لے آیا، فاصلہ گودو تین فرلانگ سے زائد نہ تھا، لیکن ایک تو عرب  
 کی دو پہر اور پھر مقام کی اجنبیت اس لئے سافٹ اس وقت زائد  
 محسوس ہوئی،

سفر حجاز میں جہان تک حج و تعلقات حج کا تعلق ہے، ہر حاجی کی

اخلاق سے ملے چند ہی منٹ کے بعد ایک آن سے بھی زیادہ کارآمد اور صاحب اختیار  
 افسر بشی احسان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جو عرصہ سے جدہ کے انگریزی  
 قنصل خانہ میں ہیں اور اس وقت شیعہ حجاج کے ذمہ دار افسر ہیں، انکی بابت مختلف  
 روایات و حکایات سننے میں آئی تھیں، تاہم اتنے جزو پر سب کا اتفاق تھا کہ یہ جس  
 پر مہربان ہو جاتے ہیں، اسکا کام اپنے اثر و اقتدار سے خوب نکال دیتے ہیں، آدمی  
 باخبر ہیں، اخبارات وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں، مجھ سے واقف تھے، اور بڑی خدمت  
 سے پیش آئے، بعض احباب نے ان کے نام کے تعارف نامے بھی دیدیئے تھے لیکن  
 انکی خوش اخلاقی کے بعد یہ تعارف نامے غیر ضروری تھے، ان دونوں جدید مہربانوں  
 نے صلاح یہ دی، کہ اپنی پارٹی کو مع اسباب کے سروسٹ جہاز پر چھوڑے جاؤں،  
 اور خود ان کے ساتھ انکی سرکاری کشتیوں پر چلا چلوں، بالآخر یہی طے پایا، اور  
 اپنے قافلہ کو جہاز پر چھوڑ کر زمین تن تھا قاضی عربز الدین صاحب کے ہمراہ انڈیا  
 گئے، ان کے موٹر لائچ پر سوار ہو کر ساحل کو روانہ ہوا، اسی موٹر لائچ پر ہمارے جہاز  
 کے کپتان پی ایچ، وارڈ، اور چودھری محمد علی رودلوی بھی آئے۔

ساحل پر قدم رکھتے ہی، قاضی صاحب تو رو کر وہ ازبیک طرٹ بغیر زمین  
 کوئی ہدایت دینے کپتان کو ساتھ لئے، اپنے دفتر کی طرف چلے گئے، اور ہم نووارد  
 اجنبیوں کو بالکل ہماری قسمت پر چھوڑ گئے، میں تن تھا، چودھری صاحب کیسے  
 ستورات بھی تھیں اور کچھ سامان بھی اب محکمہ بحری کے مختلف لوگوں نے ہم سے  
 سوالات شروع کئے، اور زبان کی اجنبیت کا عملاً احساس اس وقت سے شروع

ہی صبر و ضبط نفس کی تعلیم ہے یہ عین اُس گھڑی پیش آرہا ہے جس وقت دوسروں کی خدمت و اعانت ہی سب سے بڑا مقصود ہونا تھا۔۔۔۔۔ غیروں کے جو مظالم آپ پر ہوتے چلے آئے ہیں، اور اس وقت ہو رہے ہیں، اُنکا دکھڑا تو آپ بڑے درد کے لہجہ میں روتے ہیں، لیکن اُنکا ایک مرتبہ ذرا آئینہ ہاتھ میں لیکر ارشاد ہوا کہ خود آپ نے اپنے اوپر ظلم کرنے میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے جو صواباً بلکہ من مصیبتہ فہا کسبت ایدل یکم و یعفو من کثیر۔

جہاز کے رکتے ہی دو موٹر لاپنچ (دخانی کشتیاں) نمودار ہوئیں ایک میں جہازی کمپنی (ٹرنر مارین) کے کچھ عہدہ دار تھے اور دوسری میں انگریزی قنصل خانہ کے افسر، ان کے علاوہ کچھ سعودی حکومت کے نمائندے بھی تھے اڈا کڑ وغیرہ مسافروں کو اترنے کی اجازت ملنے سے قبل ان سب حضرات کو اپنے اپنے سرکاری خدمات کے ضابطے اور رسوم پورے کرتے تھے اور ان کے لئے خاصہ وقت درکار تھا، ٹرنر مارین کے دفتر میں ہمارے جوار وطن اسیدن پور ضلع بارہ ٹکی کے رہنے والے قاضی عزیز الدین صاحب ساہا سال سے کارکن اور بڑے کارگذار ہیں، انکی کارگزاریوں کے واقعات اپنے جوار کے بعض طاعیوں کی زبانی سن چکا تھا، یہ جہاز پر اپنی سرکاری ضرورتوں سے آتے ہی رہتے ہیں کپتان کے کمرے سے نکلے ہی تھے، کہ مجھ سے متعارف ہوا، پریس میں دیس کے آدمی کی شکل دیکھ کر طبیعت کو قدرۃ جو خوشی حاصل ہوتی ہے، اسکا انداز وہی کر سکتے ہیں، جنہیں خود کبھی ایسی صورت پیش آچکی ہے، بیچارہ لطف و

دو حالتیں تین سیل دوری، نویچے بجے جہاز لنگر انداز تھا، اگر کسی کی طرح جدہ میں  
جہازوں کے لئے کوئی پلیٹ فارم نہیں اور کیوں ہونے لگا تھا؟ جدہ میں آخر  
حاجیوں ہی کے جہاز تو ٹھہرتے ہیں نہ؟ اور حاجی کیوں یہ ہر مرتبہ بھول بھول  
جاتے ہیں کہ اس دورِ علم و تمدن میں انکا وجود جانوروں اور چوپایوں سے کچھ ہی  
بہتر ہے! ساتویں صدی عیسوی کے کمنہ و فرسودہ احکام و شرائط پر عمل کرنا  
آخر اس کی توقع ہی کیوں قائم کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی  
ان کے نصیب میں بیویں صدی عیسوی کی سہولتیں اور آسائشیں ممکن لگیں

جہاز کی حرکت رُکی، اور جہاز پر حرکت شروع ہوئی، پیچ پکار، غل و شور، دوڑ  
بھاگ، ظاہر ہے کہ جہاز کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہے، ٹھہرنے ہی کے واسطے رکا ہوا  
اور نہ جدہ کی زمین کہیں پھسل جا رہی ہے، لیکن اتنا صبر کس کو اور اتنے انتظار کی  
توفیق کسے؟ جہاز سے کشتیوں پر اترنے کے لئے زینے صرف دو، اور ان دو زینوں  
پر ڈیڑھ ہزار کے مجمع کا ہجوم! ہر شخص متیاب، کہ سب پہلے خود ہی اتر بیگا، اور اپنا  
اسباب اتار بیگا، یہ اسے گھسیٹ رہا ہے، وہ اسے ڈھکیل رہا ہے، یہ اسے دھکا  
دیر رہا ہے، وہ اسے کہنیاں مار رہا ہے، ملاقہ و دون اور چہرہ دستوں کی بن آئی  
ہے، باقی کمزورن اور ناتوانوں، بیماروں اور بچوں، بوڑھوں، اور بوڑھیوں  
پر جو کچھ گذر رہی ہے، اس کی بجز خدا نے علیم و بصیر، سمیع و خیر کے اور کسے خبر!  
ایک نفسی نفسی کا عالم، ہر سمت محشر اضطراب! یہ ان لوگوں کا حال ہے، جو اشیاء  
و بے نفسی کا سبق لینے کو نکلے ہیں، یہ اس سفر میں آ رہا ہے، جس کا مقصد

# باب

## جدہ

۸ اپریل، دو شنبہ، آج جدہ پہنچنے کا دن ہے، آج دلوں کے شوق منشا  
 کا کیا پوچھنا؟ اسباب کی بندش رات ہی سے شروع ہو گئی تھی، صبح سویرے سے  
 جہاز کی بالائی عرشوں پر حایوں کے پرے جھے ہوئے سب کی نگاہیں ساحل کی  
 طرف لگی ہوئی، ساحل جون جون قریب آتا جاتا ہے، پانی کا رنگ بجائے نیلے کے  
 سبز ہوتا جاتا ہے، اور بحری پہاڑیاں کثرت سے نمودار ہوتی جاتی ہیں، دن نکلنے  
 کے بعد ساحل سے ایک کشتی جہاز کی طرف آتی ہوئی نظر آئی، اس کشتی پر عرب  
 کپتان سوار ہے، اندرون ساحل جہاز کی رہنمائی بھی عرب کپتان کر گیا، لہجہ، وہ  
 کشتی جہاز سے آکر لگی، اور عرب کپتان دم بھر مین کھٹ کھٹ کرتا ہوا جہاز کے  
 سب سے بالائی حصہ میں کپتان کے پاس پہنچ گیا، اب اس وقت سے جہاز کی  
 رہنمائی کا مالک و مختار بھی عرب ہے، — شاید کارکنان قضا و قدر کو  
 بھی موزونیت اسی میں نظر آئی کہ ملک عرب میں داخلہ کے وقت رہنمائی کا  
 فرض ایک عرب رہنما ہی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، — اٹھ بیچے  
 ساڑھے آٹھ بیچے اب جدہ کی عمارتیں صاف نظر آنے لگیں، مگر شہر اب بھی



لیکن مجدد اللہ ایک مختصر گروہ آخر تک اس فریب میں نہ آیا، اور مدینہ پاک کی  
 حاضری سے ابتدا کرنے کی نیت پر قائم رہا، موجودہ حالات حجاز کی جو طلبہم ہو شراباً  
 سکندر صاحب نے سنائی شروع کی تھی، یہ اس کی پہلی حکایت تھی، آئندہ کیلئے  
 تمام عازمانِ حج کی خدمت میں بڑے اصرار کے ساتھ گزارش ہو، کہ اپنے مملوکوں  
 کی صداقت و دیانت کے متعلق زیادہ حسن ظن ہرگز نہ قائم فرمایا کریں، اور انکی  
 بہم پہونچائی ہوئی اطلاعات کی تحقیق دوسرے ذرائع سے ضرور کر لیا کریں،



کی بابت منقول ہو کہ آپ حج کے ساتھ نہننا و طبعاً مدینہ منورہ کی زیارت نمازین  
ادب اور اپنے لئے ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ اس کے لئے ایک مستقل سفر، تازہ احرام کیسے  
اختیار فرماتے تھے، خیر یہ تو بڑے مرتبہ کے لوگوں کی باتیں ہیں، لیکن اگر کسی سنی  
کو وہیں سے سفر حج اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہو، جہان سے اُس کے رسول  
برحقؐ نے کیا تھا، اور اسی مقام سے احرام حج باندھنے کی دولت نصیب ہو جائے  
جہان سے خود مرشدِ عظیمؑ نے باندھا تھا، تو اس میں شریعت و طریقت، ظاہر و باطن  
حقیقت و حیلیت، کسی کو کچھ گفتگو کی گنجائش ہے؟ اور اگر کسی کو ہو بھی، تو بہر حال  
اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا مسلک ہے،

معلون کی ایک خاصی جماعت (عداان پر رحم فرمائے اور انھیں راہِ ہدایت  
دکھائے) جو بسببی سے جہاز پر ہمراہ ہو گئی تھی، اس نے کامران سے غل بچا یا سر  
کر دیا کہ جبدہ سے کسی کو براہ راست مدینہ منورہ جانے کے لئے سواری نہ لگنی  
اور سودی حکومت نے براہ راست مدینہ کا سفر حایوں کے لئے بند کر رکھا ہے،  
اس لئے سب کو مکہ کے قصد سے یسلم ہی میں احرام باندھ لینا چاہئے، اس  
جماعت میں سب سے پیش پیش خود ہمارے معلم عبدالقادر سکندر تھے، جو شاید  
کسی زمانہ میں عرب یا ترک رہے ہوں، مگر اب تو سالہا سال سے لکھنؤ ہی  
ہی ہیں اور بسببی سے جہاز پر ہمراہ تھے، بہت سے نیکدل و سادہ مزاج  
اجاب جو اپنے ہی ظرف پر معلون کو بھی قیاس فرما رہے تھے، دھوکے میں  
آگئے اور معلون کے ہنگامہ سے متاثر ہو کر جہاز پر سب کے ساتھ احرام بند ہو گئے

ہیں، مبارک ترین وہ جو زندگی میں اپنے نفسوں کو مردہ کر چکے ہیں، آج انکا لباس ہی مردوں کا لباس نہیں انکا نفس بھی مردوں کا نفس بن چکا ہے، لَا تَهْتَفُتْ وَلَا تَفُوتْ وَلَا يَجِدَ الْإِنْفِ الْجُ، لڑنا جھگڑنا، شہوتوں اور خواہشوں میں مبتلا ہونا، زندگی کا کام ہے، مردوں کو بھی کسی نے سرفشت اور فسوق اور جہد ال میں مبتلا رکھا ہے؟

لَبَيْتُ اللَّهُمَّ لَبَيْتُ لَا تَهْتَفُتْ لَكَ لَبَيْتُ، ان الحمد لله النعمة لك والملائكة  
 لَا تَهْتَفُتْ لَكَ لَبَيْتُ، الحق لَبَيْتُ لَبَيْتُ وَسَعْدَيْتُ وَالْخَيْرُ يَدَيْتُ، نماز کے بعد صدائین ہیں تو یہی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، چڑھتے اترتے ایک دوسرے سے ملے جلتے، صاحب سلامت کرتے صدائین ہیں تو یہی، ملائکہ کو اگر رنگ کا موقع ہو سکتا ہے، تو یہی، آج حاجیوں سے بڑھ کر خوشی کس کو ہو سکتی ہے؟ جس محبوب کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، دوست چھوڑے، عزیز چھوڑے سفر کی ساری کریمیاں بھیلیں، اس کے شہر کا پہنچا، گھر لکھ گیا، داخلہ کی اجازت مل گئی، حاجیوں سے زیادہ خوش نصیب آج کون ہو گا؟ اور ان سے زیادہ خوش اس وقت کس کو ہو گی؟ ڈیڑھ ہزار حاجیوں میں سے تقریباً سب سب احرام پوش ہو گئے، البتہ دیوانوں کی ایک مختصر جماعت ایسی تھی، جس نے اس وقت احرام نہیں باندھا، اس جماعت کا ایک خادم گھر سے ہی نبت کیونکر نکلا تھا، کہ جدہ پہنچ کر پہلے میدھے آستانہ بنوئی پر حاضری دیجائیگی، اور پھر وہاں سے انشاء اللہ حج بیت اللہ کی نیت کی جائے گی، حضرت یازید بٹھا می

دربار کی سرحدیں شروع ہو گئیں، اب نہ کوئی بڑا ہی نہ کوئی چھوٹا نہ کوئی امیر نہ کوئی  
 وزیر نہ کوئی حاکم ہی نہ کوئی عالم، نہ کوئی خان بہادر ہی نہ کوئی لیڈر، سارے  
 کے سارے غلام ہیں، اور سب کے سب کیس اور بے بس بندے! اب نہ ہیٹ ہی نہ  
 گکڑھی، نہ عمامہ ہی نہ شلہ، نہ ترکی ٹوپی ہے، نہ گاندھی کیپ، نہ قمیص ہے، نہ عبا، نہ  
 کوٹ ہے، نہ شیروانی، نہ کالر ہے، نہ ٹائی، نہ تپلون ہی نہ پاجامہ، سب کی زبانوں  
 پر ایک لہیک کے ترانے ہیں، اور سب کے جموں پر بے سلی ہوئی دو دو چادر ہیں  
 یہ والٹر رائے کا دربار نہیں، لاٹ صاحب کا ڈز نہیں، ہائیکورٹ کی عدالت نہیں  
 یہاں نہ ایوننگ ڈریس کی ضرورت، نہ گاؤن کی حاجت نہ پاتابہ اور دستانہ  
 کی احتیاج! یہ اللہ کے دربار کی حاضری ہے، یہ اُس قدرت اور حکومت والے  
 اُس عزت اور جلالت والے کے دربار کی حاضری ہے، جو کلکٹر صاحب اور  
 کمشنر صاحب، جج صاحب اور ڈاکٹر صاحب، لاٹ صاحب، اور برٹے لاٹ صاحب  
 قیصر چرمنی اور شاہ برطانیہ، فرانس کے وزیر اعظم اور جمہوریہ امریکہ کے صدر اعلیٰ  
 کے سولہ مہینے اور انگلستان کے لائڈ جارج، مصطفیٰ کمال، اور جواہر لال، سب  
 کی جانوں اور سب کی زندگیوں کا یکساں مالک ہے، اس دربار کی وردی  
 سب انوکھی، سب زالی، سب الگ ہے، یہاں قدر زین کلاہوں کی نہیں  
 یہاں عزت رنگین قباؤں کی نہیں، یہاں طلب صرف کفن پوشوں کی ہے!  
 — اُن کی جو جیتے جی مُردوں کا لباس پہن چکے ہیں، ان کی جو اس لباس  
 کی یاد تازہ کئے ہوئے ہیں جس کے زیب تن کرنے کے بعد پھر قطعاً کوئی دنیوی  
 لباس جسم کو مس نہ کر سکے گا، مبارک ہیں وہ جو زندگی میں موت کا لباس پہن

اجلی چادرین نکالی جا رہی ہیں، نقل نمازین پڑھی جا رہی ہیں، جہاز پر بہت سے  
 معلم یا اُن کے ایجنٹ میسجی ہی سے ہمراہ ہوئے ہیں، سب اپنے اپنے حاجیوں کی ٹولیاں  
 بنائے ہوئے، انہیں احرام باندھنے کی نیت تلقین کر رہے ہیں، احرام بندھوا رہے ہیں  
 لیجئے، وہ پہر تک سب کے احرام بندھ گئے، سب کے اپنے ہاتھوں منہی خوشی گویا  
 کفن پوش ہو گئے، دل مسرت سے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں، ایک دوسرے  
 کو مبارکبادین دی جا رہی ہیں، اور ہر طرف سے "لیبت نہ لیبت کی صدائیں بلند  
 ہونی شروع ہو گئی ہیں؛

آپ نے دیکھا؟ دیکھتے ہی دیکھتے، پوش و لباس کے سارے امتیازات  
 مٹ گئے، اسنے چلے آئے ہیں، کہ انٹاسٹ بالباس انسان اپنی پوشاک سے پہچانا  
 جاتا ہے، اور اُس کے مرتبہ کا اندازہ اُس کے لباس سے لگایا جاتا ہے، لیکن کج  
 اس قاعدہ پر عمل کیونکر ہو گا؟ آج کس لباس سے خادم کو محدوم پہچانا جائیگا،  
 اور کس پوشاک سے غلام کو آقا سے الگ کیا جائیگا؟ ابھی کل تک اس وسیع  
 آبادی میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی، امیر بھی اور فقیر بھی، امیر بھی اور  
 مزدور بھی، خوشحال بھی اور مفلس بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، نامود بھی، اور  
 گنہگار بھی، تعلقدار بھی اور رعایا بھی، مجسٹریٹ بھی اور چیرا می بھی، پر آج کس کو کس  
 سے شناخت کیا جائیگا؟ سب سے بڑے ہماراجہ کی راجدھانی  
 کے حدود شروع ہو گئے، اب نہ کوئی راجہ ہے نہ کوئی ٹھاکر، سب کے سب اسی کی  
 پر جاہل کے کل اُسی کے چاکر، سارے کے سارے اُسی کی رعایا ہیں، بالکے

ڈاکٹروں کے زیر ہدایت و نگرانی جو بد پرہیزان کرائی گئی تھیں، انکا اثر ظاہر ہونا تو کامران ہی سے شروع ہو گیا تھا، اب پوری طرح نمودار ہو گیا، کسی کو کھانسی کسی کو حرارت، کتھنوں کو زکام، اور کتنے اچھے خاصے تیز بخار میں پڑ گئے، لکھنؤ کی ایک بیوی کو جو پہلے سے بھی کسی قدر علیل تھیں، اتنا تیز بخار چڑھا، کہ چند روز کے بعد انکی جان ہی لیکر اتر آنا، اللہ، مولوی عبدالباری پچارے کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، غرض جس کسی کو دیکھئے، کامران کی یادگار کوئی نہ کوئی بیماری لئے ہوئے، یہ نتیجہ ہر سرکاری اہتمام صحت کا! یہ ثمرہ ہر حاجیوں کے ساتھ سرکار کی ہمدردی و غمخواری کا! کامران کے قریب کا سمندر بھی کسی قدر پُرشور ہے، اس لئے اب جو جہاز چلا، تو آہین حرکت بھی زیادہ محسوس ہونے لگی، اور بہت سے لوگ دورانِ سیر اور تلی میں مبتلا ہو گئے، لیکن مجددِ ثد یہ شکایت بہت زائد بڑھنے نہیں پائی، اور رات تک از خود سکون ہو گیا،

۶ اپریل (۶ شوال، یکشنبہ، آج جہازِ ملیم کے سامنے سے گزرنے والا ہے، جو اہل ہند کامیقات ہے، میقات اُس مقام کو کہتے ہیں، جہاں سے عازمانِ حج اپنا معمولی لباس اتار کر احرام باندھتے ہیں، جہازِ حبِ ملیم کے مقابل آجاتا ہے، تو حاجیوں کی اطلاع کے لئے زور سے سیٹی دیدی جاتی ہے، آج حاجیوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے، جہازِ ملیم کے سامنے تو کہیں پانچ بجے سہ پہر کو پہنچے گا، اور جہاز کی سیٹی اسی وقت ہوگی، لیکن حاجیوں میں چہل پہل صبح ہی سے شروع ہو گئی ہے، عجائباتِ نبوائی جارہی ہیں، غسل کئے جا رہے ہیں، خوشی خوشی احرام کی نئی نئی

جب ڈیڑھ دو ہزار انسانوں کا مجمع، حسین بدتمذیب اور گنوار مرد بھی شامل ہوئے  
 ہیں، اور پرودہ نشین شریف خاندانوں کی زیادہ اور شرمیلی بہو بیٹیاں بھی، لوٹا ہاتھ  
 میں لئے ہوئے ان چند پادشاہوں پر حملہ آور ہوتا ہے، تو اس وقت کی کشمکش اور حق پیش  
 دیکھنے کے لائق ہوتی ہے! — لیکن اس کی شکایت ہی کیا، اور اس کا نگوہ  
 کیوں؟ یہ کیپ آخر حایون ہی کا کیپ ہوتا ہے، اور حاجی غریب کسی باجوہی  
 حکومت سے راحت و آسائش کی توقع ہی کیوں رکھے؟ اس کا کام توئی کس  
 صنف کے حساب سے قرظیہ کامران کی فیس دیدینا ہے، اور بس راحت و آسائش  
 ہی کا اگر خیال ہے، تو اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ میں سچ و عمر، طوائف و  
 مسی، زیارت و عبادت کے لئے سفر ہی کیوں اختیار کیا جائے؟  
 جسکو ہو دین و دل عزیزا کی گلی میں جا کیوں!

کیپ کا وسیع احاطہ لوہے کے تاروں سے گھرا ہے، جس کے باہر قدم رکھنا ممکن  
 نہیں، کامران میں انگریزی ڈاکخانہ بھی ہے، بہت سے لوگوں نے خطوط لکھ کر  
 وطن روانہ کئے، شب بھین بسر کی ۶ اپریل کی صبح کو اس "قید فرنگ" سے نہ ہی  
 قرظیہ فرنگ سے نکلنے کی اجازت ملی، اور خاص عنایت و اہتمام سے کام لیکر  
 سب سے پہلی کشتی ہماری ہی ٹکڑی کو دلائی گئی، سب مسافروں کے جہاز نمک پہنچے  
 میں کوئی چار گھنٹے لگے ہوں گے، دس بجے کے قریب جہاز نے لنگر اٹھا دیا،  
 اور روانہ ہوا!

کامران کی بے احتیاطیاں، اب رنگ لائیں، سرکاری غفلت نے میں ہر فن

کا برتاؤ تمام جابیون کیساتھ پھار کھینے میں آیا ڈاکٹر، فقیر اللہ بھی پہلے آدمی معلوم ہوئے، جزیرہ کا بڑا حاکم برٹش ملٹری ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہے، اس وقت جو حاکم ہے، اس کا نام اسی ویکم ہے، فوجی کپتان کا عہدہ رکھتا ہے، خلیق اور خوش مزاج ہے، بن غسل کر کے بھیگی لنگی باندھے ہوئے ابھی جامہ خانہ میں کھڑا اپنے کپڑے تلاش کر رہا تھا، کہ ایک انگریز کو میں نے اپنے پاس کھڑا ہوا پایا، جو اردو میں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ بس اچھا ہے؟ "ڈاکٹر چوہان بھی پاس ہی ٹھل رہے تھے، انھوں نے بتایا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں، اس کے بعد انگریزی میں باتیں ہونے لگیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بہت دیر تک جاری رہیں، بڑی بے تکلفی سے سیاسیات حاضرہ سے لیکر اپنے بیوی بچوں تک ہر مسئلہ کو اپنا موضوع گفتگو رکھا، علی برادران کا بھی ذکر آیا، اور بڑے بھائی "خدا معلوم اس خبر کو کس دل سے سنیں گے، کہ جتنی دیر تک ان کا ذکر خیر رہا، اس سے کہیں زیادہ دیر تک "چھوٹے بھائی" اور ان کے اخبار ہمدرد کا رہا!

کیمپ میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے، جمعہ کی نماز اسی میں پڑھی، عرب کی سرزمین پر یہ پہلی نماز اور پہلا جمعہ نصیب ہوا، سہ پہر تک کیمپ کے "بازار" میں سناٹا تھا، یعنی بجز خشک روٹی اور چائے کے کوئی شے نہیں ملتی تھی، شام سے کچھ قبل کچا گوشت فروخت ہونے لگا، جو قیمت میں خاصا گراں تھا، اور جے پکا ناصر بن نہیں لوگوں کے لئے ممکن تھا، جو پکانے کا پورا سامان اپنے ہمراہ لیکر جہاز سے اترے تھے، کیمپ کے ایک گوشہ میں پانچ یا چھ پاخانے بنے ہوئے ہیں، صبح کے وقت



## باب (۶)

### کامران احرام

کامران کی مستقل نفوت کے تذکرہ کو کمان تک پھیلا یا جائے، جو کچھ بھی پیش آتا ہے، بہ ارادہ الہی کسی منسلک و ملکیت ہی کی بنا پر پیش آتا ہے، صبر کے سوا چارہ نہیں، شکر سے بہتر مدد انہیں، لیکن یہ جو کچھ لکھا گیا ہے، آپ جی یہاں بھی ہنر کی دوسری منزلوں کی طرح، نسبت بڑے منے کی رہی، ادھر ہماری کشتی کنائے سے لگی، ادھر اسی لمحہ ڈاکٹر کی سرکاری سوڑ لاپنج بھی پہنچی، اور ساحل پر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر قاسم چوہان سے تعارف ہوا، یہ چیف میڈیکل آفیسر کہلاتے ہیں، اور بین کے سیاہ و سپید کے مالک ہیں، ان کے اوصاف حمیدہ حیدر آباد کے بعض دوستوں سے خوب سُن چکا تھا، تاہم میرے ساتھ قوفی ابلہ مہربانی ہی سے پیش آتے رہے، دوسروں کو صرف ایک لنگی ملتی تھی، مجھے دو لنگیاں عنایت فرمائیں، دوسروں کو غسل کے لئے پون پون گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا ہے، میرے لئے جلدی کرا دی، دوسروں کو چھروں کے نیچے رہنا ہوتا ہے، مجھے تختہ بارک مین بلا کر یہ رہنے دیا، ان ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں دوستانہ گزارش ہے کہ اگر اپنے وسیع اختیار است کے اظہار میں کسی فرماوین تو خود انھیں کے حق میں بہتر ہو گا، ان کے ماتحتوں میں ڈاکٹر حاجی خا

مقصود نہیں، بلکہ یہ نفوس کے تزکیہ اور تجلیہ کے لئے ایک مجاہدہ عظیم ہے، پہلا قرظینہ  
 بہ ارادہ الہی اس لئے قائم ہے کہ دلوں پر جو ظلمت اور کدورت چھائی ہوئی ہے، وہ بیان کے  
 آلام جسمانی و روحانی سے ان کا تعین ہو جائے، کامران کا قرظینہ اس غرض سے ہے کہ بیان  
 کے قیام سے عرب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے، اور حصول برکات کی قابلیت حاصل  
 ہو جائے، اس کا نام تجلیہ ہے، حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے غالی نہیں ہوتا، جو کچھ  
 ان بزرگ نے فرمایا، وہ بالکل صحیح ہے، جسم کی بیماریاں دور ہوتی ہوں یا نہ ہوں  
 بدن کی کٹافتن دھلتی ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس عیب قرظینہ اور عجیب تر غسل  
 سے ہر حاجی کو اضطراب ایک مجاہدہ عظیم پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے، بہت سے گناہوں کا  
 کفارہ ہو جاتا ہے، اور روح آلائشوں سے یقیناً بہت کچھ پاک ہو جاتی ہے،



بدتمیزی بھی ان کے ساتھ بے تکلف روا رکھی جاتی ہے، چنانچہ ہمارے قافلہ کی صفی  
 عورتیں غسل خانہ سے نکلیں، سب نہایت برہم و نالان، گویا روتی ہوئی نکلیں  
 وہ تو کہنے لگے کہ حج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے  
 کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پروا ہی نہیں رہتی، اور نہ اگر کوئی دوسرا  
 موقع ہو، تو ہمارے ہاں کی بے زبان عورتیں بھی اس بڑاؤ پر اتنی بے زبان اور  
 اس قدر بے وس و پائانت نہ ہوں! — سنا ہے کہ اسمبلی کے بعض مسلمان ممبروں  
 کی تحریک پر جج کیٹی، حاجیوں کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لئے قائم ہوئی  
 ہے، امید ہے کہ اس کیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کامران سے متعلق اپنے ذاتی  
 تجربات تفصیل سے بیان کریں گے، اور اسکی لغویتوں کے مٹانے میں جدوجہد  
 کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے،

لیکن کسی تکلیف، اور کہاں کی مصیبت! ایک اہل دل دت ہوئی ہندوستان سے  
 سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، بیٹی اور کامران دونوں جگہ قرنطینہ کی بلا میں پھنس گئے  
 اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات و مجاہدات کے خوگر تھے، تاہم انھیں کٹنا  
 کہ یہ قرنطینہ حاجیوں کیلئے سخت قید خانے ہیں، جب لوگوں نے یہاں کی قیدیں زیادہ  
 بیان کرنا شروع کیں، تو انھوں نے فرمایا کہ تیمان سفر حج سے ملکوں کا سیر و تماشہ

لے کر آئے، آخر میں حج کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے سوز و غما میں بیٹھ کر قرنطینہ کیمران  
 کی شدید و زوردار مخالفت کی، اس مقدمہ کے لئے احتجاج کا نتیجہ اس قدر تو بہر حال ظاہر ہوا کہ اس لئے عربیوں  
 کے ہر جہاز کے لئے یہاں کا قرنطینہ لازمی نہیں رہا، بلکہ صرف حسب ضرورت رکھ دیا گیا، نیز نگہ صاحب  
 (انبار) کی کوششیں اس باب میں خاص شکر یہ کی مستحق ہیں،

کی جوگت اس وقت بنی ہوتی ہے، ذرا اس کا تصور کیجئے! اور اپنی شفیق دہربان  
 "سرکار" کو دل سے دعائیں دیکھئے! پانچ پانچ دس دس منٹ اس تلاشی میں  
 لگاتے ہیں، اور اس کے بعد اگر سب کپڑے، بغیر کھوئے ہوئے مل بھی گئے، تو انہیں  
 بھگے ہوئے کپڑوں کو بھگے ہوئے جسم پر پہنکر، تھوڑا اور دھوپ میں حاجیوں کو  
 اپنے اپنے خس پوش بار کون میں جانا پڑتا ہے، جو قریب سے قریب بھی نصرت فرلا  
 کے فاصلہ پر ہیں، اور نہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر اقرظیہ جہان کہیں پیاری  
 بھگانے کے لئے ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، کامران میں حاجیوں کے لئے تو یقیناً پیاری  
 بھگانے کی نہیں پیاری بلانے کی پوری کوشش ہوتی ہے، اور یہ سکر ذرا بھی  
 حیرت نہ کیجئے، کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہے! چنانچہ ہمارے جہاز کے حاجی  
 دوچار نہیں، خدا معلوم کتنے کامران سے واپس آتے ہی بیمار پڑے، ایک صاحب  
 کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار پڑھا، کہ ان کی جان  
 ہی لیکر اتر آ، اور نزلہ، زکام، و حرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہوا!

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غلخانہ کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہے، اصلی  
 یہودی زنانہ غلخانہ کے لئے اٹھ رہتی ہے، یہاں نہلانے والیاں شاید خاص  
 طور پر اپنی ہییب صورتوں اور ہییب ترسیرتوں کی بنا پر انتخاب کر کے رکھی گئی  
 ہیں، ان کے ہاتھوں شریف و حیا دار خاتونوں پر جو کچھ گزرتی ہے، اسکا تذکرہ  
 اخبارات کے صفحات پر لانا آسان نہیں، نہلاتے وقت یہی نہیں کہ انکے جذبات  
 حیا و شرافت کی مطلق کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ ہر قسم کی سختی، درشتی، اور

بد تہذیبی بھی ان کے ساتھ بے تکلف روادھی جاتی ہو، چنانچہ ہمارے قافلہ کی صحت پر  
عورتیں غسل خانہ سے نکلیں، سب نہایت برہم و نالان، گویا روتی ہوئی نکلیں،  
وہ تو کہیں کہ حج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے  
کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پروا ہی نہیں رہتی اور نہ اگر کوئی دوسرا  
موقع ہو، تو ہمارے ہاں کی بے زبان عورتیں بھی اس بڑاؤ پر اتنی بے زبان نہ ہوں  
اس قدر بے دست و پائانت نہ ہوں! — سنا ہے کہ اسماعیلی کے بعض مسلمان مہاجرین  
کی تحریک پر حج کی کمیٹی، حاجیوں کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لئے قائم ہوئی  
ہے، امید ہے کہ اس کمیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کا مران سے متعلق اپنے ذاتی  
تجربات تفصیل سے بیان کریں گے، اور ان کی لغویتوں کے مٹانے میں جدوجہد  
کا کوئی دقیقہ اٹھانا نہ رکھیں گے،

لیکن کسی تکلیف اور کھان کی مصیبت ایک اہل دل مدت ہوئی ہندوستان سے  
سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، ہمیں اور کامران دونوں جگہ قریظینہ کی بلا میں مبتلا ہیں  
اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات و مجاہدات کے خوگر تھے، تاہم انہیں کتنا  
کہ یہ قریظینہ حاجیوں کیلئے سخت قید خانے ہیں جب لوگوں نے یہاں کی دین زیادہ  
بیان کرنا شروع کیں، تو انہوں نے فرمایا کہ تیرا سفر حج سے ملکوں کا سیر و تماشہ

لے کر آئے، آخر میں حج کی تھکائی کمیٹی کے سامنے معزز حاجیوں نے اپنی اپنی سنا کر قریظینہ کمران  
کی شدید و بزدور مخالفت کا اس متحدہ مسئلے احتجاج کا نتیجہ اس قدر تو ہر حال ظاہر ہوا کہ مسئلہ عسکریوں  
کے ہر حجاز کے لئے یہاں کا قریظینہ لازمی نہیں رہا، بلکہ صرف حسب ضرورت رکھا گیا، نیز رنگ صاحب  
(انبار) کی کوششیں اس باب میں خاص شکریہ کی مستحق ہیں،

کی جوگت اس وقت بنی ہوتی ہے، ذرا اس کا تصور کیجئے اور اپنی شفیق و مہربان  
 "سکرکار" کو دل سے دعائیں دیکھئے! پانچ پانچ دس دس منٹ اس تلاش میں  
 لگاتے ہیں، اور اس کے بعد اگر سب کپڑے، بغیر کھوئے ہوئے مل بھی گئے، تو انہیں  
 بھینگے ہوئے کپڑوں کو بھینگے ہوئے جسم پر پہنکر، ہوا اور دھوپ میں جلیون کو  
 اپنے اپنے خش پوش بار کون میں جانا پڑتا ہے، جو قریب سے قریب بھی نصرت فرلا  
 کے فاصلہ پر ہیں، ورنہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر اقرطنیہ جہان کہیں پیاری  
 بھگانے کے لئے ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، کامران میں جلیون کے لئے تو یقیناً پیاری  
 بھگانے کی نہیں پیاری بلانے کی پوری کوشش ہوتی ہے، اور یہ سکر ذرا بھی  
 حیرت نہ کیجئے، کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہے! چنانچہ ہمارے جہاز کے حاجی  
 دوچار نہیں، خدا معلوم کتنے کامران سے واپس آتے ہی پیار پڑے ایک صاحب  
 کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار چڑھا، کہ ان کی جان  
 ہی لیکر اتر آ، اور نزلہ، زکام، و حرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہوا۔

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غفلت کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہے، اصلی  
 ہیود کی زنانہ غفلت کے لئے اٹھ رہتی ہے، یہاں نہلانے والیاں شاید خاص  
 طور پر اپنی ہییب صورتوں اور ہییب ترسیرتوں کی بنا پر انتخاب کر کے رکھی گئی  
 ہیں، ان کے ہاتھوں شریف و حیا دار خاتونوں پر جو کچھ گزرتی ہے، اسکا تذکرہ  
 اخبارات کے صفحات پر لانا آسان نہیں، نہلاتے وقت ہی نہیں کہ انکے جذبات  
 حیا و شرافت کی مطلق کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ ہر قسم کی سختی، درشتی، اور

بد تہذیبی بھی ان کے ساتھ بے تکلف رفتار کی جاتی ہے، چنانچہ ہمارے قافلہ کی کتنی عورتیں غسل خانہ سے نکلیں، بہت نہایت برہم و آلاان، گویا روتی ہوئی نکلیں وہ تو کہیں کہ جج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پروا ہی نہیں رہتی، ورنہ اگر کوئی دوسرا موقع ہو، تو ہمارے ہاں کی بے زبان عورتیں بھی اس برتاؤ پر اتنی بے زبان و اس قدر بے دست و پائانت نہ ہوں! — سنا ہے کہ اسمبلی کے بعض مسلمان ممبروں کی تحریک پر جج کیٹی، حاجیوں کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لئے قائم ہوئی ہے، امید ہے کہ اس کیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کا مرآن سے متعلق اپنے ذاتی تجربات تفصیل سے بیان کریں گے، اور اس کی لغویوں کے مٹانے میں جدوجہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے،

لیکن کسی تکلیف اور کمان کی مصیبت ایک اہل دل مت ہولی ہندوستان سے سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، بیٹھی اور کامران دونوں جگہ قرظینہ کی بلائیں میں آئیں اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات و مجاہدات کے خوگر تھے، تاہم انھیں کتنا کہ یہ قرظینے حاجیوں کیلئے سخت قید خانے ہیں جب لوگوں نے یہاں کی دقتیں زیادہ بیان کرنا شروع کیں، تو انھوں نے فرمایا کہ تیمان سفر حج سے ملکوں کا سیر و تماشہ

۱۹۷۲ء کے آخر میں حج کی حقیقت کی کمی کے سامنے موزع حاجیوں نے اپنی آپ بیتی سناتا کر قرظینہ مرآن کی شدید و پرزور مخالفت کی اس متحدہ مدلے احتجاج کا نتیجہ اس قدر تو ہر حال ظاہر ہوا کہ سترہ طے حجون کے ہر حجاز کے لئے یہاں کا قرظینہ لازمی نہیں رہا، بلکہ صرف ضرورت رکھ دیا گیا میر ترنگ صاحب (انبالہ) کی کوششیں اس باب میں خاص شکر یہ کی سخی ہیں،

کی جوگت اس وقت بنی ہوتی ہے، ذرا اس کا تصور کیجئے! اور اپنی شفیقہ مہربان  
 ”سرکار“ کو دل سے دعائیں دیجئے! پانچ پانچ اس دس منٹ اس تلاشی میں  
 لگاتے ہیں، اور اس کے بعد اگر سب کپڑے، بغیر کھوئے ہوئے مل بھی گئے، تو انہیں  
 بھیکے ہوئے کپڑوں کو بھیکے ہوئے جسم پر پہنکر، ہوا اور دھوپ میں حاجیوں کو  
 اپنے اپنے خس پوش بار کون میں جانا پڑتا ہے، جو قریب سے قریب بھی نصف فرلانگ  
 کے فاصلہ پر ہیں، ورنہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر افرطنیہ جہان کہیں بیماری  
 بھگانے کے لئے ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، کامران میں حاجیوں کے لئے تو یقیناً بیماری  
 بھگانے کی نہیں بیماری بلانے کی پوری کوشش ہوتی ہے، اور یہ سنکر ذرا بھی  
 حیرت نہ کیجئے، کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہے! چنانچہ ہمارے جہاز کے حاجی  
 دوچار نہیں، خدا معلوم کتنے کامران سے واپس آتے ہی بیمار پڑے، ایک صاحب  
 کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار چڑھا، کہ ان کی جان  
 ہی لیکر اتر آ، اور نزلہ، زکام، و حرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہوا!

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غفلت کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہے، اصلی  
 ہیود کی زنانہ غفلت کے لئے اٹھ رہتی ہے، یہاں نہلانے والیاں شاید خاص  
 طور پر اپنی مہیب صورتوں اور مہیب ترسیرتوں کی بنا پر انتخاب کر کے رکھی گئی  
 ہیں، ان کے ہاتھوں شریف و حیا دار خاتونوں پر جو کچھ گزرتی ہے، اسکا تذکرہ  
 اخبارات کے صفحات پر لانا آسان نہیں، نہلاتے وقت یہی نہیں کہ انکے جذبات  
 حیا و شرافت کی مطلق کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ ہر قسم کی سختی، درشتی، اور



غسل کے منابعد دوسرے کمرہ (جامہ خانہ) میں لاکر کھلی کے نکلے کھول دیئے جاتے ہیں اور نہائے ہوئے حاجیوں کے بھیگے ہوئے اور تر تر جسم کو جس کے خشک کرنے کیلئے کسی حاجی کے پاس قطعاً کوئی کپڑا نہیں ہوتا، نکلے کی ہوا سے خشک کیا جاتا ہے اور اکثر حاجیوں کو چونکہ دوسری لنگی نصیب نہیں ہوتی اس لئے اس حالت میں وہی بھیگی ہوئی لنگی ان کے جسم سے بدستور لپٹی ہوئی رہتی ہے۔

اس کا نام اہتمام صحت ہے ایہ سرکار کی طرف سے حاجیوں کی جان اور زندگی کے رکھ رکھاؤ کا انتظام ہے ایہ اونچی اونچی تنخواہیں اور الاؤنس پانے والے ہندوستان اور یورپ کی ڈگریاں رکھنے والے حاذق ڈاکٹروں کے اہتمام و نگرانی میں طریقہ غسل ہے لیکن اب بھی پڑھنے والے کے سامنے غسل کا پورا نقشہ نہیں آیا، جامہ خانہ میں آنے کے بعد جامہ تلاشی شروع ہوتی ہے، یعنی حاجیوں کے جسم سے قبل غسل جو سارے کپڑے اتروالے گئے تھے، اور اترا کر اس ٹوٹی کے میسوں دوسرے حاجیوں کے کپڑوں کے ساتھ بھارے میں ڈال دیئے گئے تھے، وہ اب ایک بڑے گھر میں بھیگے بھاگے سارے دوسرے کپڑوں کے ساتھ خلط ملط لائے جاتے ہیں، اور ہر حاجی اس انبار میں سے اپنے کپڑے تلاش کرنا شروع کرتا ہے، سرکار کا جامہ خانہ اس وقت اچھا خاصہ دھوبی خانہ معلوم ہوتا ہے، (خدا نہ کرے کوئی دھوبی اتنا چھوڑا سلیقہ اور تکلیف دہ ہو) گیلے اور تر تر کپڑوں کا ایک آرٹھ سامنے ہوتا ہے، اور بھیگے ہوئے تر تر جسم پر بھیگی تر تر لنگیاں باندھے ہوئے، حاجی نکلے کی ٹھنڈک میں اپنے اپنے کپڑوں کی تلاش میں مصروف کپڑوں کی جگت بجاتی ہے اسے چھوڑے، خود اس کو

جس مقام پر جہاز لنگر انداز ہوتا ہے، وہاں سے ساحل میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے، اتنی مسافت کشتی پر ملے کرنی ہوتی ہے، جہاں کشتی رکھتی ہے، وہاں سے مقام غسل تک بھی دو تین فرلانگ کا فاصلہ ہے، چنانچہ ہم لوگ بھی اتارے اور پہونچائے گئے، کامران، گویا حاجیوں کا غسل خانہ ہے، غسل عموماً تفریح و انبساط کا ذریعہ ہوتا ہے، مگر یہ سرکاری غسل جو بڑے بڑے ڈاکٹروں کی نگرانی و اہتمام میں دیا جاتا ہے، بجائے لطف و تفریح کے، انقباض و تکلیف کا ایک آلہ ہوتا ہے، حاجی اپنے اپنے سامان کا بیشتر حصہ جہاز ہی پر چھوڑ آتے ہیں، صرف مختصر سامان لے لے کر اترتے ہیں، سب سے پہلے انھیں غسل خانہ کے برآمدہ میں لا کر بٹھایا جاتا ہے، اور جس وقت انکی ٹولی کی باری آتی ہے، ایک بڑے کمرے کے اندر ان سب کو داخل کر کے ان کے سارے کپڑے اتروا کر ایک مختصر لنگی، جو ناف سے گھٹنے تک شاید ہی پہونچ سکتی ہو، باندھنے کو غایت ہوتی ہے، اسی کو نہاتے وقت باندھنا، اسی کو نہانے کے بعد باندھ رہنا، اسی سے بھیگا ہوا جسم خشک کرنا، یہ ساری عز ورتیں ماہرین فن اطباء سرکاری کے نزدیک اسی "چار کو کپڑے" سے پوری ہو سکتی ہیں، جن قوموں کے دماغ سرے سے سر پوشی کے مفہوم ہی سے نا آشنا ہیں اور جن کے ہاں علانیہ سبکے سامنے برہنہ غسل کرنے کا رواج ہے، وہ اگر مشرقی و اسلامی جذبات کا اتنا بھی سحاظ کر لیتی ہیں تو یہ انکا غایت کرم اگر نہیں تو اور کیا ہے؟ (جن خوش نصیبوں کے ساتھ میری طرح خاص رعایت و نوازش مد نظر ہوتی ہے، انھیں بجائے ایک کے دو لنگیان عنایت فرما دیجاتی ہیں!) یہ لنگوٹی جسم پر لپٹوانے کے بعد سب کے سروں پر حمام کی ٹونٹیاں کھول دی جاتی ہیں، اور سب کو دو دو بار (ایک بار دواؤں کے پانی سے اور ایک بار سادہ سرد پانی سے) نہلایا جاتا ہے، اس ٹھنڈے

اور محفوظ اور مفلوج کرے لیکن یہ مہلت سدا رہنے والی نہیں اور کسے خبر کہ پردہ  
اٹھنے کا وقت قریب ہی آن لگا ہوا!

۴۔ اپریل، جمعرات، آج سہ پہر سے دور دور کے پہاڑی ساحل دکھائی دینے  
لگے ہیں اور آبادی کے دیکھنے کو آنکھیں ایسی ترسی ہوئی ہیں کہ آبادی کی ان بے حد  
اور درہندہ حلی علامتوں کو بھی قیمت سمجھ کر بڑے شوق و اشتیاق کے ساتھ آنکھیں پھاڑ  
پھاڑ کر اور دو پر نہیں لگا لگا کر انھیں دیکھا جا رہا ہے، شب بن جہاز عدن کے قریب سے  
بغیر لنگر انداز ہوئے گئے گی، ۵۔ اپریل جمعہ، آج آٹھ بجے صبح کامران میں لنگر انداز  
ہوا، کامران، چار ہزار کی آبادی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، جو جنگ عمومی کے بعد سے  
ترکوں سے نکل کر انگریزی قبضہ میں آ گیا ہے، ایک انگریز حاکم برٹش مٹری ایڈمنسٹریٹر  
کے نام سے رہتا ہے، جن حاجیوں کے جہاز عدن میں نہیں رکتے، عرب کی سرزمین پر انکا  
پہلا قدم یہیں پڑتا ہے، اصل نام قرآن تھا، مگر اب شاید اسی مناسبت سے کہ یہ زمین میان  
دو کمرانی کا پہلا نشان ہے، اس کا نام بھی عام زبانوں پر کامران ہو گیا ہے، یہاں حاجیوں  
کا قونصلینہ ہوتا ہے، یعنی سرکار برطانیہ کو اپنی غریب رعایا کی جان و صحت کا اس قدر  
دور رہتا ہے کہ اگرچہ ہر حاجی گھر سے چپک کے ٹیکہ کا ڈاکٹری سرٹیفکیٹ لیکر چلتا ہے تو  
باوجود اس کے کہ مینی (یا کرچی) میں سوار ہوتے وقت ڈاکٹری معائنہ ہو چکتا ہے  
پھر بھی حاجیوں کے جہاز یہاں روکے جاتے ہیں، اور حاجی یہاں غسل اور ڈاکٹری  
معائنہ کے لئے مجبور کئے جاتے ہیں، کاش اس دوسری اور غریبی کا عشرِ عشر بھی نہ گزرتا  
کے مسافروں کے حصہ میں آتا!

بنا دیا جائے جب بھی قدرت الہیہ کے بحر بکیران کے کلمات کھٹے سے قاصر رہیں گے!  
 لیکن یہ روشنائی آئندہ ہی کیوں نہ، روشنائی تو یہ اب بھی بنا ہوا ہی رہی روشنائی  
 ہی کی طرح نیلا بحر قدرت و صنعت کے اتھاہ اور بے پایان ہونے کا یہ کیسا نادر  
 نمونہ ہو! اسی کے ساتھ ہی نظروں کے سامنے یہ سماں بھی آگیا کہ ایک روز یہ سارا  
 بحر اعظم، یہ سارا لقی و دق سمندر موعین مارتے ہوئے پانی کے بجائے، آگ کے لپکتے  
 ہوئے شعلوں، اور دھوئیں کے تیرہ و تار باد لون میں تبدیل ہو کر رہیں گے! یہ وہ دن  
 وہ ہوگا جب "یا جوج" اپنے مایہ ناز جنگی جہازوں اور آبدوز کشتیوں، اپنے تیل کے خیموں  
 اور اپنے پٹرول کے خزانوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے لٹکا کے  
 راون کی طرح ان خود ہی جل رہا ہوگا، اور جب اسکی حرص و ہوس، اسکی ملک گیری  
 اور زر پرستی، اسکی قیصریت (امپریل ازم) اور کیپٹل ازم (سرمایہ داری) کے انگارے  
 سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھائے  
 ہونگے! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد بانی و اذالجا، سچت کی تفسیر و تاویل  
 کے لئے تفسیر و تفسیر کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی، نہ اہل لغت کے کلام سے  
 سند لانے کی، بلکہ عالم و عامی، سب اپنی آنکھوں سے مجاز کا نہیں، حقیقت کا مشاہدہ  
 کر لیں گے! آج "یا جوج" کو مہلت ہو، آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اور  
 دماغوں کو، ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبل  
 و حتم سے، اپنی تہذیب اور تعلیم سے، اپنے علوم اور اپنے فنون سے، اپنے ڈاکٹروں اور  
 اپنے انجینیئروں سے، اپنے سائنس اور اپنے آرٹس سے، اپنی توپوں اور اپنی افسوں  
 سے، اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے، اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے، موعین

حیر اور کسی بے حقیقت چیز میں اہل جلال! جس سمندر کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں ٹھکل جاتی ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ اب کبھی ختم نہ ہوگا، وہ دنیا کے پانچ بڑے سمندر دن میں سے صرف ایک سمندر ہے! اور ان پانچوں میں بھی سب بڑا نہیں، بلکہ دوسرے چھوٹا ہے! پھر نظر اٹھاؤ کہ وہ بھی پورے کا پورا اب ایک وقت پیش نظر نہیں، بلکہ اسکا ایک مختصر جزو آنکھوں کے سامنے ہے! اشد اکبر! جب جزو اور ادنیٰ جزو میں یہ ہیبت رکھ دی گئی ہے، تو کل کے شاہدہ سے کیا کیفیت طاری ہوتی ہوگی! آج یہ مہیب اور لقی و دوق سمندر، اور کرہ ارض کے سارے معلوم سمندر یا جوج کے تقبض میں ہیں، وہ جے چاہے اس میں جہاز اور کشتی چلانے کی اجازت دے، اور جب اور جس کو چاہے، اشد کی کاریگری کے اس ناہ نو نہ سے فائدہ اٹھانے سے روک دے، خلق خدا کی ہوتی ہو، لیکن سمندر اور سمندر دن کے بندر گاہ، جہاز اور ان کے پھرے، محکمہ بحری (ایڈمرالٹی) اور خزانہ ان بحر (SEDLORDS) تار پندوں اور ڈریڈناٹ، کر فز اور ڈسٹر، آج ہانکے پکارے کہہ رہے ہیں کہ "امراؤ حکم" (نفوذ بائند) یا جوج کا ہے۔۔۔۔۔ پھر اگر ایسے حال میں آپ کسی سچے کا قول سنتے ہیں کہ، یا جوج و یا جوج سمندر کا پانی پی جائیں گے تو آپ اس پیشنگوئی کے پورے ہونے کے لئے کسی زمانہ مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے ہیں!

قُلْ لَوْ كَانَتِ الْجِبَالُ أَدْوَانًا لَّكَلَّمَاتٍ رَبَّيْ لَقَدْ أَتَيْتُ قَبْلَ أَنْ تَشْعَلَ كَلِمَاتٍ رَبَّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا، دل نے کہا کہ میں وہ سمندر ہے جس کی بابت ارشاد ہوا ہے کہ اگر سارا سمندر روشنائی بن جائے، اور اسی جیسا ایک اور سمندر بھی روشنائی

اپنی اس خوش نصیبی پر نازان کہ کسی کی کشش کس کو کہاں سے کہاں لئے جارہی ہے!  
 اور ابھی اس خوف سے لرزان کہ اپنی محرومیوں اور شور و غبتوں سے دیکھئے اب بھی  
 نجات ملتی ہے، یا نہیں! ابوہل اور ابوالہب آخر عمر بھر اسی بیت اللہ کے جو این  
 رہے، پھر اٹھن تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، مدینہ کے منافق روزانہ دیدار رسولؐ  
 سے مشرف ہوتے رہے، پھر اُن کے دلون کے پتھر تو نہ پیسے! — لیکن یہ  
 کیا وہم آرائی و پریشان خیالی ہے، وہ کریم، جو اپنے گھر ہماں بلارہا ہے، کیا اپنے  
 در کے گداگروں کی بھولی مین بھیک بھی نہ ڈالے گا؟ اسکی رحمت کی فراوانی  
 اور کرم کی ارزانی نہ حق کو دکھیتی ہے نہ استحقاق کو، اسے تو محض عطا و بخشش محض  
 نوازنے اور سرفراز کرنے سے سروکار ہی، اور بس!

گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں، دن دو دن بھی نہیں، پورا ایک ہفتہ ہو گیا، اور شہر کی  
 کاکمیں نشان نہیں! جنگل کے درندے نہ سہی، باغ و صحرا کے چرندے نہ سہی،  
 ہوا کے پرندے تک نہیں! ادھر پانی، ادھر پانی، آگے، پیچھے، داہنے، بائیں ہر  
 سمت پانی ہی پانی! اوپر نیلا آسمان، نیچے نیلا سمندر، زمین کی بے بساطی اب  
 جا کر محسوس ہوئی! جنگلی کے بڑے بڑے شہر اور صوبے، آبادیاں، اور بیٹیاں،  
 جنگل اور پہاڑیاں، سڑکیں اور ریل کی پٹریاں، ریگ کے توڑے، اور  
 پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگی وسعت اور کثرت، عظمت و ہیبت، اب تک دماغوں  
 میں رہی، اور آنکھوں میں بس ہوئی تھی، اب معلوم ہوا، کہ خالق کے بحر قدرت  
 کے سامنے نہیں، بلکہ اپنی ہی جیسی، ایک دوسری مخلوق کے سامنے کتنی

# باب

## سمندر۔ کامران

۲۹ مارچ، ساحل ممبئی سے جہاز ۱۱ بجے شب کو چھوٹا تھا ارات تو خیر چون  
تو نہ کٹ گئی صبح اٹھ کر دیکھا تو ہر طرف عالم آب، جہان تک بھی نظر کام کرتی  
ہے، بحرِ پانی کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا، اپنی عمر میں یہ منظر کبھی کا ہے کو دیکھا تھا  
بڑے سے بڑے دریا جو اب تک دیکھے تھے، وہ بمبلا سمندر کے مقابلہ میں کیا حیثیت  
رکھتے ہیں! صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے پھر صبح، نہ کہیں جہاز رکتا ہے  
نہ کوئی اسٹیشن آتا ہے، اہر وقت ایک ہی نظائیمط، ہر سمت ایک ہی منظر قائم! دن  
طلوع ہوتے ہیں، اور ختم ہو جاتے ہیں، اراتیں آتی ہیں اور گذرتی جاتی ہیں نہ کوئی  
خط نہ کوئی تار، نہ اخبارات نہ ڈاک کے ابنار! نہ کسی عزیز کی خبر نہ دوست کی  
نہ اپنوں کا حال معلوم نہ بیگانوں کا! اپنا مٹی کا گھر وندا ہے، کہ ہر لمحہ پیچھے چھوٹتا  
جا رہا ہے، پر وہ گھر جسے لامکان کے کہیں نے اپنا گھر کہہ کر بپا رہا ہے، ہر آن نزدیک  
سے نزدیک تر ہوتا جا رہا ہے! زمین چھوٹ گئی، لیکن آسمان نہیں چھوٹا، اُدھر  
جہاز ہوا اور پانی سے ہچکولے کھا رہا ہے، اُدھر دل کی کشتی ہے، کہ یاس و امید  
کی کشمکش میں ابھی ڈوبی اور ابھی ابھری (خدا نہ کرے کہ کبھی بھی ڈوبے!) دل بھی

تعلیم یافتہ ہیں، آسودہ حال ہیں، اور دنیوی وجاہت و منصب رکھتے ہیں، باقی  
 عموماً بچائے ایسے ہیں، جو بوڑھے ہیں، کمزور بیمار ہیں، غریب ہیں، لکھنے پڑھنے سے  
 معذور ہیں، جاہ و منصب سے محروم ہیں، گناہ ہیں، اور خود دنیا کو ترک نہیں کر  
 ہیں، بلکہ دنیا میں ترک کر رہی ہے، کیا حج بیت اللہ انھیں بیچاروں کے لئے  
 فرض رکھا ہوا ہے؟ اور وہ جو اونچی اونچی کوٹھیلوں میں رہتے ہیں، جو سچے سچائے بنگلوں  
 میں بستے ہیں، جو نفیس نفیس موٹروں پر سوار پھرتے رہتے ہیں، جبکہ بڑے بڑے  
 کھائے تنکوں میں کھلے ہوئے ہیں، جو دو دو ہزار اور چار چار ہزار ماہوار کی تنخواہیں  
 رکھتے ہیں، جو بڑے بڑے متعلقوں اور زمینداروں کے مالک ہیں، جو یورپ اور  
 ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہیں، جو نامور پروفیسر ہیں،  
 جو مشہور ڈاکٹر ہیں، جو نامی انجینیر ہیں، جو کامیاب ایڈیٹر ہیں، جو خان بہادر ہیں،  
 جو سی، آئی، اے، ای ہیں، جو نواب اور نواب زادے ہیں، جو کونسلوں کے ممبر ہیں،  
 جو تھیٹر اور سینما اور ناچ اور ہر فرنگی "آرٹ" کے شیدائی ہیں، جو اپنی اولاد کو  
 لندن اور پیرس، برلن اور ویانا، آکسفورڈ اور کیمبرج بھیجتے رہتے ہیں۔  
 شاید ان سب فریضہ حج ساقط ہو گیا ہو!



والی پوری کوئٹہ جا رہی تھی، افسوس ہے کہ کپٹن والون نے ہوٹل کو کافی مشہور  
 نہیں کیا تھا، اور ہوٹل کھلنے کی اطلاع صرف چند اخباروں تک محدود رہی تھی،  
 اس لئے حاجیوں کے عام اور دیہاتی طبقہ کو اس کی اطلاع بھی نہیں ہو سکی تھی، اور  
 وہ لوگ حسب دستور اپنے اپنے گھروں سے پورا سامان لا کر لائے تھے، اور اپنا  
 کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے رہے، آئندہ کے لئے میرا مشورہ ہے کہ حاجی صاحبان بڑی  
 تعداد میں اسی ہوٹل کی سرپرستی فرمائیں (بشرطیکہ کپٹن والون کی عام غفلت  
 و بے حسی کا شکار ہو کر ٹوٹ نہ جائے) اس میں سہولت بھی رہے گی، اور کفایت بھی  
 تاہم وقت ضرورت کے لئے مختصر سامان کھانے اور کھانا پکانے کا خود اپنے ساتھ  
 بھی رکھنا ضروری ہے، محض ہوٹل کے بھروسہ پر رہنا غلطی ہے، اور کمزور معدہ والوں  
 کو تو ہرگز کسی ہوٹل کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہئے، جو لوگ خوشحال ہیں، اور جن کے  
 معدہ اور ذائقہ کو انگریزی کھانا موافق نہیں پڑتا، وہ جہاز کے انگریزی ہوٹل  
 سے اپنے کھانے کا انتظام رکھ سکتے ہیں، کھانے کی شرح غالباً تین روپیہ پورے  
 ہر

جہاز پر جہاز کے ٹو ڈیڑھ ٹن ملازمین کے علاوہ، مسافروں کی تعداد قریب  
 پندرہ سو کے ہے، گویا ایک چھوٹے قصبہ کی پوری آبادی ہے، سب سے بڑی تعداد  
 دیہاتی بنگالیوں کی ہے، خصوصاً مشرقی بنگال والوں کی جو پیارے لینے بسم  
 اور دماغ دونوں کی کمزوری کی بنا پر، بلا ارادہ دوسروں کے لئے باعث تکلیف  
 بنے ہوئے ہیں، تھوڑے تھوڑے لوگ بہار، یوپی، ملایا، گجرات اور سیٹی کے  
 بھی ہیں، ان ڈیڑھ ہزار میں، تو دو ٹن ایسے ہیں، جو جوان ہیں، تندرست ہیں،

اُس سے اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی، جہاز کا چیف آفسیر گیس بھی ایک خوش مزاج  
نوجوان انگریز ہے، اس سے بھی کبھی کبھی گفتگو ہوتی رہتی تھی، کپتان کے دروازہ سے  
دروازہ ملا ہوا تھا، بار بار سابقہ پڑتے رہنا انگریز تھا،

حاجیون کے جہاز پر ابتدا سے کھانے کا مسئلہ بہت اہم رہا کیا ہی، جہاز پر جو ہو  
افسران جہاز کے لئے ہوتا ہی، اول تو عام مسافروں کے لئے ہوتا نہیں، مہرنت فرسٹ کلاس  
والوں کے لئے ہوتا ہی پھر کھانے کے دام زائد اور کھانا انگریزی مذاق کا اس لئے عموماً  
حاجیون کے لئے اس کا وجود میسر ہی ثابت ہوتا ہی، اور ہر حاجی کو کھانے اور  
کھانا پکانے کا سارا سامان لا کر لیجا نا پڑتا ہی، انا ذال چاول گھی، سالہ دیکھنا  
برتن چولہا، سل بٹہ، لکڑی چیرنے کی کلہاڑی، اور خدا معلوم اور کیا کیا، اور یوں مین  
بھر بھر کر لا دنا پڑتا ہی جس کی زحمت و مشقت محتاج بیان نہیں، ابی سال خدا کے  
فضل سے یہ زحمت ایک بڑی حد تک دور ہو گئی تھی، مسلم الگرم خود پہلائی کمپنی  
کے نام سے، حاجی سیٹھ عمر بھائی چاند بھائی کے زیر اہتمام و نگرانی، ریزر اریسن کے  
جہازوں پر کھانے کی دوکانیں اس سال سے کھل گئی ہیں، چنانچہ اگر پر بھی اسی  
کمپنی کی طرف سے ایک مسلم ہوٹل موجود تھا، جو معتدل بلکہ ارزان نرخ پر مسلمان  
بادر چیون کا پکا یا ہو کھانا دے رہا تھا، کسی ہوٹل کے لئے یہ ممکن نہیں، کہ وہ ہر شخص  
کے ذائقہ کا یکساں محاذ رکھ سکے اور پھر یہ ہوٹل تو ابھی بالکل نیا تھا، نا تجربہ کاری  
کی لکڑی نیا گریز تھیں، پھر بھی ہونہار ہوٹل نے اپنی بساط کے موافق بہت آرام  
پہونچایا، اور اس کے منہج اور اسٹنٹ مین نے حاجیون کو خوش اور مطمئن رکھنے کی اپنی

اور ناشتہ کی ہلکی غذا میں اگر دن میں بار بار استعمال میں آتی ہیں، تو انشاء اللہ جہاز کی بیماری سے نجات دے گی، ایک اور ضروری شے تازہ ہوا ہے، تھرو کلاس والے پیارے ایک بڑی حد تک اس نعمت سے محروم رہتے ہیں، تاہم جس حد تک بھی ممکن ہونا سکی طرح انہیں سبقت کرتے رہنا چاہئے، میرا ذاتی تجربہ ایک یہ بھی ہے کہ نگاہ کو حتی الامکان اگر جہاز کے کناروں پر نہ جھنک دیا جائے، بلکہ سمندر کے دور سے دور کناروں پر جایا جائے تو بھی سر کے چکر سے بہت عافیت رہتی ہے،

گوری حکومت میں گوری قوم کا ہر ہر فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہے، اور کوئی گورا کہیں اور کسی مرتبہ پر بھی ہوا، ماتحت نہیں، حاکم اور خادم نہیں، آقا بن کر رہتا ہے، حاجیوں کے جہاز اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوتے، ظاہر ہے کہ یہ کپتان حاجیوں کے روپ سے زندہ ہیں، اور انکا مقصد وجود حاجیوں کی خدمت ہے، تاہم جہاز کے جتنے بڑے عمدہ تھے، سب فرنگی ہی تھے، کپتان انگریز، چیف آفیسر انگریز، سکند آفیسر انگریز، انجینئر انگریز، میکینک انگریز، وائر لیس نیر آپریٹر انگریز، جوئیر آپریٹر انگریز وغیرہ وغیرہ، اور غیر مسلم تو چھوٹے بڑے تقریباً سب ہی عمدہ دار تھے، اور سب کا بڑا ڈھانچہ حاجیوں کے ساتھ وہی تھا، جو گورن کا، کانون کے ساتھ اور صاحب کا، ٹیٹو کے ساتھ ہر جگہ رہا کرتا ہے، تاہم یہ شاید حاجیوں کی طویل صحبت کی برکت تھی، یا کیا، کہ برٹاؤنی اہل علم و مہذب تھا، اور سختیان نسبتاً کم تھیں، جہاز کا سب سے بڑا افسر کمانڈر یا کپتان کہلاتا ہے، فرنگیوں سے بات کرنے کو اب مدت سے ہی نہیں چاہتا، تاہم اس جہاز کا کپتان پلی ایج، وارڈ ایک اینکدل و بادہ مزاج انگریز ہے، جو حاجیوں سے ہمدردی بھی خاصی رکھتا ہے،

ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کی حالتیں خراب ہو ہو جاتی ہیں، ہم لوگوں نے اسکی پیش بندی میں کاغذی لیمن بہت سے ساتھ رکھ لئے تھے لیمنوں کے ساتھ ایلیمینٹین، ہلکے ترش میوے اکثر متلی اور دورانِ سفر میں مفید ثابت ہوئے ہیں۔

بعض لوگوں نے ایک پیٹنٹ دوا (MOTHER SEIGATS ANTI SEA-SICKNESS) کے قرص بھی جو خاصے گران ملتے ہیں ایسی سے خرید کر ہمراہ لے لئے

تھے، لیکن بھلا اللہ ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت اکثر ان کو مطلق نہیں پیش آئی اس کی ایک خاص وجہ ماہرینِ سفر دریائی نے یہ بیان کی کہ موسم خشک و خوشگوار تھا اور سمندر میں تلاطم بالکل نہ تھا، مارچ اور اپریل کا مہینہ سفر بحری کے لئے خاص طور پر موزوں ہیں، سمندر اس زمانے میں خاموش و پرسکون رہتا ہے، البتہ برسات کے موسم میں خصوصاً اُس کے آغاز میں اور اُس کے اختتام پر سمندر میں شدید تلاطم برپا رہتا ہے، اور طاقور موجیں ہولناک حد تک بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکراتی رہتی ہیں، ان سے جہاز ہنڈولے کی طرح ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہے، یعنی دائیں اور بائیں پہلوؤں پر جھکنے اور اٹھنے لگتا ہے، اسی سے آلاتِ مضہم میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے، اور انسان دورانِ سفر اور متلی میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمارا جہاز تقریباً بالکل محفوظ رہا، اور بحرِ ہندو دس چند اشخاص کے اور کسی کو قابلِ ذکر شکایت نہیں پیدا ہوئی، ایک بات تجربہ سے یہ معلوم ہوئی کہ پر خوری اور غلوی معدہ دونوں اس حالت میں مضر ہیں، اور ایک طرف اگر ثقیل، دیر، مضہم غذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے، تو دوسری طرف بالکل بھوکے رہنے سے بھی، بجائے اسکے کہ ایک یا دو بار کھانا خوب شکم سیر ہو کر کھالیا جائے یا محض فاقہ کیا جائے، چاہے

اور ناشتہ کی ہلکی غذا نہیں اگردن میں بار بار استعمال میں آتی رہیں، تو انشاء اللہ جہاز کی بیماری سے نجات دے گی، ایک اور ضروری شے تازہ ہوا ہے، تھرد کلاس واپس پیارے ایک بڑی حد تک اس نعمت سے محروم رہتے ہیں، تاہم جس حد تک بھی ممکن ہو اس کی طرف انہیں سبقت کرتے رہنا چاہئے، میرا ذاتی تجربہ ایک یہ بھی ہے کہ نگاہ کو حتی الامکان اگر جہاز کے کناروں پر نہ جھنپ دیا جائے، بلکہ سمندر کے دورے دور کناروں پر جایا جائے تو بھی سر کے چکر سے بہت عافیت رہتی ہے،

گوری حکومت میں گوری قوم کا ہر ہر فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہے، اور کوئی گورا کہیں اور کسی مرتبہ پر بھی ہو، ماتحت نہیں، حاکم اور خادم نہیں، آقا بنکر رہتا ہے، حاجیوں کے جہاز اس کلید سے منٹشی نہیں ہوتے، اظہار ہے کہ یہ کپتان حاجیوں کے روپے سے زندہ ہیں، اور انکا مقصد وجود حاجیوں کی خدمت ہے، تاہم جہاز کے جتنے بڑے عمدہ تھے اب فرنگی ہی تھے، کپتان انگریز، چیف آفیسر انگریز، سکند آفیسر انگریز، انجینئر انگریز، میکینک انگریز، وائرلیس سیر آپریٹر انگریز، جوئیر آپریٹر انگریز وغیرہ وغیرہ اور غیر مسلم تو چھوٹے بڑے تقریباً سب ہی عمدہ دار تھے، اور سب کا بڑاؤ حاجیوں کے ساتھ وہی تھا، جو گورون کا، کانون کے ساتھ اور صاحب کا، ٹیٹو کے ساتھ ہر جگہ ہاکرتا ہے، تاہم یہ شاید حاجیوں کی طویل صحبت کی برکت تھی، یا کیا کہ برتاؤ فی الجملہ نرم و مہذب تھا، اور سختی ان نسبت کم تھیں، جہاز کا سب سے بڑا افسر کمانڈر یا کپتان کہلاتا ہے، فرنگیوں سے بات کرنے کو اب مدت سے ہی نہیں چاہتا، تاہم اس جہاز کا کپتان پی ایچ، وارڈ کیپٹنیکل و سادہ مزاج انگریز ہے، جو حاجیوں سے ہمدردی بھی خاصی رکھتا ہے،

ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کی حالتیں خراب ہو ہو جاتی ہیں، ہم لوگوں نے انکی بیش بندی میں کاغذی لیون بہت سے ساتھ رکھ لئے تھے بعضوں کے ساتھ اطمینان یقین، ہلکے ترش میوے اکثر متلی اور دورانِ سفر میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں نے ایک پیٹنٹ دوا (MOTHER SEIGATS ANTI SEA-SICKNESS) کے قرص بھی جو خاصے گران ملتے ہیں، بمبئی سے خرید کر ہمراہ لے لئے

تھے، لیکن مجد اللہ ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت اکثر ان کو مطلق نہیں پیش آئی اس کی ایک خاص وجہ ناہرین سفردریائی نے یہ بیان کی کہ موسم خشک و خوشگوار تھا اور سمندر میں تلاطم بالکل نہ تھا، مارچ اور اپریل کا مہینہ سفر بحری کے لئے خاص طور پر موزوں ہیں سمندر اس زمانے میں خاموش و پرسکون رہتا ہے، البتہ برسات کے موسم میں خصوصاً اس کے آغاز میں اور اس کے اختتام پر سمندر میں شدید تلاطم برپا رہتا ہے، اور طاقور موجیں ہولناک حد تک بلند ہو کر جہاز سے ٹکراتی رہتی ہیں، ان سے جہاز ہنڈولے کی طرح ڈالنا ڈول ہونے لگتا ہے، یعنی دائیں اور بائیں پہلوؤں پر جھکے اور اٹھنے لگتا ہے، اسی سے آلاتِ مضخم میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے، اور انسان دورانِ سفر اور متلی میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمارا جہاز تقریباً بالکل محفوظ رہا، اور بحرِ ہند دسے چند اشخاص کے اور کسی کو قابلِ ذکر شکایت نہیں پیدا ہوئی، ایک بات تجربہ سے یہ معلوم ہوئی کہ پر خوری اور غلو جی سودہ دونوں اس حالت میں مضر ہیں، اور ایک طرف اگر ثقیل، دیرمضخم غذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے، تو دوسری طرف بالکل بھوکے رہنے سے بھی، بجائے اسکے کہ ایک یا دو بار کھانا خوب شکم سیر ہو کر کھالیا جائے یا محض فاقہ کیا جائے، چاہے

یہی مع اپنی پارٹی کے کبیبی سے عہدہ ہو گئے تھے، بہار ہی کے ایک منصف بن علی الدین صاحب بھی مع اپنے صاحبزادہ فہیم الدین صاحب کے جو اپنے صوبہ کی خلافت کیٹی کے ایک پر جوش کارکن معلوم ہوتے ہیں، بہار پر ملے اور تھوڑی ہی دیر میں ہم لوگوں سے مکمل مل گئے، مولوی عین الحق صاحب پشترنج عدالت خیفہ جو ایک زمانہ میں بہار ہی تھے، اگر اب لکھنؤی ہو گئے ہیں، والد ماجد مرحوم کے لئے والوں میں ہیں اور دوج اس کے قبل کر چکے ہیں، ابکی اپنے تیسرے جج میں اسی جہاز پر ہیں، اعلیٰ دیکھ کر قدرت خدا نظر آتی ہے، لباس اس درجہ سادہ، منزل اس درجہ قانع! یقین ہی نہیں آتا کہ یہ بی بی، بی بی ال ہیں، اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہ چکے ہیں، غازی پور کے گریجویٹ وکیل مولوی رفیع اللہ صاحب بھی اسی قبل کے انسان نظر آئے، ان کی شب بیداری، انکی سادگی، اور انکے ذوق عبادت پر بار بار رشک آتا ہے، سب سے زیادہ دھچپ ہستی ہمارے وطن کے چودھری محمد علی دھچرو، تعلق دار بدولی کی ہے، جو لوگ اس ہنسنے والے اور ہنسانے والے زندہ دل رئیس سے واقف ہیں، وہ خدا معلوم ان کے سفر جج کی خبر کو باور کیونکر کریں گے! لیکن کریم کی کریمی میں کسی کا کیا اجارہ ہے، وہ جیسے چاہے دم بھر میں نوازے! ہندوستان کی شیعہ جماعت کے شاید وہی تنہا نمائندہ ہیں، جو اس جہاز پر مع اپنی سنی اور دیندار زوجہ محترمہ کے جج بیت اللہ کے لئے چل رہے ہیں، ان سب برقیوں اور جلیسوں نے مل جل کر سفر میں وطن کی شان پیدا کر دی تھی،

سنتے تھے کہ جہاز میں متلی کی شکایت عام رہتی ہے، اور اگر ٹرڈن کو پکڑ آتے ہیں

لے خدا از فضل تو حاجت روا  
باتو یاد پہچکس بنود روا  
تلخ تر از فرقت تو، میج نیست  
بے پناہست غیر پیچ نیست  
دست ما چون پائے مار می خورد  
بے امان تو کسے جان کے برد

ہر سفر کی خوشگوار و ناخوشگوار میں خاصہ دخل سفر کے رفیقوں کو ہوتا ہے،  
رفیق اگر ہم مذاق ہیں، تو ہر سفر خوشگوار بن سکتا ہے، اور اگر رفیق ناچس ہے، تو تو  
بھی اسی درجہ کی ہوتی ہے، جہاز کے سفر میں، جہان ساری بیرونی دنیا سے بے تعلقی  
ہو جاتی ہے، اور ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہفتے یہ بے تعلقی قائم رہتی ہے، از رفیقوں کا سوال  
اور زائد اہم ہو جاتا ہے، ہمارے قافلہ کے جو اصلی اجزاء تھے، انکا ذکر اوپر آچکا،  
مولوی عبدالباری صاحب ندوی کے والد ماجد حکیم عبدالخالق صاحب کی  
زفاقت بہت مفید ثابت ہوئی، وہ محض ایک عبادت گزار و درویش صفت  
بزرگ ہی نہیں، بلکہ تجربہ کار طبیب بھی ہیں، اور اپنے ہمراہ مجربات کا ایک پورا  
کبس لے گئے تھے، راستے میں تھوڑا بہت بیمار پڑنا ناگزیر تھا، سارے قافلہ کو  
کم و بیش حکیم صاحب اور انکے مجربات کی ضرورت پڑی، اور سبکے دلون سے ان کے  
حق میں دعائے خیر نکلی، مولانا مناظر حسن صاحب کا درد گداز، علم و فضل، اذوق  
و جوش ہر موقع پر ایک نئے رنگ میں نمایاں ہوتا رہا، اور انکی ایمان پر و تقریریں  
اور نظمیں خدا معلوم کتنے دلون کو گرماتی، اور کتنے ایمانوں کو تازہ کرتی رہیں، انکے  
عزیز مولوی شاہ لطف اللہ مونگیری (خلف مولانا شاہ محمد علی مونگیری قدس سرہ)

لے افسوس ہے کہ اس سفر نامہ کی ترتیب کے وقت تک حکیم صاحب کا انتقال ہو چکا،



ہی میں جہاز اکبر کا نقشہ دیکھ کر ہمارے فرسٹ کلاس والے ساتھیوں کے لئے دو کسین مخصوص  
 ونامزد ہو گئے اور ہم میان یوسی کے لئے کسینی والوں نے سب سے اوپر کے عرشہ کا وہ  
 کسین مخصوص کر دیا، جسکی تمنا فرسٹ کلاس والوں کو بھی رہا کرتی ہی، سب سے اوپر کے عرشہ  
 پر بجز انگریز افسروں کے اور کسی کا کسین نہیں ہوتا، صرف یہی ایک کسین خالی ہوتا ہے  
 جو کپتان کے کسین سے بالکل ملا ہوا ہوتا ہے، اور خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتا  
 ہے، اس طرح سب سے کم خرچ میں، میں سب سے اونچی اور ہوادار جگہ پا کر صحیح معنی میں  
 کم خرچ بالانشین بنا ہوا تھا۔

کریم کی دستگیریان اور شکل کشائیان ملاحظہ ہوں مکروردن اور ناتوانوں کی  
 کس کس طرح دستگیری کی جاتی ہے، اور بزدلوں اور پست ہمتوں کی ہمت کس کس طرح  
 بندھائی جاتی ہے، جہاز بھر میں جو سب سے زیادہ کم ہمت اور شقت سے بھاگنے والا تھا  
 اسی پر سب سے زیادہ الطاف و عنایات کی بارش ہوئی، اور وہ جو قدم قدم پر راحت کا  
 حریص اور آرام کا بھوکا تھا، اُسے کیسا کیسا نوازا گیا، اور کن کن طریقوں سے  
 بہلایا گیا، کلا عندہ لاء دھوکا دینا عطا ہلت و ماکان عطاء سربلت محظوظاً  
 پیار بچہ جیب دو اسے، اور بد شوق بچہ جیب مدرسہ سے بھاگتا ہے، تو ایہ کس کس طرح  
 بہلاتی ہے، اور مان کیسے کیسے لاپرواہی دلاتی ہے، پھر وہ جسکی رحمت و شفقت نے ہر دایہ  
 سے بڑھ کر جاہت، اور جسکی ربوبیت و کرمی نے ہر مان سے زیادہ ماستا اپنے اوپر لازم  
 کر رکھی ہے، کیونکر مکن تھا کہ اپنی خلقت کے نادان اور ناہم، ضدی اور شبیلے بچوں  
 کو یوں ہی بھگتا اور بھگتا چھوڑ دے!

## باب (۴)

### جہاز سمندر

قافلہ کے نو نوں جزو ملا کر کل ہم لوگ سولہ آدمی تھے، سکند کلاس کی حالت  
 اوپر بیان کی جا چکی ہے، حاجیوں کے جہاز پر سکند کلاس کا ٹکٹ لینا نادانی ہی ریل  
 کے سکند کلاس پر ہرگز اسے قیاس نہ کرنا چاہئے، وہ آرام و آسائش یہاں خواب  
 خیال ہے، سارے چار سو اور سارے پانچ سو کی رقم میں کچھ بہت زیادہ فرق  
 نہیں، جو لوگ صاحب استطاعت ہیں، انھیں چاہئے، کہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لین، پھر  
 پھر تھوڑی سی بر قاعت کریں، ہم لوگوں نے چار ٹکٹ فرسٹ کے لئے، باقی بارہ تھوڑے  
 کے تھے، انھیں بارہ میں ہم میان بیوی بھی تھے، تھوڑے سے زیادہ کی بجٹ میں  
 گنجائش نہ تھی، طے کر چکے تھے، کہ بری بھلی جس طرح بھی گزریگی، بہر حال ہزاروں  
 دوسری مخلوق خدا کی طرح برداشت ہی کریں گے، مگر اب خدا کی قدرت  
 ملاحظہ ہو، شوکت صاحب خود مجھے ہمراہ لیکر ٹرین مار سین کے دفتر میں گئے، اور  
 لگے میرا تعارف اپنی زبان اور اپنے لہجہ میں کرنے، انکی زبان کون پکڑ سکتا تھا  
 جو کچھ جی میں آیا فرماتے رہے، نتیجہ یہ ہوا، کہ تھوڑی سی دیر کے بعد ہم میان  
 بیوی کے ٹکٹ، تھوڑے کلاس کی قیمت کے ساتھ فرسٹ کلاس کے ہو گئے، دفتر

انابت ہر قدم پر زندہ اور نفس پرستی سے وقت کا لمحہ لمحہ معذور! مصائب سفر کا شیر  
 جھہ تو خیالی اور اپنے دماغ کا پیدا کردہ ہوتا ہے، باقی تھوڑی بہت تکلیفیں جو واقعی  
 ہوتی ہیں مولے عزیز! اگر یہ علم صحیح قائم ہو جائے، کہ یہ کس کی راہ میں پیش آرہی ہیں  
 تو معاً تکلیف آرام سے اور درد و راحت سے تبدیل ہو جائے، ہر گمراہی کی بنیاد انسان  
 کے اس جذبہ پر ہے کہ وہ اپنی مرضی کو سب پر حکمران دیکھنا چاہتا ہے، اسلام اسی باطل  
 پرستی کی تصحیح کے لئے ہے، اسلام کے معنی اپنی مرضی کو اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی  
 کے محکوم کر دینے کے ہیں، اور فریضہ حج اسی مقصد کی تکمیل کا ایک آلہ ہے، پھر اگر  
 راستہ میں کچھ امور ناخوشگوار پیش آئیں، تو ان پر بے صبری کا اظہار کتنی بڑی  
 محرومی اور بد نصیبی ہے! دنیا میں کسی کے ساتھ ذرا سادل کا لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے  
 پھر دیکھئے، کہ اسکی گلی کا ہر کانٹا کس طرح پھول بن جاتا ہے، پس وہ جو سب محبوبوں  
 کا محبوب ہے، اور سب کی محبتوں کا تاجدار ہے، اگر اسکی راہ میں کوئی بات خلاف  
 مزاج یا خلاف توقع پیش آئے، تو وہ بات ہی ایسی کیا ہو سکتی ہے جس کے چرچے  
 زبانوں پر لائے جائیں، اور جس کے تذکرے اخبارات کے کالموں میں پھیلانے  
 جائیں!

درحقیقت فرسٹ اور سکند کلاس والوں کا برآمدہ ہوتا ہے، جو تھرڈ کلاس والے قلیون یا جہاز والوں کو کچھ دے دلا کر یہاں قبضہ کر لیتے ہیں، وہ مرنے میں رہتے ہیں، اور مسافروں میں بہت خوش قسمت سمجھے جاتے ہیں، میٹھا پانی اول تو ملتا بہت محدود مقدار میں ہے، پھر اس کے ملنے کے اوقات معین و مختصر یہی حال کھانا پکانے کی لکڑی کا ہے، جو جہاز پر بلا قیمت تقسیم ہوتی رہتی ہے، پانی اور لکڑی، دونوں کی تقسیم کے وقت جو ہنگامہ برپا ہوتا ہے، جس طرح کنسٹرے کنسٹرے اور سر سے سر کراتے ہیں، اور بوڑھوں اور کمزوروں کو جس قیامت کا سامنا ہوتا ہے، ان سب کا تعلق دیکھنے سے ہے، سننے سے نہیں! ————— لیکن درحقیقت جبر و ٹکر کا سبق بھی اٹھ کی اسی بے زبان مخلوق سے لینا چاہئے، دیکھنے والوں کو ان پر ترس آ رہا ہے، لیکن یہ اپنے حال میں مست، اپنی دھن میں مگن، انہیں نہ برقی قمقموں کی طلب، نہ بچکے کی ہوس، نہ رت کی خواہش، نہ لائم جوس کی تمنا، کہیں تلاوت ہو رہی ہے، کہیں وعظ کی محفل گرم، کہیں دیگیان مانجی جا رہی ہیں، کہیں کپڑے اپنے ہاتھ سے دھل رہے ہیں، کہیں روٹیاں تو بے پروٹہ رہی ہیں، اور تقریباً سارے کے سارے

لے کر کے اس عام شرکتیت اختلاک جانا ہوتا ہے جس پر فرسٹ کلاس اور سکنڈ کلاس دونوں کے کل مسافروں کا یکساں حق ہوتا ہے! پھر زنانہ و مردانہ کی بھی تفریق نہیں کیے گئے ایک ہی کافی! ایسی صورت میں اگر دروازہ پردس دس سنٹ تک ٹوٹا ہاتھ میں لئے امیدواری کرتی رہنا پڑے، تو حیرت کی کیا بات! لطافت کا انتظام بمنزلہ صفر، انگنڈگی دور ہونے کے بجائے کپڑوں کے بخش ہو جانے کا اندیشہ ہر وقت لگا ہوا! آرام و آسائش کا یہ میاں فرسٹ کلاس والوں کے لئے ہے!

”جسکی بہاریہ ہو پھر اسکی خزان نہ پوچھ! اگر بہار سے ”خزان“ کا اندازہ کرنا ممکن ہے، تو فرسٹ کلاس کی حالت سے تھرڈ کلاس کا بھی اندازہ کر لینا ناممکن نہیں! جہاز کے اسفل سافلیں سے اوپر کے دو درجے تھرڈ کلاس والوں کے لئے ہوتے ہیں لیکن انھیں درجہ قرار دینا خود لفظ ”درجہ“ کی تخیل کرنا ہی ہے! درجہ کیا ہوتے ہیں بھڑ بکریوں کے پاڑے ہوتے ہیں جنہیں بے زبان جانوروں کے بجائے بے زبان (اور شاید بے جان بھی!) کالے ”ادیون کو اسٹے سندھ“ سے اوپر بھر دیا جاتا ہے! اوچھ کوڑے کے ڈھیر، ادھر غلاظت کے انبار! ادھر کھانا ایک رہا ہے، اور وہ عوان ہے، کہ اگر

شب تاریک ہم موج دگر دابے چنچا لک  
کجا داندہ حال ماسکساران ساحلما!

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "شب تاریک" ہی نہیں "روز روشن" میں بھی "اوریم و موج" ہی کے وقت نہیں، سمندر کے سکون کے وقت بھی، "اوزگر داب" و تلامطم ہی کی حالت میں نہیں، پوری ہمواری کی حالت میں بھی، "حاجیون کے جہاز کی کیفیت کا اندازہ صرف حاجی ہی کر سکتے ہیں، البتہ آپ بیتی کے "سکساران حال" اس کا صحیح اندازہ کرنے سے بالکل قاصر ہیں، ریل کے سفر میں جو سہولتیں بالعموم مل رہی ہیں، وہ ان جہازوں میں عموماً کا حکم رکھتی ہیں، تھرڈ کلاس والوں کا ذکر نہیں وہ مخلوق تو شاید سختیان اٹھانے اور تکلیفیں جھیلنے کے لئے پیدا ہی ہوئی ہے، سکند کلاس بلکہ فرسٹ کلاس والوں کو بھی قدم قدم پر یہ محسوس کرایا جاتا ہے، کہ وہ عبادت کیلئے مجاہدہ کے لئے، کسر نفس کے لئے گھروں سے نکلے ہیں، اور خدا بننے کیلئے نہیں، بندہ بننے کے لئے چلے ہیں! اکبر کا شمار اچھے خاصے جہازوں میں ہی، سب نیچے کا حصہ ریل کی مال گاڑیوں کی طرح نال کے لئے مخصوص، اس "اسفل سافلین" کے مقابلہ میں اعلیٰ علیین یعنی جہاز کا سب سے اونچا عرشہ، اعلیٰ فرنگی افسروں، کپتان، چیف ایئر اینجینئر وغیرہ کے لئے مخصوص، اچھوٹی اچھوٹی کوٹھریاں، جنہیں نہ نیچا، نہ ہوا کا گز نہ پاخانہ، نہ غسل خانہ، اوپر تلے دو بچین، ان کا نام "سکند کلاس کین" جنکا کرایہ تھرڈ کلاس سے ڈھائی گنا، فرسٹ کلاس بھی اس قدر تنگ و مختصر، البتہ ان کا مقام نسبتاً بہتر، اور نیچا ان میں موجود، لیکن پاخانہ اور غسل خانہ ان کے ساتھ بھی نہیں اور پیشاب کی ضرورت کے لئے ہر مرتبہ، ہر فرسٹ کلاس کے مسافر کو خاصی فست

ٹیک ایک شب کو ہجاز میں حرکت ہوئی اور اُس نے آہستہ آہستہ محل  
 کو چھوڑنا شروع کیا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے قرب و جوار کی ساری عمارتیں نفرون  
 سے پوشیدہ ہو گئیں، اور صرف انکی روشنیان باقی رہ گئیں، اللہ اللہ کیا دقت ہے!  
 کیا سامان ہے! ہجاز میں حرکت تو خیر جیسی کچھ بھی ہو اپنے دل کی حرکت کا کیا حال  
 ہے؟ وطن ہر نقطہ دور ہوتا جا رہا ہے، وطن کی دھچکیاں ساری کی ساری پیچھے چھوٹی  
 جاتی ہیں، بیوی بیٹک ساتھ ہیں، لیکن بچیاں وہیں ہیں، والدہ ماجدہ وہیں ہیں،  
 بھائی وہیں ہیں، بہن وہیں ہیں، اُسرے اُسرے اور دوست وہیں ہیں، ساتھ کے  
 کام کرنے والے وہیں ہیں، لیکن بھلا اللہ دل میں اس وقت ان میں سے کسی کی فکر  
 نہیں، فکر انکی نہیں، جو پیچھے چھوٹ رہے ہیں، فکر ہے تو انکی جو آگے گئے والے  
 ہیں! دوستو! اور عزیزو! فدا ماقط! خاک وطن کے ذرو خدا حافظ! اب کو اسی  
 مالک و مولا کے سپرد کیا، اب کو اسی کریم و کریم کی حفاظت میں دیا، جس کے در پر  
 جبین سائی کو یہ تنگ وطن و تنگ خاندان اس وقت روانہ ہو رہا ہے، اُس کی  
 خطائیں معاف کرو، اُس کے قصوروں سے درگزر کرو، اُسکی بیود گیون پر خاک نہ ڈالو  
 اللہ تمھارے عیون پر پردہ ڈالے گا، اللہ تمھارے سر سے بلند کرے گا، اللہ تمھاری خطائیں  
 کو معاف کرے گا، البیک اللہم البیک، اللہم البیک تو جہت و علیک تو کلت  
 و جہت اسودت فاجعل ذنبی مغفورا و جہتی مبرورا و اسحق و لا تقبضنی  
 و اقض بعمرات حاجاتی انک علی کل شیء قدير

خواجه حافظ نے مدت ہوئی فرمایا تھا،

اللہ اس ہونہار نوجوان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اسے کچھتہ دیندار مسلمان بنادے۔ انجمن خدام النبی کے کارکن بڑی ثبت اور سیر شہسپ کے ساتھ عابیون کو برف و شربت سے سیراب کرتے ہوئے دکھائی دیئے، کاشش سرکار و امداد کے محکمہ حافظہ جاج میں اتنی ہی ہمدردی و انسانیت ہوئی انگستون کے اقطاع کے بعد بھیارہ خانہ میں جم لوگون کی بھی ڈاکٹری ہوئی، یعنی پر اسے نام ہماری نیشن پر ہاتھ رکھ کر دو سکند میں اس سواک کو ختم کر دیا گیا، اور عسر کے آخر وقت تک کے سب عابی جہاز پر سوار ہو گئے، نبوی اقداد قریب پندرہ سو کے پہونچی، اس وقت سے لیکر شب کے گیارہ بجے تک جو جہاز کے پیوٹے کا وقت تھا، انسانوں کے اتنے بڑے مجمع کو تین بوڑھے دبے ہندرت اور پیارا توانا اور کمر در سبھی تھے حواج بشری سے بالکل پاک اور منظرہ فرض کر لیا گیا، گویا جہاز کا عرشہ جنت کا صحن تھا، جہاں کسی کو قضاے حاجت کی ضرورت نہ پیش آئیگی، جہاز میں پیشاب اور پاخانے کی جگہیں مستعد رہی ہوئی تھیں، لیکن اس وقت سب کی سب مقفل تھیں، اور جب تک جہاز چھوٹ نہ لیا، بدستور مقفل رہیں! سنا کہ جہاز جب تک گودی (ڈاک) میں لگا رہتا ہے، اس اندیشہ سے کہ کہیں ساحل سمندر گندگی و غلاظت سے لبریز نہ ہو جائے، برابر اسی طرح جہازوں کے پاخانے مقفل رہا کرتے ہیں، ۳۱ بجے بھیارہ کا وقت مقرر تھا، بہت سے غریب حاجی بیچے اپنے اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت سے لیکر ۱۱ بجے تک، یعنی پورے ۹ گھنٹے کی مدت میں کمزور مٹانہ والے عابیون پر کیا گذری، کیا اس کی تصریح کی ضرورت ہے؟



سنے ہیں کہ تپتی مین ہماری مہربان سرکار کی طرف سے کوئی ٹکڑہ محفوظ حجاج بھی آیا  
 ہے، اسی غفلت کی نئی اور انوکھی صورت آج دیکھنے میں آئی کہ پیارے عوام کا لالچ  
 کا ذکر نہیں، اچھے اچھے معزز ذوی مرتبت حاجی، فرسٹ کلاس کے ٹکٹ رکھنے والے  
 تیز دھوپ میں حیران و پریشان، ہجوم میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں! اور عورتوں  
 پیاریوں کی حالت اس سے بھی کہیں اتر! یہ سزا ہے یا جو جی حکومت کی طرف سے  
 اس جرم کی کہ اس میوین صدی کی روشنی میں بھی لسدن اور پیرس اور مہ او  
ویانا، آکسفورڈ اور کیمبرج، آگاسکو اور ایڈنبرا، نیویارک اور ڈاننگٹن کو چھوڑ کر  
 ریلے بیابان اور پتھرے ویرانہ کی طرف ذوق و شوق سے رخ کیا جا رہا ہے اور بی بی  
 مین یہ بے شہر ارشاد ہوا ہے، کہ حج، یا حوج کے زمانہ میں جاری رہے گا، لیکن جو  
 حکومتیں حاجیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گی، اور حاجیوں پر کیا کچھ گذرتی رہے گی، اسکا  
 تعلق سننے سے نہیں، دیکھنے سے مطالعہ سے نہیں، مشاہدہ سے، اور اخبار سے نہیں  
 تجربہ سے ہے، یہ سچ ہے، کہ اشد کے راستہ میں نکلنے والوں کے لئے ہر تکلیف عین  
 راحت اور ہر توبہ عین عزت ہے، لیکن جو یا جو جی قوتیں آج اپنے دست و بازو  
 پر نازاں ہیں، وہ سن رکھیں، کہ یہ امتحان اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کے مضبوط  
 کمر و خود شگنی کا نہیں، بلکہ خود زمین و آسمان کے پروردگار کے حکم کا امتحان ہے!

شوکت صاحب کل شب مین دہلی روانہ ہو گئے تھے، آج انکی جائی نشی زاہد سکے  
 کے حصہ میں آئی، بھپارہ اور جہاز کے سارے معرکے زاہد صاحب ہی کی مدد  
 سے ہوئے، اور اگر پرنواز پسر تمام کتہ کے پرانے مقولہ کی آج نئی تصدیق حاصل ہوئی

صبر و ضبط کا امتحان کافی ہو چکا تھا، اور وہ جو گھر سے یہ امید لیکر چلا تھا کہ وسط شوال میں انص  
 مبارک میں پہنچ جائیگا، اسے وسط شوال تک بمبئی ہی میں رکار ہونا پڑا تھا، ۲۷ و ۲۸  
 کی درمیانی شب، خاص شوق و اشتیاق میں گزری،

جمعرات ۲۸ مارچ ۱۶۰ شوال جہاز ۱۱ بجے شب کو چھوٹنے والا تھا لیکن جہاز  
 کو حکم یہ ملا تھا کہ ۸ بجے صبح اپنا سامان جہاز پر رکھ دیں، اور خود ۳ بجے سہ پہر کو بھارہ  
 (ڈس انفکشن) کے لئے حاضر ہو کر قبل مغرب جہاز پر سوار ہو جائیں، اس حکم کی تعمیل  
 میں سامان صبح روانہ کر دیا گیا تھا، لیکن اسکی روانگی میں کسی قدر دیر ہو گئی تھی، دوسرے  
 حاجی بہت قبل سے پہنچ کر ساری اچھی جگہیں اپنے اسباب سے گھیر چکے تھے، حج کا سفر  
 اللہ نے اس لئے رکھا ہی کہ بندہ کو بندہ بننے کی عادت پڑے، بندہ بندگی، ایسا وہ نفسی  
 کا سبق حاصل کرے، لیکن بندوں میں ٹھیک اس کے برعکس خود غرضیوں کا زور  
 ہوتا ہے، اور ہر شخص اسی فکر میں لگا رہتا ہی کہ دوسروں کو دھکا دیکر ڈھکیل کر  
 ڈرا دھکا کر جس طرح بھی ممکن ہو اپنے لیے بہتر سے بہتر جگہ حاصل کرے، اور دوسروں  
 کے حقوق اور انکی تکلیفوں کا مطلق لحاظ نہیں رہتا، عموماً کامیاب وہی رہتے ہیں  
 جو ہاتھ پیر کے زبردست ہوتے ہیں، یا پھر وہ جو جہاز کے ملازمون کو دے دلا کر  
 اپنا کر لیتے ہیں، سہ پہر کو ہم لوگ بھارہ گھر حاضر ہوئے، جس کی عمارت پرنس ڈاک  
 سے ایک آدھ فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، یہاں کا سامان دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی  
 حاجیوں کی جماعت اس وقت انسانوں کی جماعت نہ تھی، بھیڑ بکریوں کا ایک  
 غول تھا، جسے پولیس کے کانسلبل، اور شفا خانہ کے ملازم جس طرح چاہیں ہار بیٹھ

## باب (۳)

### جہاز

جہاز کی روانگی کی تاریخ خدا معلوم کتنی بار بدلی، ہماری اطلاع میں براہ راست کمپنی کے دفتر سے موصول شدہ ہوتی تھیں، نر نار سین کے دفتر میں ایک صاحب قاری محمد بشیر اعظم گڑھی بڑے کام کے اور مستعد آدمی ہیں، وہ بیچا سے ہمارے ہر کام کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، اس پر بھی ہر اطلاع غلط ہی ثابت ہوتی رہی، اور روانگی برابر ٹلتی رہی، اس میں خاصہ تصور ہم لوگوں کا بھی تھا، جو اپنی ناواقفیت اور نا تجربہ کاری سے حاجیوں کے جہاز کو ریل پر قیاس کئے ہوئے تھے، ان جہازوں کے چھوٹے ہیں، بہت سے ایسے سوئرات کام کرتے رہتے ہیں، جبکا کئی روز قبل سے صحیح اندازہ کر لینا، کمپنی کے افسروں کے اختیار سے باہر ہوتا ہے، اس لئے بہت قبل سے کوئی تاریخ قطعی طور پر متعین نہیں ہو سکتی، بہر حال ایک آدھ روز قبل متعین طور پر معلوم ہوا کہ جہاز اکبرہ مارچ کو روانہ ہوگا، یہ جہاز کچھ ایسا پرانا نہیں، سسٹن کا بنا ہوا ہے، اور کمپنی کے جہازوں میں اوسط درجہ کا ہے، وزن ۴۳ ٹن ہے، سسٹن میں خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء کے معزز ارکان و فداوی جہاز پر گئے تھے، روانگی کی تاریخ کا بالآخر تعین منکر مایوس اور پریشان حال حاجیوں کی جان میں جان آگئی، ہم لوگ بھی انتظار سے اکتا چلے تھے

سکتے گلاس کیلئے ۵۰ روپے آمدورفت ٹکٹ بین ہوائی ہزار اور  
 فرسٹ کلاس کیلئے ۵۰ روپے کی مدت جیسے ہوائی  
 جہاز کے ٹکٹ ملتے وقت وہ ہفتہ پیش نظر ہو جاتا ہے، جو کسی سال کے زمانہ میں  
 ریاست اسٹیشنوں پر تھرڈ کلاس کے ٹکٹ گھروں کا ہونا چاہو وہی ریل پیل، وہی  
 وٹکم دھنکا، وہی انسانیت کی جگہ حیوانیت کی نمائش اور غالبہ ہجیر پاسپورٹ پیل  
 کرنے کا معرکہ اس پر مسز ادا، لیکن ہاؤ کون کے متقین مخالفت کیسٹی کا وجود ہے  
 رقت ثابت ہو کر رہا، ع.

مل این نکتہ ہم از دوسے نگار آفر شد:

مولا ناشوکت علی اور دوسرے کارکنان مخالفت کی شکار ہو تو جہ نے اس  
 شکیل کو آسان کر دیا اور گھر بیٹھے ہم لوگوں کو پاسپورٹ اور ٹکٹ حاصل ہو گئے

بمبئی اور کراچی میں جاجیوں کی جہازی کمپنیاں تین ہیں، پہلی لائٹن انمازٹی اور  
 شوسترٹی، انمازی اور شوسترٹی مسلمانوں کی ہیں، لیکن ان پر شتر کہ کمپنیوں کا اطلاق کھل  
 ہی ہو سکتا ہے، خصوصاً شوسترٹی تو بہت ہی چھوٹی ہے، پہلی لائٹن کسی زمانہ میں مسلمانوں  
 کی تھی، اب اس پر تمام قبضہ اس کے ایجنٹ مسٹر ٹرنر مارلین اینڈ کمپنی کا ہے، دراصل  
 ان سب کے جہاز مال لادنے کے ہیں، اور سال کے بیشتر حصہ میں یہی کام کرتے بھی  
 رہتے ہیں رجب کے موسم میں انھیں مال گاڑیوں کو سواری گاڑی بنادیا جاتا ہے، اور  
 ان پر بے جان مال و اسباب کی جگہ جاندار جاجیوں کو لاداجانے لگتا ہے، ٹرنر مارلین  
 کمپنی کے چھ ڈاکٹر ہیں، ان میں صرف ایک مسلمان ہیں باقی پانچوں انگریز کمپنی  
 کی شاخیں رنگون سے لیکر سوئٹزمک، بنگال، بحر ہند، خلیج فارس، بحر عرب،  
 بحر روم، میں ۲۳ مختلف مقامات پر قائم ہیں، کارکن زیادہ تر انگریز ہی ہیں،  
 لیکن بحرین، بندر عباس، بوشہر، جدہ، کراچی، کویت، سکلا، وغیرہ میں مسلمان  
 ایجنٹ ہیں، بمبئی کا ایجنٹ براؤن نامی ایک انگریز ہے، لوگ اس کے مزاج و اخلاق  
 کی تعریف کرتے ہیں، کمپنی آٹھ جہازوں کی مالک ہے، اور جہازوں کی تعداد انیز عام  
 انتظامات کے لحاظ سے دوسری کمپنیوں سے بڑی اور بہتر ہے، اسی کمپنی سے سفر  
 کرنا طے پایا، اب تک اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مقابلہ کی کشمکش کے وقت بعض کمپنیاں  
 اپنا کرایہ بہت گھٹا دیتی ہیں، اب کی یہ صورت اس وقت تک نہ تھی، اور نہ آئندہ  
 اسکی توقع رکھنی چاہئے، ہر کمپنی کا کرایہ یکساں اور بڑی سی بڑی سرکاری شرح  
 کے مطابق تھا، یعنی ۱۔

تیسرے درجہ کیلئے ۱۹۵ روپیہ آمدورفت دکفایت واپسی ہی کے

اور عنایتین، رسمی شکریہ کی حدود سے بالاتر ہیں،

اکثر حاجیوں کے سامنے ایک سوال، روپیہ کے رکھنے کا ہوتا ہے، نقد روپیہ سب اپنے ساتھ رکھنے، تو خواہ مخواہ ایک بار اور ہر وقت کی فکر حفاظت کا اضافہ ہوتا ہے، ہندوستان میں متعدد کوٹھیاں اور ایجنسیاں ایسی ہیں جہاں روپیہ بانی جمع ہو جاتا ہے اور حجاز میں بحفاظت تمام لجاتا ہے، ادہلی کے حاجی علیجان مرحوم کی کوٹھی، اس بارے میں قدیم اور سب سے زیادہ مشہور ہے، ان کا کاروبار بڑے پیمانہ پر ہے، اور مکہ و مدینہ دونوں جگہ ان کے معزز و دیانتدار کارکن موجود ہیں، ہم لوگوں کو اس توسط کی ضرورت نہیں پڑی، ہم نے اپنا بیشتر روپیہ عیسائی کے مشہور سٹیج محمد عمر بھائی چاند بھائی عازن جمعیتہ خلافت (ناگد لوی اسٹریٹ) کے حوالہ کر دیا، اور جدہ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، ان کے ایجنٹوں کے نام چٹیاں لے لیں، تھوڑا سا روپیہ شیخ ابراہیم عبد اللہ الفضل (نیو کوننس روڈ چوپاٹی) کے پاس بھی جمع کرادیا، یہ ذریعہ بھی بہت معتبر ہے، شیخ عبد اللہ الفضل نجدی الاصل ہیں، اور سلطان ابن سعود کے خاص مقرّبوں میں ہیں، ان کے ایک بھائی شیخ عبد الرحمن الفضل، جدہ کے مشہور تاجر ہیں، اور دوسرے بھائی محمد الفضل مکہ معظمہ میں نائب گورنر ہیں، الفضل جہا سے بمبئی میں ملاقات بھی ہوئی، اب کی سال یہ بھی عازم حج ہیں، اور مجھ سے چند روز کے بعد روانہ ہونگے، جہاز پر جو لوگ چاہیں، کپتان کے پاس بھی اپنا روپیہ امانت رکھا سکتے ہیں،

بمبئی اور کراچی میں جہازوں کی جہازی کمپنیاں تین ہیں، مثل لائن انڈیا سٹی اور  
 شوستر سٹی، نمازی اور شوستر سٹی مسلمانوں کی ہیں لیکن ان پر مشترکہ کمپنیوں کا اطلاق پھیل  
 ہی ہو سکتا ہے، خصوصاً شوستر سٹی تو بہت ہی چھوٹی ہے، مثل لائن کسی زمانہ میں مسلمانوں  
 کی تھی، اب اس پر تمام تر قبضہ اس کے ایجنٹ مسٹر ٹرنر مارین اینڈ کمپنی کا ہے، دراصل  
 ان سب کے جہاز مال لادنے کے ہیں، اور سال کے بیشتر حصہ میں ہی کام کرتے بھی  
 رہتے ہیں، مچ کے موسم میں انھیں مال گاڑیوں کو سواری گاڑی بنادیا جاتا ہے، اور  
 ان پر بے جان مال و اسباب کی جگہ جاندار جہازوں کو لاداجانے لگتا ہے، ٹرنر مارین  
 کمپنی کے چھ ڈائریکٹر ہیں، ان میں صرف ایک مسلمان ہیں باقی پانچوں انگریز کمپنی  
 کی شاخیں رنگون سے لیکر سوئٹزرلینڈ، بنگال، بحر ہند، فلپین، فارس، بحر عرب،  
 بحر روم، چین، مختلف مقامات پر قائم ہیں، کارکن زیادہ تر انگریز ہی ہیں،  
 لیکن بحرین، بندر عباس، بوشر، جدہ، کراچی، کویت، مسکٹا، وغیرہ میں مسلمان  
 ایجنٹ ہیں، بمبئی کا ایجنٹ برادون نامی ایک انگریز ہے، لوگ اس کے مزاج و اخلاق  
 کی تعریف کرتے ہیں، کمپنی آٹھ جہازوں کی مالک ہے، اور جہازوں کی تعداد نیز عام  
 انتظامات کے لحاظ سے دوسری کمپنیوں سے بڑی اور بہتر ہے، اسی کمپنی سے سفر  
 کرنا طے پایا، اب تک اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مقابلہ کی کشمکش کے وقت بعض کمپنیاں  
 اپنا کرایہ بہت گھٹا دیتی ہیں، اب کی یہ صورت اس وقت تک نہ تھی، اور نہ آئندہ  
 اسکی توقع رکھنی چاہئے، ہر کمپنی کا کرایہ یکساں اور بڑی سی بڑی سرکاری شرح  
 کے مطابق تھا، یعنی:—

تیسرے درجہ کیلئے ۱۹۵ روپیہ آمدورفت (کفایت واپسی ہی کے

اور عنایتیں، سبھی شکر یہ کی عدد سے بالاتر ہیں،

اکثر حاجیوں کے سامنے ایک سوال، روپیہ کے رکھنے کا ہوتا ہے، نقد روپیہ سب اپنے ساتھ رکھتے، تو خواہ مخواہ ایک بار اور ہر وقت کی فکر حفاظت کا اضافہ ہوتا ہے، ہندوستان میں متعدد کوٹھیاں اور اخیان ایسی ہیں جہاں روپیہ بانی جمع ہو جاتا ہے اور حجاز میں بحفاظت تمام لجاتا ہے، ادہلی کے حاجی علیجان مرحوم کی کوٹھی، اس بارے میں قدیم اور سب سے زیادہ مشہور ہے، ان کا کاروبار بڑے پیمانہ پر ہے، اور مکہ و مدینہ دونوں جگہ ان کے معزز و دیانتدار کارکن موجود ہیں، ہم لوگوں کو اس توسط کی ضرورت نہیں پڑی، ہم نے اپنا بیشتر روپیہ ممبئی کے مشہور سٹیٹ محمد عمر بھائی چاند بھائی خازن جمعیت خلافت (ناکد لومی اسٹریٹ) کے حوالہ کر دیا، اور جدہ مدینہ منورہ، و مکہ معظمہ، ان کے اخیانوں کے نام چھپان لے لین، تھوڑا سا روپیہ شیخ ابراہیم عبد اللہ الفضل (نیو کونس روڈ چوپاٹی) کے پاس بھی جمع کر دیا، یہ ذریعہ بھی بہت معتبر ہے، شیخ عبد اللہ الفضل نجدی الاصل ہیں، اور سلطان ابن محمود کے خاص مقررات میں ہیں، ان کے ایک بھائی شیخ عبد الرحمن الفضل، جدہ کے مشہور تاجر ہیں، اور دوسرے بھائی محمد الفضل مکہ معظمہ میں نائب گورنر ہیں، الفضل صاحب سے ممبئی میں ملاقات بھی ہوئی، اب کی سال یہ بھی عازم حج ہیں، اور مجھ سے چند روز کے بعد روانہ ہونگے، ہزار پر جو لوگ چاہیں، کپتان کے پاس بھی اپنا روپیہ امانت رکھا سکتے ہیں،



ہوتی تھیں، لیکن ہر پچھلی اطلاع پہلی اطلاع کو خیر مستند و غیر مستبر ثابت کر دیتی تھی۔  
 انسانی خودی کا سب سے بڑا منظر اس کا ارادہ ہوتا ہے، اسی ارادہ کو چکنا چور کیا جاتا  
 ہے، مغرور و نادان انسان، حج کے قصد سے نکلا ہے، پھر بھی اپنے ہی ارادہ کو غالب  
 و حاکم رکھنا چاہتا ہے، اپنی بے بسی کے اعتراضات اور اپنی ہیج ماگی کے اقرار کو اٹھا  
 ہے، پھر بھی اپنی ہی کو اختیار و قدرت و الٰہیت کرنا چاہتا ہے، عبودیت و بیچارگی، بندگی  
 و عیسٰی کا سبق لینے کو چلا ہے، پھر بھی اپنی ہی خدائی قائم رکھنا چاہتا ہے۔  
 انکار و افتقار اور مانگی و شکستگی کی تعلیم اگر اس سفر میں بھی نہ ہوگی، تو کب ہوگی؟

بازہ دن تک ہماری پوری پارٹی در الخلافۃ میں ہمان رہی، ہمانی کے یہ منی  
 نہیں کہ اتنے روز تک ہم سب کا بار خلافت فنڈ پر پڑتا رہا، اس کے برعکس ہم سب کے  
 کھانے پینے کے بل برابر تیار ہوتے رہے، اور چلتے وقت ہم سب اپنے اپنے حسابات  
 آنے پانی سے بچا کر کے آئے، بلکہ اکثر ہمانوں نے اصلی حساب زائد ہی خلافت فنڈ  
 کی خدمت میں نذر کر دیا جس قدر کفایت یہاں ٹھہرنے میں ہوئی، ہمیں کے کسی  
 ہوٹل میں ممکن نہ تھی، اور جس قدر آرام یہاں ملا، یہ بھی اتنے خرچ میں ہمیں کے  
 کسی ہوٹل میں ممکن نہ تھا، مولانا شوکت علی ہر وقت جس طرح خاطر داریوں میں  
 گئے رہتے تھے، اور ان کی وجہ سے ہر معاملہ میں جتنی سہولت رہی، اس کا شکر یہ الفاظ  
 کے ذریعہ سے ادا کرنا دشوار ہے، عزیز زاید علیخان سلجوقی، ہمشک نہیں، اس باب  
 میں شاید باپ سے بھی کچھ قدم آگے ہیں، مولانا عرفان (ناظم ایارات خلافت) فرما  
 ریڈیٹر روزنامہ خلافت، مولوی عزیز الرحمن صاحب دہلوی، ان سب کی کوششیں

(تاجر چوب) اور اُن کے صاحبزادے میان سراج احمد سے ملی جھپون نے اپنے وقت اور اپنے موٹر کوئی دن کئی کئی گھنٹے ہم غریب لوطنوں کی خدمت کے لئے وقف رکھا اور جن کی رہبری سے ہر سوئے میں بڑی کفایت رہی،

جج اور سفر جج صحیح معنی میں ایک مجاہد ہے، خودی پر ضرب پوری قوت و شدت کے ساتھ پڑتی ہے، اور بندہ کو بندگی پوری طرح سکھائی جاتی ہے، اسی کا ایک کرشمہ ہے کہ بندہ کا ارادہ قدم قدم پر توڑا جاتا ہے، اور کوئی نقشہ اوقات (پروگرام) خواہ کتنے ہی غور و فکر کے بعد تیار ہوا ہو، سالم و ثابت نہیں رہنے دیا جاتا، دریا باد سے قصد یہ تھا کہ موٹر لاری پر روانگی ہوگی اور راستہ میں بانسہ کی مشہور و متبرک درگاہ یہاں صاف دیا گیا ہو لکھنؤ پہونچو ننگا، لاریاں دریا باد سے روزانہ ایک نہیں تین تین روٹن ہو تی رہتی ہیں اگر اس روز ہر اسکا نی تلاش و کوشش کے بعد ایک بھی نہ مل سکی، مجبوراً ٹرین سے روانہ ہونا پڑا، گاڑی اس قدر لیٹ آئی، کہ راستہ میں اتر کر بانسہ حاضر ہونے کا وقت باقی نہیں رہا، یہ سب کچھ تو عین آغاز سفر کے وقت پیش آیا تھا، لکھنؤ سے سرشوال کو شب کے وقت روانگی کا قصد مصمم تھا، ۲۱ کی سہ پہر کو بمبئی سے تار پہونچا کہ تہا زابھی نہیں جا رہا ہے، چند روز کے لئے ارادہ ملتوی کر دیا اسی وقت جوابی تار دیکر مزید تفصیل دریافت کی، ۲۳ کی دوپہر تک کچھ جواب نہ ملا دفتر خلافت کو ٹیلیفون دینا چاہا، معلوم ہوا کہ ٹیلیفون کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے، غرض روانگی سے صرف چند گھنٹے قبل تک تذبذب و تردد ہی رہا تھا، یہی صورت بمبئی میں بھی قائم رہی، ہر روز جہاز کے دفتر ہی سے مستند و معتبر اہل عین موصول

میسٹریں قیام بارہ دن کرنا پڑا، جہاز کی روانگی کی روز امید بندھتی تھی مگر  
 ہر صبح کی خبر شام کو غلط نکلتی تھی، یہ بارہ دن کی مدت ضروریات سفر کی فراہمی اور  
 سامان کی خریداری میں گزری، حجاز میں اب ہر قسم کی چیزیں ملنے لگی ہیں، جہاز پر  
 بھی کھانے کا کافی اہلہ انتظام ہو گیا ہے، اس لئے سامان بجائے زیادہ لیجانے کے،  
 کم سے کم لیجانا چاہئے، اور نہ ایک تو بار برداری میں خرچ اچھا خاصہ پڑ جاتا ہے،  
 دوسرے اس کی حفاظت و نگہداشت کی فکر میں قلب کو ہر وقت تشویش رہا کرتی  
 ہے، اور پھر چیزوں کے ٹوٹنے پھوٹنے سے نقصان الگ ہوتا رہتا ہے، چنانچہ یہی  
 ارادہ تھا کہ سامان بہت مختصر اور ہلکا لیا جائیگا، اور اسی ارادہ سے میسٹریں کے  
 بازاروں میں خریداری کے لئے نکلے، لیکن پھر بھی سوال آدمیوں کی ضرورتیں،  
 پیش نظر تھیں، ہوتے ہوئے کل سامان کا انبار اچھا خاصہ ہو گیا، بستر کپڑوں  
 کے کئی کئی جوڑے (اگر ایک آدمی دو رنگین جوڑے بھی ساتھ رہے تو بہت آسانی  
 رہتا ہے) اور پیش بندھی، بنجارہ وغیرہ کی مجرب دو این، گھر سے ہمراہ لیکر نکلے تھے  
 باقی سامان میسٹریں خرید کیا، ہر شخص کی ضروریات سفر دوسرے سے مختلف  
 ہوتی ہیں، تاہم حسبِ میل سامان میسٹریں سے خرید کر ناغائے اعلیٰ العوم مفید ثابت ہوا  
 احرام کی چادرین (یا تو لے،) ٹک چیر (کپڑے کی کرسی) تھراس، چٹائی،  
 (بہت کام آتی ہے) ٹارچ (چوربے)، لائین، ہیڈ لیمپ، ٹنگیٹی، کولہ، کیتلی، مین کا  
 بیاد پانی رکھنے کے لئے) مشکیزہ، ہنجد و دودھ، اولیا، ستو، کچڑی، چائے، اور بیل،  
 اور جنکو فروش پر سونے میں زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہو وہ سفری چار پائی ان بھی  
 خرید لیں، اس سارے سامان کی فراہمی میں بہت زیادہ مدد سیٹھ محمد روشن صاحب

کے ساتھ ہی ساتھ نہیں کی جانب بھی اشارہ تین جو بے بین، غصے میں تھے، ان کے پاس سے  
 گزرتے ہوئے، اور ان کے لئے بیان گھونٹا، اب وہ بیان تو ان کے لئے تھی، چنانچہ  
 سر سے ترک کر دیا گیا تھا، یہ بیان ایک کریم و مہذب انسان کے لئے نہ تھا  
 کے باوجود اس نے ان کو اتنا تک ہتھکنڈا لٹا دیا، اور اپنے دماغ پر ہمدردی  
 کی توشل تک بھی نہیں دیکھی تھی، یہ عیبت تو ان کی ہی تھی، چنانچہ اس کی نسبت اور قدر  
 جس گروہ کے دل میں اللہ نے ڈال دی تھی، اس کی نفرت اپنے رہنے کو مزید  
 تھا، بالآخر ان محبت کرنے والے بھائیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، خود اپنے  
 اپنے کاروبار کا سرچ کر کے آتے تھے، اور اپنے گھر میں پرانی کرکٹ بال کھاتے تھے  
 ویرمی میں اللہ میں عمارت، ہمارے لیے کے ایک قابل فخر گریجویٹ ہیں، اور اب  
 اپنا ایک روزانہ، بننا بھی نکال رہے ہیں، انھوں نے دو مہینے برادری کے ایک  
 نوجوان احمد عبداللہ غریب صاحب نے سادگی و خلوص کے ساتھ دعوت شریعہ کو  
 لکھا دیا، ان کے ہاں کی سادگی کا پورا تقابلہ جانی قابو نور محمد چوہدری صاحب نے پورا  
 کی نیافت کے تکلفات نے کر دیا، مہمانی صاحب کو پتہ سے خدا معلوم کیونکہ اتنا  
 حسن ظن پیدا ہو گیا، پہلے قیام کا ہر تحائف لیکر آئے، پھر اپنے ہاں دعوت دعوت  
 و دعوت سے کی، اور پھر ہمارے پر بھائیوں کی بڑی سی نوکری خود لیکر آئے، اور ہر ہفت  
 پر یہ خوش ہو رہا تھا کہ وہ اپنی طرف سے کسی عنایت یا احسان کا احساس مطلق  
 نہیں رکھتے، بلکہ اپنی خدمت گزاروں کو اپنے لئے باعث فخر و سرمایہ سعادت  
 سمجھ رہے ہیں!

اس طرح مل ملا کر ہم سب سٹول آدمی ساتھ تھے، لیکن میرا اصلی قافلہ وہی چھ آدمیوں کا تھا، سفرِ حج کا ساتھ بڑا نازک ساتھ ہوتا ہے، اچھے اچھے گھڑے دو منوں کی مدد العمر کی دوستیان اس سفر میں ٹوٹے دکھیں ہیں، اور بھائی سے بھائی کو، باپ سے بیٹے کو، پیر سے مرید کو، اس سفر میں چھوٹ جاتے سنا، اسی خوف سے میں نے شروع سے بڑی احتیاط رکھی، کہ قافلہ بہت بڑا نہ ہونے پائے، اور جو لوگ ساتھ ہوں بھی وہ حتی الامکان اپنا اپنا انتظام دوسرے سے ملحدہ رکھیں، آئندہ کے تمام عازمان حج کی خدمت میں مخلصانہ گزارش ہو، کہ جب تک کسی دوست یا عزیز پر یہ اعتماد نہ ہو کہ وہ غیر معمولی تحمل و بے نفسی و صفات اطاعت و انقیاد کا مالک ہو، ہرگز اسے شریکِ قافلہ نہ بنایا جائے، اور کھانے پینے اور ہنسنے کا الگ الگ انتظام تو واجبات میں سے ہے۔

بہی میں شروع شروع بحمد اللہ اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب رہا، لیکن قیامِ جون چون بڑھتا جاتا تھا، اخفاء کا اہتمام دشوار تر ہوتا جاتا تھا، آخر ایک وزیرِ صاحب یہ پیام لیکر آئے، کہ انگریزی روزنامہ انڈین ڈیلی میل کے نمایندہ صاحب مع کیمبرہ کے تشریف لانے کا ارادہ فرما رہے ہیں یعنی میرا بیان شائع کرنے کیساتھ ساتھ مجھ عجیب مخلقت کی تصویر سے بھی روشن خیال ناظرین کی ضیافت طبع کی جائیگی، گویا اگر کے اس الہام کی ایک تازہ شرح شائع ہو کر نیکی، ۵

عشق کو بھی مال تجارت سمجھ لیا، اس قدر کو ملاحظہ شد کیجئے،

بھرتے ہیں میری آہ کو فوٹو گراں میں، کتے ہیں فیس لیجے اور آہ سیجے؛

بیان بجائے فوٹو گراں کے فوٹو گراں سے کام لیا جانے والا تھا، اور پیام

## باب (۲) میسٹی۔ جہاز

سفر کا ایک اہم جزو اور فعا<sup>۲</sup> سفر ہوتے ہیں اسفر ج میں یہ اہم جزو بہت زائد اہم<sup>۲</sup> ہے، میں نے جس وقت سے سفر ج کا ارادہ کیا تھا، اسی وقت سے بیوی بھی آمادہ تھیں اور آمادگی محض زبان تک محدود نہ تھی، بلکہ اپنا زیور علیحدہ کر کے روپیہ کا بھی انتظام کر لیا تھا، خوشدامن صاحبہ والدہ خان بہادر شیخ مسعود الزمان بیرسٹر باندہ، بھی عرصہ سے تیار تھیں، میرے آرام کے خیال سے انھوں نے ایک مرد ملازم میرے ہی گھر کا پروردہ ہمراہ لیا، اور اچھوڑ کر ایک عزیزہ بہن ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھیں میری درخواست پر ان کے حقیقی بھائی بھی جو حیدر آباد میں نصف ہیں بڑی تیزی و مستعدی کے ساتھ آمادہ رفاقت ہو گئے، اس طرح میرا اصلی قافلہ کل چھ شخصوں کا ہوا، جب کا کھانا پینا ایک ساتھ تھا، لکھنؤ کی ایک اور عزیزہ (بیوہ ڈپٹی نہال الدین احمد مرحوم) بھی مع اپنے بھائی شیخ حیدر علی قدوائی کے ہمراہ ہوتی تھیں، ان کے علاوہ گویہ کے مولوی عبد الباری صاحب ندوی (استاد جامعہ عثمانیہ) مع اپنے والدین اور چار دوسرے اشخاص کے ہمراہ ہوئے، اور اسی قافلہ میں مولانا سید مناظر حسن صاحب (شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ) بھی شامل تھے، جب کا تعارف ناظرین سچ سے بالکل غیر ضروری ہے،

اور بے قراری، الجھاگ، دوڑ، شور و فل، پیچ پکار، شورش و اضطرابِ اِدن کو چین نہ رات  
 کو سکون، اور اسی کا نام اس دور یا جو جی میں ترقی و تہذیب ہے، ہجرت صرف اس  
 پر ہے کہ اس غلبہ یا جو جیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجدین کیونکر اس قدر آباد  
 و پر رونق ہیں اور اتنے نمازی اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے ہیں!







زبان آرام دہ ہے، اس کے واروئے مولوی حضرت اللہ صاحب جن کے چہرہ کی نور  
ان کی باطنی پاکیزگی کا آئینہ ہے، اور ان کے نائب منشی عبدالستار صاحب سچ کے غائب  
کرم فراؤن میں تھے، خیالی تھا، کہ قیام اسی مسافر خانہ میں ہوگا، ۱۱۲ھ میں والد  
مابد مرحوم مع والدہ صاحبہ کے جب حج کو تشریف لے گئے تھے، تو وہ بھی یہیں مقیم  
ہوئے تھے، لیکن ابھی بڑا ایشیسن دور تھا، اور پوری طرح صبح بھی نہیں ہونے  
پائی تھی کہ بھائی کلہ ایشیسن پر مولانا شوکت علی مع اپنے رفقاء کے نمودار ہوئے،  
اور حکم ہوا کہ وکٹوریہ ٹرین پہنچ کر دانا کھانا چلنا ہوگا، کس کی مجال تھی کہ بابائے خلافت  
کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔

دارالخلافہ کوئی مسافر خانہ یا ہمان سرا نہیں، مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر  
کا نام ہے، خدا کا شکر ہے کہ گرایہ پر ہتیار روپیہ صرف کرنے کے بعد اب جمعیت خلافت  
کے پاس اپنا ذاتی مکان ہو گیا ہے، یہ مکان بھائی کلہ ایشیسن سے دو فرلانگ پر،  
لولین (کسی نے اس کا ترجمہ "کوئے جاناں" خوب کیا ہے) میں واقع ہے، وسیع  
دو منزلہ عمارت، صحن کشادہ، خاموش و پرسکون فضا، میٹھی مین ایسی عمارت  
ہا تھا آج ناخوش قسمتی ہے، مرکزی عمارت کے حصہ زیرین میں دفتر جمعیت خلافت  
و دفتر روزنامہ خلافت، بالا خانہ پر مولانا شوکت علی کی فرودگاہ "نیز" "موز" "مذب"  
ہمانوں کے لئے آراستہ و مرصع ڈرائنگ روم، اور دوسرے کمرے یہاں یہ  
سوال نہ پیدا کیجئے کہ جمعیت خلافت کو ان پر تکلف آرائش و زیبائش سے کیا واسطہ  
قرن صحابہ کی خلافت راشدہ اور چودھویں صدی ہجری کی خلافت کمیٹی میں اب کیا

نزدک کے علماء، انگریزی کالجوں کے پروفیسر اور طلبہ، فرنگی محل کا سارا خاندان، اہل عام اجتماع  
 و اعزہ۔۔۔۔۔ کوئی کس کس کے نام گنائے، اور سب کی مکمل فہرست یاد رکھنے  
 کا دماغ کس کو بربطے اور بچھوٹے، عالم اور عامی، سب جس خلو میں و محبت کیساتھ  
 رخصت کیا ہے، اس کی یاد کا نقش جلد ٹٹنے والا نہیں، اعادیت بنوی میں جمعرات  
 اور ہفتہ کا سفر مبارک بتایا گیا ہے، کریم کی کرمی ملاحظہ ہو، کہ دریا بادیٹیشن ہے  
 گاڑی ایسے وقت بچھوٹی، کہ چار شنبہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور شب چنبہ کا آفتاب  
 ہونے کو تھا، اور لکھنؤ سے روانگی کے وقت شب شنبہ کو شروع ہوئے کئی گھنٹے گذر  
 چکے تھے، راستہ میں بھوپال اسٹیشن پر دو بستوں اور عزیزوں ہی نہیں، بلکہ ایسے  
 ہر بانوں نے بھی جنکی خدمت میں اس کے قبل نیاز تک حاصل نہ تھا، جس  
 مسافر نوازی کا ثبوت دیا، اس کا سادہ مضامین مجر د عمارت کے اور کیا ہو سکتا ہے، اللہ  
 تعالیٰ سب کو دارین میں فائز المرام کرے!

۱۰۔ یارچ، یکشنبہ کو علی الصبح بمبئی پہونچے، ناوا تھون کے لئے بمبئی کا  
 مرحلہ بھی کچھ کم گھنٹن نہیں، ان پڑھ دیہاتیوں کا ذکر نہیں، اچھے اچھے پڑھے  
 لکھے شہری، اگر انکا کوئی دوست یا شاہان مہمان موجود نہیں تو پہلی دفعہ بمبئی  
 پہونچکر حکمرا جائے ہیں، بمبئی میں حاجیوں کے لئے متعدد وسیع آرام دہ مسافر خانے  
 بنے ہوئے ہیں، جہاں آدمی بغیر کسی کرایہ کے ٹھہر سکتا ہے، حاجی سیٹھ صاحب و صلیق  
 مرحوم کا مسافر خانہ کراؤ مارکٹ (جہاں دنیا بھر کی چیزیں بجاتی ہیں) سے متصل  
 اور برٹس اسٹیشن (دکن ٹوریہ ٹرنس) سے چند فرلانگس کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ سب

کر دی تھیں یکم شوال کو بعد اداے ظہر، اربعہ سنوٹہ و ماٹورہ پڑھتا ہوا، گھر سے باہر نکلا مسجد سے رخصت ہوا بعد اعلیٰ حضرت شیخ محمد آغاش چشتی نظامی (دم شہید) اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان اساری دینا کے مسلمانوں کی طرح، اس وقت سخت باہمی زور آزمائی میں مصروف تھے، ہر فریق دوسرے کی عزت و آبرو کا دشمن، یہاں تک کہ آج عید کا دن بھی انھیں مچلنے لگا سکا تھا، لیکن مقلب القلوب کی کار سازی، کہ اپنے ایک ناکارہ و تنگ بین ہو وطن کو رخصت کرنے کے لئے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہو گیا، عین عید کی مشغولیت میں تیز دھوپ میں پایادہ سب کا دو میل تک آنا اور ہر ہر قدم پر اپنے جوش و محبت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی،

وطن سے روانگی کے بعد پہلی منزل ٹھٹھہ کی تھی، اور ٹھٹھہ بھی اپنے گونا گون تعلقات کے لحاظ سے بمنزلہ وطن ہی نہ ہے، یکم شوال کو شب میں یہاں پہونچے تھے، اور ۲ شوال (۱۵ مارچ) یوم جمعہ کو شب ہی میں یہاں سے روانہ ہوئے، دوپہر کے بزرگوں اور دوستوں کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا، تو ٹھٹھہ اس لمحہ تک، کہ جب تک دس بجے شب کو گاڑی چھوٹ نہ لی، برابر جاری رہا، امام مسیحی کے روپیئے اور ناشتہ کے خوان پر خوان چلے آ رہے ہیں، اور رخصت کرنے والوں میں شہر کے نامور پیرسٹر اور وکلاء اطباء اور ڈاکٹر، اخبارات کے اڈیٹر، رسالوں کے مدیر

لے مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر اردون خان شروانی (جامعہ غنائیم) مولوی نظیر الملک، جہاں علی و مولوی شاہ محمد ایاس برنی کی امداد اس سلسلہ میں شکر گزاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے،

تہیستی تھی تو اسی توشہ راہ سے اول بچک یا طبیعت رکی، ارادہ کا قدم ڈنگایا، مگر معاً  
یاد آیا کہ وہ خدا سے قدیر و حیم جو ہر روز تاریکی کو نور میں بدلتا رہتا ہی، سرطے ہوئے فضل  
اور عنفوت پھیلانے والی کھا دے طرح طرح کے رنگارنگ گل بوٹے، پھل پھول میوے  
اور غلے وغیرہ اگاتا رہتا ہی، بیجانوں میں جان پھونکتا رہتا ہی، کیا وہ تباہ کاروں کو اپنے  
دریائے حاضری کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہیں؟ کیا وہ ماندوں اور خستہ حالوں  
کے دامن کو گہر پر مراد سے بھر دینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کیا وہ صرغ  
نیکون اور پاکون، پارساؤن اور پاکیزوں ہی کا دالی و وارث، رب اور مالک  
ہے؟ اور مدہوشانِ غفلت اس کے لطف و رحمت سے، خدا نخواستہ ہمیشہ محروم  
ہی رہیں گے؟

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، دھڑکتا ہوا دل تھا، ڈنگاتے ہوئے پیر سینھ چنڈر  
قیل حیدر آباد جانا ہوا تھا، وہاں کے متعدد اہل دل بزرگوں کی گفتگو میں اور صحبتیں  
دل میں شوق اور دلولہ پیدا کر چکی تھیں، اس سے قبل دہلی کے زندہ جاوید محبوب الہی  
نظام الدینؒ کے دربار سے اجازت مل چکی تھی، ماہ رمضان المبارک میں دیوبند اور  
تھانہ بھون کے دو زندہ خاصانِ حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہو گئی، اتنی  
ساری تائیدات غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بد بخت ازلی ہو چتا اور بچکیاں تار جاتا، تو وہ  
انسانوں کے بجائے جمادات میں شمار کرنے کے قابل تھا، عظمتِ گردہ، لکھنؤ  
اور حیدر آباد سے بعض کرم فرماؤں نے اپنے اپنے تجربوں کے مطابق  
ضروریاتِ سفر سے تحصیلِ یادداشتیں بھی مرتب کر کے روانہ

سفر سیر و تفریح کے لئے نہ تھا، تحصیلِ علوم و کمالِ فنون کے لئے نہ تھا، علمی و ادبی تحقیقات  
 نایاب کی ڈھاری تفتیش کے لئے نہ تھا، کشمیر و شملہ کا نہ تھا، لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمبرج  
 کا نہ تھا، بلکہ وہاں کے لئے بھی نہ تھا، جہاں گرج گرج کر تقریریں کیجاتی ہیں اور بھگت  
 سمجھ کر رزلوشن پاس ہوتے ہیں! سفر جلد جاتی ہوئی ریگ والی زمین کی طرف تھا،  
 گرمی کے موسم میں اس آسمان کی چھت کے نیچے تھا جس کا آفتاب تنہا ہوا ہوتا ہے تو ٹوٹا  
 اور پار کون، آبشاروں اور سبزہ زاروں کی طرف نہ تھا، خشک اور چٹیل میدانون  
 بے آب و گیاہ ویرانون، اور آگ اور خاک برسانے والے ریگستانوں کی جانب تھا!  
 ایک گنہگار امتی، اپنے شفیق اور شفیق آئینے پر حاضر ہو رہا تھا، بندے کی حاضری  
 اپنے مولا کے دربار میں تھی، بھاٹکا ہوا غلام، تھکے اور ہار کر بچھتا کر اور شرما کر پھڑپھڑانے  
 مالک کی طرف رخ کر رہا تھا، ذرہ آرزو مند تھا، کہ آفتاب کی تابش سے جگمگا اٹھے،  
 قطرے کو ہوس ہوئی کہ بحرِ بیکر ان کے وصل کا لطف اٹھائے، مشیتِ خاک کو یہ دعا  
 ہو کہ نورِ پاک کے جادو بکثون کی فرست میں اپنا نام لکھائے، جو کچھ نہ تھا اسے  
 یہ دلو کہ ہوا کہ جو سب کچھ ہے، اس سے تعلق و پیوند پیدا کیجے!

ہے آرزو کہ ابرو پر خم کو دیکھئے!

اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

حاضری کا حکم دینے والے کا حکم ہے، کہ زادِ راہ ساتھ لے کر چلو و تزدو!  
 اور خود ہی زادِ راہ کی تشریح بھی فرمادی ہی، کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، خان  
 خیر اللہ (اللقوی)، یہاں قحط تھا، تو اسی منس کا اورو می تھی تو اسی سرمایہ سے

# باب (۱)

## روانگی بمبئی

عید ہر سال آتی ہے، اب کی عید ہر سال کی معمولی عید نہ تھی، کسی کے آستانے پر فوقِ چین سائی دل کو مٹیاب کئے ہوئے تھا، کسی کے دربار میں حاضری کا دن ایک ایک کر کے گنا جا رہا تھا، رمضان ختم ہوا عید آئی، انتظار کی گھڑیاں کٹیں، وعدہ دیدار پورا ہونے کی ساعت آئی، ہجر کے بعد وصل، بھوری کے بعد حضور سی، انتظار کے بعد دیدار، پیاس کے بعد سیرابی، جس کا فرماے فطرت نے ازل سے یہ قانون رکھ دیا ہے، اسی نے ماہ مبارک کا خاتمہ موسم حج کے آغاز پر رکھا ہے، الحج ۱۲ شہر معلومات، حج کا شہور و معروف موسم عین اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب آخری روزہ اور آخری افطار آخری تاریخ اور آخری سحری سے فراغت ہو چکتی ہے، مبارک ہیں ماہ مبارک کی راتوں کی وہ بیداریاں، جو کسی کی آرزو سے دید میں بسر ہوں، اور مبارک ہیں ماہ مبارک کے بھوک اور پیاس، ضعف اور تڑپ والے وہ دن، جب کا خاتمہ کسی کی گلی کے طواف و سعی پر ہو!

انبساط عید دیدن روئے تو !

عید گاہِ ماغسریاں کئے تو !

کو سرفراز کیا بار بار! شاعر نے صدیوں پیشتر اپنی تجلی کی رو دین کہا تھا کہ

بطوات کبر فتم بہ حرم رہم نہ دادند تو بدون درجہ کر دی کہ بدون فائدہ ملی!

وہاں تو شاعری تھی پر اپنی طرت دیکھ کر دل دھڑک رہا ہے اور بہت جواب پر ہی ہے کہ کہیں ہے حق میں یہ شاعری ماہر نے حقیقت نہ بچائے ہو لی ہر یکس کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے ہر غلبہ کا آسرا تیرا ہی دستِ کرم ہے ابلا یا ہے تو اپنے در سے محروم نہ واپس کرنا! اپنے اس تہر و غضب سے پناہ میں رکھنا کہ اس آستانِ پاک تک پہنچ کر بھی تیرا بھکاری خالی ہاتھ واپس آئے! انڈھے کی آنکھیں روشن کر کے رہنا نہ ہو کہ خانہ تک پہنچ کر صاحبِ خانہ کے دیدار سے محرومی رہے نہ ہو کہ مکان پر حاضری کے بعد بھی لامکان والے مکین کی تجلیات حجاب ہی میں رہیں! بیت کے ساتھ ربانیت کے آوازِ جمالی کی زیارت نصیب ہو! مردوں کو جلانے والے مالکِ بابوں کو خوشخبری دینے والے مولیٰ ہیکسوں کی دستگیری کرے! آقا! دلون کے زخم پر مرہم رکھنے والے پروردگار! تجھ سے بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام تیرے اور تیرے عیب کے آستانِ پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہو رہا ہے! دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں!

لے خدا پاک بے انا زویا را دست گیر و جرم مارا در گزار

یاد دہ مارا سخنناے وستیق کہ ترا رحم آور داکن لے رفیق

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

گر خطا گفتم اصلاحش تو کن مصلحتی تو اسے تو اصلاح سخن

سبحان اللہ! الحمد للہ! کلا اللہ! کلا اللہ! واللہ اعلم

آداب سفر حج سے ہے کہ اس سفر کو سفر آخرت کا نمونہ سمجھے، احرام کی چادر دن کو کفن کی چادر دن کا نمونہ تصور کرے، اور چلتے وقت اپنے تمام ملنے والوں اور اپنے سے تمام تعلق رکھنے والوں سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرے، ناظرین سچ تک فرداً فرداً پہونچنا ممکن نہیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں مدیر سچ کی جانب سے خدا معلوم کتنی غفلتیں اور کتنی کوتاہیاں اب تک ہوئی ہوں گی، اور خدا معلوم کتنوں کی دل آزاریاں اور اق کے ذریعہ سے ہو چکی ہوں گی، سب کی خدمت میں بہت و بجا جت گزارش ہے کہ اپنے اس خادم کی بڑی اور چھوٹی، دانستہ اور نادانستہ ساری خطاؤں کو اللہ کے واسطے صدق دل سے معاف فرمائیں، وہ جو حاکمون کا حاکم ہے، ان کی خطاؤں کو بھی معاف فرمائیں۔ اس دربار کے سچے سفیر کی بشارتیں اور وعدے موجود ہیں،

اتماس عفو کے بعد دوسری گزارش سچ کی برادری سے یہ ہے کہ اس خادم کو دعائے خیر سے محروم نہ رکھا جائے اور زہد و قاسق سب کی سننے والے کی بارگاہ میں بار بار عرض کیا جائے، کہ اس گنہگار کو حج میرور اور زیارت مقبول نصیب ہو، حکم ملا ہے کہ توشہ خیر کا سامان رکھو، اور پھر خود ہی ارشاد ہوا ہے، کہ بہترین توشہ سفر تقویٰ ہی، (و تودود فان خیر الزاد التقویٰ) یہاں تقویٰ کا سایہ بھی نہیں پڑنے پایا، سہارا جو کچھ ہے وہ کسی رُوف و رحیم کی رحمت بے حساب اور کرم بے انداز کا ہی، اور اس کے بعد اگر کسی توشہ کی طلب ہو، تو وہ اہل دل کی دعائیں ہیں، ازیس نصیب، اس کے جس کے نصیب میں یہ توشہ آجائے!

شانِ کرمی کے حوصلے دیکھنا! کیسے نامہ سیاہ کو نواز اجار رہا ہے! کس سنگِ خلایق



کے پروردگار و مالک کا چاہا ہوگا، کیا ایک مثبت خاک اور کیا اُس کے ارادے! ارادہ کا حق تو اُسی کو ہے جس کے ہاتھ میں موت و زندگی، عافیت و سلامتی کی کنجیاں ہیں، مولائی شان کر بھی دیکھئے، کہ مولانا مناظر احسن صاحب جیسے صاحب ذوق و صاحب علم بزرگ اور بعض اور عزیزوں اور غائبوں کی بہت کی سعادت اور رفاقت کی دولت بھی نصیب میں آرہی ہے، انشاء اللہ العزیز

سچ اس مدت میں کیونکر جاری رہ سکے گا؟ افسوس ہے کہ اسکی کوئی قابل اطمینان صورت نہ نکل سکی، مجبوراً پچھلے فیصلہ کرنا پڑا، کہ اسکی اشاعت بارہ تیرہ ہفتوں کے لئے بند کر دیا جائے، چونکہ اس خادم کی واپسی کی توقع ہے، ایک آدھ ہفتہ کے آرام کے بعد شروع جولائی سے پھر اسی خدمت کا اجرا ہو سکتا ہے، البتہ وسط پیرچ سے آخر پیرچ تک پرچوں کے مضامین فراہم کئے جاتا ہوں، میری عدم موجودگی میں مولوی ظفر الملک صاحب ان پرچوں کو شایع فرما دیں گے، اس حساب سے ناظرین کو صرف تین مہینے کے لئے رحمت انتظار برداشت کرنی ہوگی، سچ سے محبت و حسن ظن رکھنے والے بھائیوں کے لئے یہ مدت بھی بہت ہی اور خوب جاتا ہوں، کہ انھیں اس قدر انتظار بھی نہایت شاق گزرے گا، لیکن سچ پوچھئے، تو اتنا کی مدت کون ایسی بڑی مدت ہے، اور سچ کا نکلنے رہنا ہی کیون اتنا اہم اور ضروری فرض کر لیا گیا ہے، جو اس کی سہ ماہہ التوا پر اس قدر رنج و غم کیا جائے! آخر

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!

دورانِ سفر میں کچھ لکھنے کی نوبت ہی کیون آنے لگی، لیکن اگر کچھ لکھنے کی نوبت آئی

تو اسکی اشاعت کے اولین حقدار روزنامہ ہمدرد (دہلی) کے صفحات ہیں،

ایاز قدر خود بشتاس عقل اس خوش قسمتی پر دنگ، خرد اس بولعجبی پر حیران!

ہے آرزو کہ ابر و پر خم کو دیکھئے!

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

لیکن ربوبیت کے عجائب کار و بار ہیں، اپنا نام رب العالمین ارشاد فرمایا ہے، رب الصالحین  
نہیں فرمایا، مرتبہ کمال پر صرف اقیانوسِ صاحبین، ابرار و اخیار ہی نہیں پہنچائے جاتے،  
ربوبیت کا تعلق اشرا و فجارت بھی ہے، دستگیری صرف نیکوں ہی کی نہیں، بدوں او  
بدتر سے بدتر بدوں کی بھی ہوتی رہتی ہے، ہوا ہے ہمار جب حلیتی ہے تو چمن کے خوشبودار  
پھولوں اور چرگاہ کی گھاس کی پتیوں دونوں کو مہکا دیتی ہے،  
اے بدرماندگی پناہ ہمار، کرم تست عذر خواہ ہمار!

غرض نیت قائم ہو چکی ہے، حج کے مہینے تین ہیں، اشوال، ذیقعدہ و عشرہ اول  
ذی الحجہ، الحجۃ اشہر معلومات، جس تایخ کو ماہ مبارک رمضان ختم ہوتا ہے، ٹھیک  
اسی تایخ سے موسم حج کی ابتدا ہو جاتی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یکم اشوال کو گھر سے نکلنا ہوگا  
اور ۳ اشوال کو ایچ ٹی کے اکسپرس سے لکھنؤ سے ممبئی کے لئے روانگی، اور ۵ اشوال کو  
ممبئی پہنچ کر مغل ممبئی کے پہلے ہماز سے عزم سفر، پہلے زیارت دیار حبیب و حاضری  
روضہ انور، جتنے دنوں تک بھی قیمت یادری کرے، پھر آغاز ذی الحجہ میں فریضہ حج  
کیلئے مکہ معظمہ، بعد اداۓ فریضہ قصد مرجعت، اور اگر زندگی باقی ہے، تو انشاء اللہ  
اول عشرہ محرم میں واپسی وطن، یہ سارے ارادے اپنے ہیں، اور بندوں کو اپنے ارادوں  
کے نفاذ پر جو قدرت ہے، اس کا حال معلوم! ہو گا وہی جو کچھ بندہ کا چاہا نہیں، بلکہ بندوں

ہے، جہاں کھڑے ہو کر اللہ کے خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے رب کی توحید کی منادی کی تھی، اور جس کی ریگ کے ذرون پر اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم آج تک ثبت ہیں!

مردیون کی حکایت دراز، اور کوتہ سخیون کا سلسلہ طویل، لیکن رحمت باری بے حساب اور فضل خداوندی بیکران، بڑے بڑے مجرم اپنی سیہ کاریوں کی پوٹ کی پوٹ بیکر آئے اور بجر کرم کے ایک قطرہ نے سارے دفترون کی سیاہیان دم بھر میں سفیدی سے بدل دیں۔ روتے کانپتے آئے اور ہنستے کھلکھلاتے واپس گئے، اقلیم سخن کے تاجدار، خسرو نادار نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے،

قطرہ ز آب رحمت تو بس امت شستن نامہ سیاہ ہمہ!

اور ایک دہقانی کج مزاج زبان نے اپنی بولی میں یوں عرض کیا ہے،

مجھے تھے سیہ کاری اپنی، دزدن حد سے دیکھا تو کرم تیرا اسے بھی سوا پاپا!

بالآخر، جس کی رحمت، بجر کرم بکر سوکھی کھیتیوں کو آن کی آن میں سرسبز و شاداب

کر دیتی ہے، اسکی شیت، اسکی تقاضی ہوئی، کہ ایک محروم عمل، مردہ قلب کو اپنے حرم خرم

کی حاضری و طوائف، اور اپنے حبیب پاک صلعم کی آرا نگاہ کی زیارت سے شرف فرمائے،

چنانچہ ارادہ ہوا، منصوبہ بند ہے، اور زبان پہلی بار لیلیٰ اللہ لیلیٰ، لیلیٰ لاشہ لیلیٰ

لت لیلیٰ کے تلفظ پر کھلی!

اللہ اللہ! کجا ایک ننگ، خلائق اور کمان وہ قدوسیون اور فورانیون والی سرزمین!

کہان ایک رو سیاہ کے ناپاک قدم اور کمان وہ مصومون اور لکوتیوں کی سجدہ گاہ!

یہ الوداع ماہ رمضان کی سالانہ الوداع نہیں، ناظرین سچ سے ان کے خادم مدیر سچ کی الوداع ہے،

حج بیت اللہ چند شرائط کے جمع ہو جانے پر ہر مسلمان پر اسی طرح فرض عین ہے، جب طرح ہر روز پانچ وقت کی نماز، یہاں نماز ہی کا فریضہ کب ادا ہو پاتا ہے، جس میں نہ کچھ خرچ ہے، اور نہ کوئی خاص محنت، کہ فریضہ حج کے نہ ادا کرنے کا رونا روتا جائے، عمر کی گھڑیاں خاموشی اور تیزی کے ساتھ گزرتی ہیں، دن بھٹون میں، ہفتے مہینوں میں، عیسے برسوں میں تبدیل ہوتے رہے، اور اس فریضہ کی ادائی کا خیال تک نہ آیا، کلام مجید کی آیات میں اور رسول برحق کی احادیث میں اخذ معلوم کتنی بار اولے حج کی فرضیت اور تاکید نظر سے گذری، اور عدم ادا حج کی وعیدیں بار بار پڑھیں، پر قلب کی غفلتوں نفس کی شرارتوں اور ہوش و خرد کی ہرزہ کاریوں نے ہمیشہ شورہ ہی دیا، کہ یہ ادا مرد احکام دوسروں ہی کے لئے ہیں، اپنے کو ان سے کیا تعلق! اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ عمر کی کتنی بیش بہا فرصتیں، اور زندگی کی کتنی جا کر نہ آنے والی مہلتیں، اسی غفلت، اسی بے حسی، اور اسی قسوت قلب کی نذر ہو گئیں!

ہندوستان کے طول و عرض میں بے شمار سفر، بہ ضرورت اور بلا ضرورت کر ڈالے، لیکن جو ایک ہی جگہ سفر کرنے اور حاضری دینے کی تھی، وہاں سر کے بل چلنا کجا، پیروں کے بل بھی جانا نصیب میں نہ آیا، بنگلوں اور کوٹھیوں، حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کے گرد چکر لگانے میں ایک عمر گزر گئی، پر وہ آستان پاک، جو اس قابل تھا کہ اس کے گرد طواف کرنے میں ساری عمر تمام کر دی جاتی، اور اسی پر پروانہ دار اپنی جان تیار کر دی جاتی، اگر دش تقدیر نے محروم رکھا تو اسی کی جبین سائی سے، ملک کے گوشہ گوشہ کی سیر کر ڈالی، پر نہ توفیق ہوئی تو ایک اس سرزمین کی زیارت سے مشرف ہونے کی، جس کی سر بلندی پر آسمان کو بھی رشک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## الوداع

واعلموا يا آل البيت (ع) الحج أشهر معلومات (قرن ١٩) ان اول بيت وضع  
للناس الذي بكة مبلى كما وعدى للعالمين فيه آيات بينات مقام ابراهيم  
ومن دخله كان آمنا والله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ومن كفر  
فان الله ضيق من العالمين (آل عمران: ٩٦)

عن عائشة انها قالت يا رسول الله نرى الجهاد افضل العمل افلا يجاهد  
فان لا كنت افضل الجهاد حج مبرور (بخاري) عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلعم  
تالعبوا بين الحج والعمرة فانها ينفيان الفقر وذنبا كما ينفي الكبر خبث الحديد والذهب  
والفضة وليس للحمة المبرورة ثواب الا الجنة (ترمذي) عن ابي امامة قال  
قال رسول الله صلعم من لم تمنع من الحج حاجته ظاهرة او سلطان جائر او مرض  
حائس فمات ولم يحج فليمت ان شاء الله وياوان شاء نصرانيا (ريح القواف)

بليك اللهم بليك بليك لا شريك لك بليك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك

له منقول از حج، موزع، راجع، مشهور.

پختہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ کہیں کہیں صوفیانہ "زواہری اور صلیح" کی وسیع  
 شاہراہ بن کر فقہیانہ تشدد کے تنگ کوچہ میں کھڑے نظر آتے ہیں، کیا عجیب بات ہے کہ ایک  
 پیرانی تعلیم گاہ کا مولوی دوست نئی تعلیم گاہ کے گریجویٹ دوست کی حد سے زیادہ  
 "عز و شویت" کی شکایت کر رہا ہے، ادق لب الا یا مریاد لہا میں الناس،  
 دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ان صفحات کے لکھنے والے کو اجر جزا  
 اور پڑھنے والوں کو بیش از بیش توفیق بیک عطا فرمائے،

سید سلیمان ندوی  
 ۳۱ شوال ۱۳۴۹ھ

یہ تمام معلومات اس میں یکجا ہیں،

لیکن اس سفرنامہ کی اصلی حیثیت اور حقیقی عزت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہے ایک اسکی انشاپردازی کہ مصنف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہے، سہل الفاظ، سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ تخیل اس نے انشاء کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کافی ہے، دوسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیات ہیں، جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایاں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیئے ہیں،

میں تو سفر حجاز کی یہ بھی برکت سمجھتا ہوں کہ اُن کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہے، اور روح نے مجھ کا ایسا قالب اختیار کیا ہے، کہ باطن ظاہر، محبوب، مشکف، اور ناویدہ، دیدنی ہو گیا ہے، مجھے امید ہے کہ فاضل مصنف کی تصنیفات میں ان کے قلم کی یہ سرسری تحریریں، سب سے زیادہ دیر پا، سب سے زیادہ سودمند اور سب سے زیادہ مقبول ہوں گی،

مسئلہ حجاز میں موصوف کے سیاسی مسلک سے ہر چند ہلکے پورا اتفاق نہ ہوتا ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ اور تصوف سب پر احسان کیا ہے، اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہے، کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال و ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے،

ہمارے فاضل فلسفی، اور لایق انشاپرداز دوست کاغذ ہی رنگ و ذرہ

پسند اور دل بستگی کی باتیں لکھتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ قاضی سلیمان صاحب پٹاگو  
مرحوم کا سفرنامہ سبیل الرشاد اور برنی صاحب کا سفرنامہ صراط النجید ذکر کے قابل ہیں  
ہمارے صاحب دل اور درد آشنادوست مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی  
کی زندگی میں، اوست سے بتدریج جو انقلاب ہو رہا تھا، میرے خیال میں اس کی مکمل شکل  
میں ہوئی، جب وہ حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، اور جو احوال و مشاہد انھوں نے  
کتا بون میں پڑھے تھے، ان کا سفر جج میں جا کر برسی العین مشاہدہ کیا، اور وہاں جو  
عینی مشاہدات قلبی کیفیات اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے، انھوں نے  
اپنے اخبار رسچ کے صفحات میں خطوط کی صورت میں منکس کیا ہو، جو وہ مجموعہ انھیں  
مسلل مضامین کا یکجا ذخیرہ ہو۔

اس سے پہلے جو سفر نامے لکھے گئے تھے، یا وہ صرف عالم جذبات کی باتیں تھیں یا  
محض ایک سیاح و وقائع نگار کے روزنامے تھے، یا فقہانہ مسائل اور حج و مناسک  
کے ہدایت نامے تھے، یا حجاز و سفر حج کے لئے مسافروں کی گائیڈ بک تھیں، اس سفر نامہ  
کی خصوصیت ان سب متفرق حیثیتوں کی دلکش جامعیت ہو، سفر نامہ کے مختلف ابواب  
اور مباحث میں اس کا مصنف کہیں مورخ ہو، کہیں فقیہ، کہیں محدث، کہیں عہد نویس، کہیں  
شاعر اور کہیں سیاسی، غرض اس کتاب میں وہ سب کچھ ہو، جس کی حاجی کو اپنے سفر کے آثار  
چرچاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں ضرورت پیش آتی ہو، سفر کے واقعات، حج و  
مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائیں، سفر کے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی  
حالات، آمد و رفت اور سفر کے وسائل، سواری، پانی، کرایہ، مکانات، مطوفین، راستے  
مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، اکنہ مقدسہ، اور وہاں کے ضروری اذکار



پھر جب سیر و سیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دنیا کے گوشہ گوشہ کو چل پھر کر دیکھ لیا اور اپنے مشاہدات کو سفرنامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا،

تمام دنیاے اسلام میں ہر سال ہزاروں حاجی کرۂ زمین کے مختلف داروں سے بجز مستقیم یہاں آتے ہیں اور جاتے ہیں، ان میں سے بیسیوں صاحب قلم ہر سال اپنے اپنے مشاہدات کو ہر زبان میں حوالہ قرطاس کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہر سال مشاہدات ارضی کا کتنا بڑا ذخیرہ ہر سال دنیا میں اضافہ ہوتا ہے،

ہندوستان سے کم دہش میں ہزار حاجی ہر سال مکہ معظمہ جاتے ہیں، ان میں دو چار ایسے صاحب ذوق ضرور ہوتے ہیں، جو اپنے سفر کے واقعات اور اپنے دل کے جذبات کو کاغذ کے منظر عام پر لاتے اور دوسروں کو سناتے اور دیکھاتے ہیں، اور ان سے اہل ضرورت حسب ضرورت فائدہ اٹھاتے ہیں،

ہندوستان میں شاید شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ۱۱۹۸ھ میں اس سفر کی یادگار میں غریب القلوب الی دیار الحبیب کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا، وہ یہاں اگر دوسروں کو دکھایا، اس کے بعد شادولی اشد محدث دہلوی نے ۱۲۱۸ھ میں فوجی الحزمین وغیرہ رسائل میں اپنے روحانی مناظر و مشاہدات کی کاغذ کے صفحات پر تصویر کھینچی، لیکن سفرنامہ کی حیثیت سے شاہ صاحب کے ایک ذی رتبہ شاگرد مولانا رفیع الدین مراد آبادی قابل ذکر ہیں جنھوں نے ۱۲۳۸ھ میں حرمین کا سفر کیا، اور احوال الحرمین کتاب لکھی،

اس سے بعد میں ہر سال حاجیوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ واپس آکر اپنا سفرنامہ عموماً ترتیب دیتے ہیں، اور ان میں مختلف پہلوؤں سے ہر صاحب ذوق اپنی

دنیا کے گوشہ گوشہ کو جہاں تک اسلام کی روشنی پہنچی وہ اُس کے پرتو میں آگے بڑھتے گئے، مگر اُن کی یہ تمام کوششیں اور سرگرمیاں قنبر میں دینی اہل حق کے تحت بین تھیں اور اس کے بعد جو ہاڈپہ شوق اُن کو بیتاب رکھتا تھا، اور دیوانہ وار اُن کو اپنے گھروں سے بے قرار نکال لیتا تھا، اور سفر کی تمام مشکلات کو ان کی نگاہوں کے سامنے بیچ بلکہ اس راہ کی تمام تکلیفوں کو راحت بنا دیتا تھا، وہ وہ مذہب عام تھی جو حضرت ابراہیمؑ کی زبانی سنا لی گئی تھی، دَا دَتْ فِي النَّاسِ بَايِعَ الْاَلَايَةِ،

جب سے یہ ندا دی گئی، ہر زمانہ میں لاکھوں شیدا یوں کی زبانوں نے اُس پر لبیک کہا، اور جب موسم آیا لَبَيْكُ اللَّهُمَّ لَبَيْكُ کہتے ہوئے اپنے گھروں کو اپنے اہل و عیال، اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر مسافرانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحراؤں بیابان و جبل و حیل، دریا اور سمندر کو طے کر کے بادیہ حجاز پہنچے، اور اس بے آب و گیاہ صحرا کی زیارت سے اپنی روح کی پیاس بجھائی،

مسلمانوں میں جو بھی بڑا ستہ بڑا سیاح گذرا، اُس کے دل کی اصلی منزل اور سفر کا کعبہ مقصود، یہی سرزمین تھی، وطن سے حج و زیارت کے لئے نکلے، راستہ کے عجائب و غرائب، ملکوں کے دلکش مناظر اور قوموں کے عجیب و غریب احوال مشاہدہ کرتے ہوئے، اس خطہ پاک میں پہنچے، فرائض سے فرصت پائی، تو آگے کا رستہ لیا، او پھر موقع ملا، تو اسی مرکز پر لوٹ کر آگئے، اور پھر کسی دوسری سمت کو نکل گئے، این وینجدادی، اصطخری فارسی، حکیم ناصر خسرو، ابن جبراندیس، ابن بطوطہ مغربی، اور بیسویں سیاح اسی قسم کے ہیں، جنہوں نے اپنے سفر کا آغاز اسی نیت سے کیا، او

کر دی تھیں یکم شوال کو بعد اداے ظہر اربعہ سنو نہ و ماثورہ پڑھتا ہوا گھر سے باہر نکلا مسجد سے رخصت ہوا بعد اعلیٰ حضرت شیخ محمد آغش چشتی نظامی (دم شکہ نم) اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان، ساری دنیا کے مسلمانوں کی طرح، اس وقت سخت باہمی زور آزمائی میں مصروف تھیں، ہر فریق دوسرے کی عزت و آبرو کا دشمن، یہاں تک کہ آج عید کا دن بھی انھیں گلے نہ ملا سکا تھا، لیکن مقلب القلوب کی کار سازی، کہ اپنے ایک ناکارہ و تنگ بین جو طرح رخصت کرنے کے لئے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہو گیا، عین عید کی مشغولیت میں تیز و صوب میں پایادہ، ہب کا دمویل تک آنا اور ہر ہر دم پر اپنے جوش و شجاعت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی،

وطن سے روانگی کے بعد پہلی منزل ٹٹنوں کی تھی، اور لکھنؤ بھی اپنے گونا گون تعلقات کے سحاط سے بمنزلہ وطن ہی ہے، یکم شوال کو شب میں یہاں پہنچے تھے اور ۲ شوال (۱۵ مارچ) یوم جمعہ کو شب ہی میں یہاں سے روانہ ہوئے، دوپہر بزرگوں اور دوستوں کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا، تو ٹھیک اس لمحہ تک، کہ جب تک دس بجے شب کو گاڑی پھوٹ نہ لی، برابر جاری رہا، امام رضا کے ردیئے اور ناشتہ کے خوان پر خوان چلے آرہے ہیں، اور رخصت کرنے والوں میں شہر کے نامور پیرسٹر اور دلاوا، اطباء اور ڈاکٹر، اخبارات کے اڈیٹر، سالون کے منجیر

لے مولانا سید سلیمان ندوی پروفیسر، اردو خان شروانی (جامعہ عثمانیہ) مولوی ظفر الملک جہاں علی اور مولوی شاہ محمد ایسا برہنہ کی امداد اس سلسلہ میں شکر گزاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے،

تہدستی تھی تو اسی توشہ راہ سے اہل چکپا یا طبیعت رک، ارادہ کا قدم ڈنگایا، مگر معاً  
 یاد آیا کہ وہ خدا سے قدیر و جہم جو ہر روز تاریکی کو نور میں بدلتا رہتا ہے، سرٹے ہوئے فضل  
 اور عنونت پھیلانے والی کھا دے طرح طرح کے رنگازنگ گل بوٹے، پھل پھول میوے  
 اور غلے وغیرہ اگانا رہتا ہے، بیجانوں میں جان پھونکتا رہتا ہے، کیا وہ تباہ کاروں کو آج  
 دربار میں حاضری کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہیں؟ کیا در ماندوں اور خستہ حالوں  
 کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کیا وہ عرش  
 نیکون اور پاکون، پارساؤن اور پاکیزون ہی کا والی و وارث، رب اور مالک  
 ہے؟ اور مدہوشان غفلت اس کے لطف و رحمت سے، خدا نخواستہ ہمیشہ محروم  
 ہی رہیں گے؟

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، دھڑکتا ہوا دل تھا، ڈنگاتے ہوئے پیر سینے چند رو  
 قیل حمید رآباد جانا ہوا تھا، وہاں کے متعدد اہل دل بزرگوں کی گفتگو میں اور صحبتیں  
 دل میں شوق اور دلولہ پیدا کر چکی تھیں، اس سے قبل دہلی کے زندہ جاوید محبوب الہی  
 نظام الدینؒ کے دربار سے اجازت مل چکی تھی، ماہ رمضان المبارک میں دیوبند اور  
 تھانہ بھون کے دو زندہ خاصان حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہو گئی، اتنی  
 ساری تائیدات غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بد بخت ازلی سوچتا اور چکپا تار پاتا، تو وہ  
 انسانوں کے بجائے جمادات میں شمار کرنے کے قابل تھا، اے غلط گدہ، لکھنؤ  
 اور حمید رآباد سے بعض کرم فرماؤں نے اپنے اپنے تجربوں کے مطابق  
 ضروریات سفر سے متعلق یادداشتیں بھی مرتب کر کے روانہ

کر دی تھیں یکم شوال کو بعد اواسے ظہر، اودینہ سنوڑ دیا تو وہ پڑھتا ہوا گھر سے باہر نکلا، مسجد سے رخصت ہوا بعد اعلیٰ حضرت شیخ محمد آبلش چشتی نظامی (دم شکر) اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان ساری دینا کے مسلمانوں کی طرح اس وقت سخت باہمی زور آزمائی میں مصروف ہیں، ہر فریق دوسرے کی عزت و آبرو کا دشمن، یہاں تک کہ آج عید کا دن بھی انھیں گلے نہ ملا سکا تھا، لیکن متقلب اقلوب کی کار سازی، کہ اپنے ایک ناکارہ و تنگ دلی ہو وطن کو رخصت کرنے کے لئے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہو گیا، عین عید کی مشغولیت میں تیز دھوپ میں پایادہ، سب کا دوسیل تک آنا، اور ہر ہر دم پر اپنے خوش محبت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

وطن سے روانگی کے بعد پہلی منزل ٹھٹھو کی تھی اور لکھنؤ بھی اپنے گونا گوں تعلقات کے لحاظ سے ممتاز وطن ہی ہے، یکم شوال کو شب میں یہاں پہنچے تھے اور ۲ شوال (۵ مارچ) یوم جمعہ کو شب ہی میں یہاں سے روانہ ہوئے، دوپہر بزرگوں اور دوستوں کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا، تو ٹھیک اس لمحہ تک کہ جب تک دس بجے شب کو گاڑی چھوٹ نہ لی، برابر جاری رہا، امام متین کے ردیئے اور ناشتہ کے خوان پر خوان چلے آرہے ہیں، اور رخصت کرنے والوں میں شہر کے نامور پیر سر اور وکلاء، اطباء اور ڈاکٹر، اخبارات کے اڈیٹر، رسالوں کے مدیر

اللہ مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر اردو، خان شروانی (جامعہ عثمانیہ)، مولوی غفر الملک حبیب اللہ علی اور مولوی شاہ محمد ایاز بریلی کی امداد اس سلسلہ میں شکر گذاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے،

تہیستی تھی تو اسی توشہ راہ سے اول چکپایا، طبیعت رک، ارادہ کا قدم ڈنگنایا، اگر مٹا  
 یاد آیا کہ وہ غدارے قدیر و عزم جو ہر روز تاریکی کو نور میں بدلتا رہتا ہے، سرٹے ہوئے نفل  
 اور عنقوت پھیلانے والی کھاوے طرح طرت کے رنگارنگ گل بوٹے، پھل پھول میوے  
 اور غلے وغیرہ اگانا رہتا ہے، بیجانوں میں جان پھونکتا رہتا ہے، کیا وہ تباہ کار دن کو اپنے  
 دربار میں حاضر کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہیں؟ کیا در ماندون اور خستہ خالوں  
 کے دامن کو گوہر مراد سے بھردینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کیا وہ عس  
 نیکون اور پاکون، پارساؤن اور پاکیزون ہی کا والی و وارث، رب اور مالک  
 ہے؟ اور مدہوشان غفلت اس کے لطف و رحمت سے، خدا نخواستہ ہمیشہ مجرم  
 ہی رہیں گے؟

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، ادھر ٹکٹا ہوا دل تھا، ڈنگناتے ہوئے پیر سینے چند رو  
 قیل حیدر آباد جانا ہوا تھا، وہاں کے متعدد اہل دل بزرگوں کی گفتگو میں اور صحبتیں  
 دل میں شوق اور ولولہ پیدا کر چکی تھیں، اس سے قبل دہلی کے زندہ جاوید محبوب الہی  
 نظام الدینؒ کے دربار سے اجازت مل چکی تھی، ماہ رمضان المبارک میں دیوبند اور  
 بھٹانہ بھون کے دو زندہ خاصان حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہو گئی، اتنی  
 ساری تائیدات غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بد بخت ازلی سوچتا اور چکپاتا رہتا، تو وہ  
 انسانوں کے بجائے جمادات میں شمار کرنے کے قابل تھا، عظم گدھ، لکھنؤ  
 اور حیدر آباد سے بعض کرم فرماؤں نے اپنے اپنے تجربوں کے مطابق  
 ضروریات سفر سے متعلق یا دواشتین بھی مرتب کر کے روانہ

اور بے قراری، بھاگ دوڑ، شور و غل، پیچ پکار، شور و اضطرابِ ابدن کو چین نہ رات  
 کو سکون، اور اسی کا نام اس دہریا جو جی میں ترقی و تہذیب ہے، حیرت صرف اس  
 پر ہے کہ اس غلبہ یا جو جیت کے باوجود اب تک یہاں کی مسجد میں کیونکر اس قدر آبا  
 دیر و نفی ہیں اور اتنے نمازی اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے ہیں!







زبان آرام دہ ہو، اس کے داروغہ مولوی حضرت اللہ صاحب جن کے چہرہ کی نور  
ان کی باطنی پاکیزگی کا آئینہ ہے، اور ان کے نائب منشی عبدالسار صاحب سچ کے غائب  
کرم فرماؤں میں تھے، خیال تھا کہ قیام اسی مسافر خانہ میں ہوگا ۱۲۱۹ء میں والد  
ماجد مرحوم مع والدہ صاحبہ کے جب حج کو تشریف لے گئے تھے تو وہ بھی یہیں مقیم  
ہوئے تھے، لیکن ابھی بڑا اسٹیشن دور تھا، اور پوری طرح صبح بھی نہیں ہونے  
پائی تھی کہ بھائی کلمہ اسٹیشن پر مولانا شوکت علی مع اپنے رفقاء کے نمودار ہوئے،  
اور حکم ہوا کہ وکٹوریہ ٹرین پہنچ کر دارالخلافہ چلنا ہوگا، کس کی مجال تھی کہ بابائے خلافت  
کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔

دارالخلافہ کوئی مسافر خانہ یا ہمان سرا نہیں، مرکزی خلافت کمیٹی کے دفتر  
کا نام ہے، خدا کا شکر ہے کہ کرایہ پر مینار روپیہ صرفت کرنے کے بعد اب جمعیت خلافت  
کے پاس اپنا ذاتی مکان ہو گیا ہے، یہ مکان بھائی کلمہ اسٹیشن سے دو فرلانگ پر  
لولین (کسی نے اس کا ترجمہ کوئے جانان خوب کیا ہے) میں واقع ہے، وسیع  
دو منزلہ عمارت، صحن کشادہ، خاموش و پرسکون فضا، بیٹی میں ایسی عمارت  
ہاتھ آجاتا خوش قسمتی ہے، مرکزی عمارت کے حصہ زیرین میں دفتر جمعیت خلافت  
و دفتر روزنامہ خلافت، بالا خانہ پر مولانا شوکت علی کی فرودگاہ، نیز "معززہ" مہذب  
ہمانوں کے لئے آرامتہ و مرصع ڈرائنگ روم اور دوسرے کمرے (یہاں یہ  
سوال نہ پیدا کیجئے کہ جمعیت خلافت کو ان پر تکلف آرایش و زیبائش سے کیا واسطہ  
قرن صحابہ کی خلافت راشدہ اور چودھویں صدی ہجری کی خلافت کمیٹی میں اب کیا

نزدہ کے علماء، انگریزی کالجوں کے پروفیسر اور طلبہ، فرنگی محل کا سارا خاندان، اہل علم و  
 واعظ۔۔۔۔۔ کوئی کس کس کے نام گنائے، اور سب کی مکمل فہرست یاد رکھنے  
 کا دماغ کس کو بے برٹے اور بھوٹے، عالم اور مامی، سب سے جس فلو میں وِجیت کیساتھ  
 رخصت کیا ہے، اس کی یاد کا نقش جلد میں والا نہیں، انا دیت نبوی میں تیجرات  
 اور ہفتہ کا سفر مبارک بتایا گیا ہے، کریم کی کریمی ملاحظہ ہو کہ دریا بادر اسٹیشن سے  
 گاڑی ایسے وقت بھوٹی کہ چار شنبہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور شبِ پنجشنبہ کا آفتاب  
 ہونے کو تھا، اور لکھنؤ سے روانگی کے وقت شبِ شنبہ کو شرف ہوئے کئی کھیتے اُنڈے  
 چکے تھے، راستہ میں بھوپال اسٹیشن پر دو سٹون اور عزیزون ہی نہیں، ایک ایسے  
 مہربانوں نے بھی تنگی خدمت میں اس کے قبل نیاز تک حاصل نہ تھا، جس  
 مسافر نوازی کا ثبوت دیا، اُس کا معاوضہ پیرزادے میر کے اور کیا ہو سکتا ہو، اللہ  
 تعالیٰ سب کو دارین میں فائز المرام کرے!

۱۱ مارچ، یکشنبہ، کو علی الصبح بمبئی پہونچے، نادائقون کے لئے بمبئی کا  
 مرحلہ بھی کچھ کم گھٹن نہیں، اُن پرٹھو دیہاتوں کا ذکر نہیں، اچھے اچھے پرٹھے  
 لکھے شہری، اگر انکا کوئی دوست یا آشنا سا یہاں موجود نہیں تو پہلی دفعہ بمبئی  
 پہونچکر حکمرا جائے ہیں، بمبئی میں حاجیوں کے لئے متعدد وسیع آرام و مسافر خانے  
 بنے ہوئے ہیں، جہاں آدمی بغیر کسی کرایہ کے ٹھہر سکتا ہے، حاجی سیٹھ صاحب و لائق  
 مرحوم کا مسافر خانہ کرافٹ مارکٹ (جہاں دنیا بھر کی چیزیں جاتی ہیں) سے متصل  
 اور برٹے اسٹیشن (دکنور یہ ٹرینیں) سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ سب

کر دی تھیں یکم شوال کو بعد ادا سے ظہر، ادعید سنو نہ و ماثورہ پڑھتا ہوا گھر سے باہر نکلا مسجد سے رخصت ہوا بعد اعلیٰ حضرت شیخ محمد آغلیش چشتی نظامی (دم شکستہ) اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی، قصبہ کے مسلمان ساری دینا کے مسلمانوں کی طرح، اس وقت سخت باہمی زور آزمائی میں مصروف ہیں، ہر فریق دوسرے کی عزت و ابر و کا دشمن، یہاں تک کہ آج عید کا دن بھی انھیں گلے نہ ملا سکا تھا، لیکن متقلب اقلوب کی کار سازی، کہ اپنے ایک ناکارہ و تنگ بطن ہو وطن رخصت کرنے کے لئے ہر فریق اپنی پوری محبت و خلوص کے ساتھ آمادہ ہو گیا، عین عید کی مشغولیت میں تیز دعوپ میں پایادہ، سب کا دو میل تک آنا، اور ہر ہر قدم پر اپنے جوش و محبت کا ثبوت دیتے رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی،

وطن سے روانگی کے بعد پہلی منزل ٹکٹو کی تھی، اور لکھنؤ بھی اپنے گونا گون تعلقات کے محاط سے بمنزلہ وطن ہی ہے، یکم شوال کو شب میں یہاں پہنچے تھے، اور ۲ شوال (۱۵ مارچ) یوم جمعہ کو شب ہی میں یہاں سے روانہ ہوئے، دوپہر بزرگوں اور دوستوں کی تشریف آوری کا جو سلسلہ شروع ہوا، تو ٹھیک اس لمحہ تک، کہ جب تک دس بجے شب کو گاڑی چھوٹ نہ لی، برابر جاری رہا، امام خاں کے روپیے اور ناشتہ کے خزان پر خزان چلے آ رہے ہیں، اور رخصت کرنے والوں میں شہر کے نامور بیرسٹر اور وکلاء، اطباء اور ڈاکٹر، اخبارات کے اڈیٹر، رسالوں کے منجیر

ملا مولانا سید سلیمان ندوی، پروفیسر مارون خان شروانی (جامعہ عثمانیہ) مولوی نغرا الملک جتوئی اور مولوی شاہ محمد ایاس برٹی کی امداد اس سلسلہ میں نگر گزاری کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے،

تہیستی تھی تو اسی توشہ راہ سے، دل بچکا یا طبیعت رکی، ارادہ کا قدم ڈنگایا، مگر معاً  
 یاد آیا کہ وہ خدا سے قدیر و رحیم جو ہر روز تار کی کو نور میں بدلتا رہتا ہے، سرٹے ہوئے فضل  
 اور عنونت پھیلانے والی کھا دے طرح طرح کے رنگارنگ گل بوٹے، پھل پھول میوے  
 اور غلے وغیرہ اگانا رہتا ہے، بیجانوں میں جان پھونکتا رہتا ہے، کیا وہ تباہ کاروں کو اپنے  
 دربار میں حاضری کی نعمت سے سرفراز کرنے پر قادر نہیں؟ کیا در ماندوں اور خستہ حالوں  
 کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دینا اس کے فضل و کرم سے کچھ بھی بعید ہے؟ کیا وہ عرش  
 نیکون اور پاکون، پارساؤن اور پاکیزوں ہی کا والی و وارث، رب اور مالک  
 ہے؟ اور مدہوشانِ غفلت اس کے لطف و رحمت سے، خدا نخواستہ ہمیشہ محروم  
 ہی رہیں گے؟

ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، دھڑکتا ہوا دل تھا، ڈنگاتے ہوئے پیر سنبلے چند رو  
 قیل حیدر آباد جانا ہوا تھا، وہاں کے متعدد اہل دل بزرگوں کی گفتگو میں اور صحبتیں  
 دل میں شوق اور ولولہ پیدا کر چکی تھیں، اس سے قبل دہلی کے زندہ جاوید محبوب الہی  
 نظام الدینؒ کے دربار سے اجازت مل چکی تھی، ماہ رمضان المبارک میں دیوبند اور  
 تھانہ بھون کے دو زندہ خاصان حق کی زبان سے مزید حوصلہ افزائی ہو گئی، اتنی  
 ساری تائیداتِ غیبی کے بعد بھی اگر کوئی بد بخت ازلی سوچتا اور بچکا تار بجاتا، تو وہ  
 انسانوں کے بجائے جمادات میں شمار کرنے کے قابل تھا، عظمتِ گدھ، لکھنؤ  
 اور حیدر آباد سے بعض کرم فرماؤں نے اپنے اپنے تجربوں کے مطابق  
 ضروریاتِ سفر سے متعلق یا دداشتیں بھی مرتب کر کے روانہ

سفر سیر و تفریح کے لئے نہ تھا، تحصیلِ علوم و کمالِ فنون کے لئے نہ تھا، علمی و ادبی ہمتیقات  
 تاریخی و اثری تفتیش کے لئے نہ تھا، کثیر و شملہ کا نہ تھا، لندن و پیرس، آکسفورڈ و کیمبرج  
 کا نہ تھا، ہمان وہاں کے لئے بھی نہ تھا، جہاں گرج گرج کر تقریریں کیجاتی ہیں اور جھگڑ  
 جھگڑ کر رزولوشن پاس ہوتے ہیں! سفر جلالتی ہوئی ریگ والی زمین کی طرف تھا  
 گرمی کے موسم میں اس آسمان کی بھست کے نیچے تھا جس کا آفتاب تہمایا ہوا ہوتا ہے، ٹولون  
 اور پارکون، آبشارون اور سبزہ زارون کی طرف نہ تھا، خشک اور خشک میدانون  
 بے آب و گیاہ ویرانون، اور آگ اور خاک برسانے والے ریگستانوں کی جانب تھا  
 ایک گنہگار اسی، اپنے شیع اور شفیق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا، بندے کی جانبر  
 اپنے مولا کے دربار میں تھی، ہمالا کا ہوا غلام، تھک کے اور ہار کر، بچھتا کر اور شرما کر، پھر آئے  
 مالک کی طرف رخ کر رہا تھا، ذرہ آرزو مند تھا کہ آفتاب کی تابش سے جگمگا اٹھے،  
 قطرے کو ہوس ہوئی کہ بحرِ بیکر ان کے وصل کا لطف اٹھائے، مشبِ خاک کو یہ دعا  
 ہو کہ نورِ پاک کے بار و بکشون کی فرست میں اپنا نام لکھائے، جو کچھ نہ تھا اسے  
 یہ دلو کہ ہوا کہ جو سب کچھ ہے، اس سے تعلق و پیوند پیدا کیجئے!

ہے آرزو کہ ابر و پرِ غم کو دیکھئے!  
 اس جوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

حاضری کا حکم دینے والے کا حکم ہے، کہ زادِ راہ ساتھ لے کر چلو و تزدود  
 اور خود ہی زادِ راہ کی تشریح بھی فرمادی ہی، کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، خان  
 خیر اللہ اللقوی، یہاں قحط تھا، تو اسی جنس کا ابر و می تھی تو اسی سرمایہ سے

# باب (۱)

## روانگی بمبئی

عید ہر سال آتی ہے، اب کی عید ہر سال کی معمولی عید نہ تھی، کسی کے آستانے پر فوقِ حین سائی دل کو تیار کئے ہوئے تھا، کسی کے دربار میں حاضری کا دن ایک رک کر کے گنا جاتا تھا، رمضان ختم ہوا عید آئی، انتظار کی گھڑیاں کٹیں، وعدہ دیدار پورا ہونے کی ساعت آئی، ہجر کے بعد وصل بھوری کے بعد حضور سی، انتظار کے بعد دیدار، پیاس کے بعد سیرابی، جس کا فرماے فطرت نے ازل سے یہ قانون رکھ دیا ہے، اسی نے ماہ مبارک کا خاتمہ موسم حج کے آغاز پر رکھا ہے، الحج، شہر معلومات، حج کا مشہور و معروف موسم عین اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب آخری روزہ اور آخری افطار آخری تاریخ اور آخری سحری سے فراغت ہو چکتی ہے، مبارک ہیں ماہ مبارک کی راتوں کی وہ بیداریاں، جو کسی کی آرزو سے دیدین بسر ہوں، اور مبارک ہیں ماہ مبارک کے بھوک اور پیاس، ضعف اور تڑپ والے وہ دن، جن کا خاتمہ کسی کی گلی کے طواف و سعی پر ہو!

ابنابط عید دیدن روے تو !  
عید گاہ ماغریبان کوے تو !

کو سر فراز کیا جا رہا ہے شاعر نے صدیوں پیش رفتی تکمیل کی رو میں کہا تھا ہے

بطوان کبر رفتم بہر دم نہ دادند تو بروں در چہ کردی کہ درون غلغلہ ملی!

وہاں تو شاعری تھی پر اپنی طرت دیکھ کر دل دھڑک رہا ہے اور بہت جواب دہی ہے کہ کہیں نے  
حق میں یہ شاعری ماجرے حقیقت نہ بنجائے مولیٰ ہر یکس کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے ہر مفلس کا  
آسرا تیرا ہی دست کرم ہے ابلا یا ہے تو اپنے در سے محروم نہ واپس کرنا! اپنے اس قدر غصے پہ پناہ میں  
رکھ لگے اس شان پاک تک پہنچ کر بھی تیرا بھکاری خالی ہاتھ واپس آئے! اندھے کی آنکھیں روشن  
کر کے رہنا نہ ہو کہ خانہ تک پہنچ کر صاحب خانہ کے دیدار سے محروم رہے نہ ہو کہ مکان پر ماضی  
کے بعد بھی لامکان والے کین کی تجلیات حجاب ہی میں رہیں! بیت کے ساتھ ربانیت کے  
کے انوار جمالی کی زیارت نصیب ہو! مردوں کو جلانے والے مالک! بایوسون کو خوشخبری دینے والے  
مولیٰ! بیسوں کی دنگیری کر نو لے آقا! دلون کے زخم پر مرہم رکھنے والے پروردگار! تجھ سے  
بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام تیرے اور تیرے صیب کے آستان پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہو رہا ہے  
دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں

لے خدا پاک بے انباز و یار، دست گیر درجیم مارا در گزار

یاد وہ مارا سخنا سے رشتیق کہ ترا رحم آور دان لے رفیق

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو ایمنی از تو، مہابت ہم ز تو،

گر خطا گفتم اصلاح تو کن مصلحتی تو سے تو اصلاح سخن

سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر

آداب سفر سے ہے کہ اس سفر کو سفر آخرت کا منونہ سمجھے، احرام کی چادرون کو کفن کی چادرون کا منونہ تصور کرے، اور چلتے وقت اپنے تمام لمبے والوں اور اپنے سے تمام تعلق رکھنے والوں سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرے، ناظرین سچ تک فردا فردا پہونچنا ممکن نہیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں دیر سچ کی جانب سے خدا معلوم کتنی غفلتیں اور کتنی کوتاہیاں اب تک ہوئی ہونگی، اور خدا معلوم کتنوں کی دل آزاریاں اور اراق کے ذریعہ سے ہو چکی ہونگی، سب کی خدمت میں بہت و بجا جت گزارش ہے کہ اپنے اس خادم کی بڑی اور چھوٹی، دانستہ اور نادانستہ ساری خطاؤں کو اللہ کے واسطے صدفی دل سے معاف فرمائیں، وہ جو حاکمون کا حاکم ہے، ان کی خطاؤں کو بھی معاف فرمائیں اس دربار کے سچے سفیر کی بشارتیں اور وعدے موجود ہیں،

اتماس عفو کے بعد دوسری گزارش سچ کی برادری سے یہ ہے کہ اس خادم کو دعا خیر سے محروم نہ رکھا جائے اور زہد و قاسق سب کی سننے والے کی بارگاہ میں بار بار عرض کیا جائے، کہ اس گنہگار کو سچ برور اور زیارت مقبول نصیب ہو، حکم ملا ہے کہ توشہ سفر کا سامان رکھو، اور پھر خود ہی ارشاد ہوا ہے کہ بہترین توشہ سفر تقویٰ ہی (دوتو دو ا فان خیر الزاد التقویٰ) یہاں تقویٰ کا سایہ بھی نہیں پڑنے پایا، سہارا جو کچھ ہے وہ کسی رؤف و رحیم کی رحمت بے حساب اور کرم بے انداز کا ہی، اور اس کے بعد اگر کسی توشہ کی طلب ہو، تو وہ اہل دل کی دعائیں ہیں از پے نصیب، اس کے جس کے نصیب میں یہ توشہ آجائے!

شان کریمی کے حوصلے دیکھنا! کیسے نامہ سیاہ کو نوازا جا رہا ہے! کس ننگِ خلافت



کے پروردگار و مالک کا چاہا ہوگا کیا ایک شہر خاک اور کیا اُس کے ارادے! ارادہ کا حق تو اُسی کو ہے جس کے ہاتھ میں موت و زندگی، عاقبت و سلامتی کی کنجیاں ہیں، مولا کی شانِ کریمی دیکھئے، کہ مولانا مناظر احسن صاحب جیسے صاحبِ ذوق و صاحبِ علم بزرگ اور بعض اور عزیزوں اور غلیصوں کی ہیبت کی سادت اور رفاقت کی دولت بھی نصیب میں آرہی ہے، انشاء اللہ العزیز

سچے اس مدت میں کیونکر جاری رہ سکے گا؟ افسوس ہے کہ اسکی کوئی قابلِ اطمینان صورت نہ نکل سکی، مجبوراً فیصلہ کرنا پڑا کہ اسکی اشاعت بارہ تیرہ ہفتوں کے لئے بند کر دیا جائے، اس خادم کی دلچسپی کی توقع ہے، ایک آدھ ہفتہ کے آرام کے بعد شروع جو لائی سے پھر اسی خدمت کا اجرا ہو سکتا ہے، البتہ وسطِ مایوس سے آخرِ مایوس کے پرچوں کے مضمین فراہم کئے جانا ہوں، میری عدم موجودگی میں مولوی ظفر الملک صاحب ان پرچوں کو شایع فرما دیں گے، اس حساب سے ناظرین کو صرف تین مہینے کے لئے رحمت انتظار برداشت کرنی ہوگی، سچ کہ محبت و حسن ظن رکھنے والے بھائیوں کے لئے یہ مدت بھی بہت ہی اور خوب جاتا ہوں، کہ انھیں اس قدر انتظار بھی نہایت شان گذرے گا، لیکن سچ پوچھئے تو انہو کی مدت کون ایسی بڑی مدت ہے، اور سچ کا سکتے رہنا ہی کیون اتنا اہم اور ضروری فرض کر لیا گیا ہے جو اس کی سہ ماہہ التوا پر اس قدر رنج و غم کیا جالے! آخر

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!

دورانِ سفر میں کچھ لکھنے کی نوبت ہی کیون آنے لگی، لیکن اگر کچھ لکھنے کی نوبت آئی

تو اسکی اشاعت کے اولین حقدار روزنامہ ہمدرد (دہلی) کے صفحات ہیں،

ایاز قدر خود بنیاس عقل اس خوش قسمتی پر دنگ، خرد اس بولعجبی پر حیران!

ہے آرزو کہ ابرو پر خم کو دیکھئے!

اس حوصلہ کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے!

لیکن ربوبیت کے عجائب کار و بار ہیں، اپنا نام رب العالمین ارشاد فرمایا ہے، رب الصالحین  
نہیں فرمایا، مرتبہ کمال پر صرف اتقا و صالحین، ابرار و اخیار ہی نہیں پہنچائے جاتے،  
ربوبیت کا تعلق اشرار و فجار سے بھی ہے، دستگیری صرف نیکوں ہی کی نہیں، بدون او  
بدتر سے بدتر بدون کی بھی ہوتی رہتی ہے، ہوا سے بہار جب حلقتی ہے تو چمن کے خوشبودار  
پھولوں اور چرگاہ کی گھاس کی تیوں دونوں کو مہکا دیتی ہے،

اے بدرماندگی پناہ ہمارے، کرم تست عذر خواہ ہمارے!

غرض نیت قائم ہو چکی ہے، حج کے مہینے تین ہیں، شوال، ذیقعدہ و عشرہ اول  
ذی الحجہ، الحج ۱۲ شہر معلومات، جس تاریخ کو ماہ مبارک رمضان ختم ہوتا ہے، ٹھیک  
اسی تاریخ سے موسم حج کی ابتدا ہو جاتی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یکم شوال کو گھر سے نکلنا ہوگا  
اور ۳ شوال کو ایچ ٹی کے اکسپرس سے لکھنؤ سے جہنمی کے لئے روانگی، اور ۵ شوال کو  
بہنئی پہنچ کر مغل پٹنی کے پہلے ہمارے عزم سفر، پہلے زیارت دیار حبیب و حاضری  
روضہ انور، جتنے دنوں تک بھی قیمت یاوری کرے، پھر آغاز ذی الحجہ میں فریضہ حج  
کیلئے مکہ معظمہ، بعد ادا سے فریضہ قصدِ مرجعت، اور اگر زندگی باقی ہے، تو انشاء اللہ  
اول عشرہ محرم میں واپسی وطن، یہ سارے ارادے اپنے ہیں، اور بندوں کو اپنے ارادوں  
کے نفاذ پر جو قدرت ہے، اس کا حال معلوم! ہو گا وہی جو کچھ بندہ کا چاہا نہیں، بلکہ بندوں

ہے جہان کھڑے ہو کر اللہ کے خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے رب کی توحید کی منادی کی تھی اور جس کی ریگ کے ذرون پر اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نقش قدم آج تک ثبت ہیں!

مردیوں کی حکایت دراز، اور کوڑے خون کا سلسلہ طویل، لیکن رحمت باری بے حساب اور فضل خداوندی بیکران، بڑے بڑے مجرم اپنی سیہ کاریوں کی پوٹ کی پوٹ لیکر آئے اور مجرّم کے ایک قطرہ نے سارے دفترون کی سیاہیان دم بھر میں سفید ماسے بدل دینے والے کا پتہ آئے اور پہنچے کھلکھلاتے واپس گئے، اقلیم سخن کے تاجدار خسرو نامدار نے اسی معنون کو یوں ادا کیا ہے،

قطرۂ زآب رحمت تو بس است      مشتق نامہ سیاہ ہمہ!

اور ایک دہقانی کج زبان نے اپنی بولی میں یوں عرض کیا ہے،

مجھے تھے سیہ کاری اپنی ہر ذوق حد      دیکھا تو کرم تیرا اسے بھی سوا پاپا!

بالآخر جس کی رحمت ابر کرم بکر سوکھی کھیتوں کو آن کی آن میں سرسبز و شاداب

کر دیتی ہے، اسکی مشیت اسکی تقاضی ہوئی، کہ ایک محروم عمل، مردہ قلب کو اپنے حرم بحر

کی حاضری و طوالت، اور اپنے حبیب پاک صلم کی آرا نگاہ کی زیارت سے نشرت فرمائے،

چنانچہ ارادہ ہوا، مغلوبہ بندھے، اور زبان پہلی بار لیلیٰ اللہ لیلیٰ، لیلیٰ لاشہ لیلیٰ

لہ لیلیٰ کے تلفظ پر کھلی!

اللہ اللہ! کجا ایک تنگ خلائی اور کہاں وہ قدوسیوں اور نورانیوں والی سرزمین

کہاں ایک رویہ گاہ کے ناپاک قدم اور کہاں وہ معصوموں اور ملگوتیوں کی سجدہ گاہ!

یہ الوداع، ماہ رمضان کی سالانہ الوداع نہیں، ناظرین سچ سے ان کے خادم مدیر سچ کی

الوداع ہے،

حج بیت اللہ چند شرائط کے جمع ہو جانے پر ہر مسلمان پر اُسی طرح فرض عین ہی جیسا کہ  
ہر روز پانچ وقت کی نماز، یہاں نماز ہی کا فریضہ کب ادا ہو پاتا ہے، حسین نہ کچھ خرچ ہے، اور  
نہ کوئی خاص محنت، کہ فریضہ حج کے نہ ادا کرنے کا ردوار دیا جائے! عمر کی گھڑیاں خاموشی اور  
تیزی کے ساتھ گزرتی ہیں، دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں، مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے  
رہے، اور اس فریضہ کی ادائی کا خیال تک نہ آیا، کلام مجید کی آیات میں اور رسول برحق کی  
احادیث میں اخذ معلوم کتنی بار ادا لے حج کی فرضیت اور تاکید نظر سے گزری، اور عدم ادا  
حج کی وعیدیں بار بار پڑھیں، پر قلب کی غفلتوں نفس کی شرارتوں اور ہوش و خرد کی ہرزہ  
کاریوں نے ہمیشہ مشورہ ہی دیا، کہ یہ ادا مرد و احکام دوسروں ہی کے لئے ہیں، اپنے کو ان سے  
کیا تعلق! اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کہ عمر کی کتنی بیش بہا فرصتیں، اور زندگی کی کتنی جا کر نہ آنے  
والی ہمتیں، اسی غفلت، اسی بے حسی، اور اسی قسوت قلب کی نذر ہو گئیں!

ہندوستان کے طول و عرض میں بے شمار سفر، بہ ضرورت اور بلا ضرورت کر ڈالے  
لیکن جو ایک ہی جگہ سفر کرنے اور حاضری دینے کی تھی، وہاں سر کے بل چلنا کجا، پیروں کے  
بل بھی جانا نصیب میں نہ آیا، بنگلوں اور کوٹھیوں، حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کے گرد چکر لگانے  
میں ایک عمر گزری، پر وہ آستان پاک، جو اس قابل تھا کہ اس کے گرد طواف کرنے میں ساری  
عمر تمام کر دی جاتی، اور اسی پر پروانہ دار اپنی جان تیار کر دی جاتی، اگر دش تقدیر نے  
مردم رکھا تو اسی کی جبین سائی سے! ملک کے گوشہ گوشہ کی سیر کر ڈالی، پر نہ توفیق ہوئی  
تو ایک اس سرزمین کی زیارت سے مشرف ہونے کی، جس کی سر بلندی پر آسمان کو بھی ر



پختہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ کہیں کہیں صوفیانہ "رواداری اور صلح" کی وسیع  
 شاہراہ پر ٹھکر فقیہانہ تشدد کے تنگ کوچہ میں کھڑے نظر آتے ہیں، کیا عجیب بات ہے کہ ایک  
 پرانی تعلیم گاہ کا مولوی دوست نئی تعلیم گاہ کے گریجویٹ دوست کی حد سے زیادہ  
 "ملویت" کی شکایت کر رہا ہے، و قلاب الا یامرئہ اولہا میں الناس،

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ان صفات کے لکھنے والے کو اجر جزیل  
 اور پڑھنے والوں کو بیش از بیش توفیق نیک عطا فرمائے،

سید سلیمان ندوی

۳۱ شوال ۱۳۲۹ھ

یہ تمام معلومات اس میں یکجا ہیں،

لیکن اس سفر نامہ کی اصلی حیثیت اور حقیقی عزت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہے، ایک اسکی انشا پر داری کہ مصنف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہے، سہل الفاظ، سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ نغیل، اس نے انشا کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت کافی ہے، دوسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیات ہیں، جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ سے نمایاں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیئے ہیں،

میں تو سفر حجاز کی یہ بھی برکت سمجھتا ہوں کہ ان کے قلم نے ان کے دل کی ایسی ترجمانی کی ہے، اور روح نے مجھ کا ایسا قالب اختیار کیا ہے، کہ باطن ظاہر، محبوب مشکف، اور ناویدہ، دیدنی ہو گیا ہے، مجھے امید ہے کہ فاضل مصنف کی تصنیفات میں ان کے قلم کی یہ سرسری تحریریں، سب سے زیادہ دیر پا سب سے زیادہ سودمند اور سب سے زیادہ مقبول ہوں گی،

مسئلہ حجاز میں موصوف کے یہاں مسلک سے ہر چند ہکو پورا اتفاق نہ ہوتا ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ اور تصوف سب پر احسان کیا ہے، اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہے، کہ ہر خیال و ذوق کا آدمی اپنے اپنے خیال و ذوق کے مطابق اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے،

ہمارے فاضل فلسفی، اور لایق انشا پرداز دوست کاغذ ہی رنگ و زبرد

پسند اور دلچسپی کی باتیں لکھتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ قاضی سلیمان صاحب ٹیکو  
مرحوم کا سفرنامہ سبیل الرشاد، اور برنی صاحب کا سفرنامہ صراط الحمید ذکر کے قابل ہیں  
ہمارے صاحب دل اور درویش دوست مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی  
کی زندگی میں اسی سے بتدریج جو انقلاب ہو رہا تھا، میرے خیال میں اسکی تکمیل ۱۳۳۱ھ  
میں ہوئی جب وہ حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے، اور جو احوال و مشاہد انھوں نے  
کتا بون میں پڑھے تھے، انکا سفر جج میں جا کر برائی العین مشاہدہ کیا، اور وہاں جو  
عینی مشاہدات قلبی کیفیات، اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے، انھوں نے  
اپنے اخبار سچ کے صفحات میں خطوط کی صورت میں منکس کیا، موجودہ مجموعہ انھیں  
مسلسل مضامین کا یکجا ذخیرہ ہے،

اس سے پہلے جو سفر نامے لکھے گئے تھے، یا وہ صرف عالم جذبات کی باتیں تھیں یا  
محض ایک سیاح و قانع نگار کے روزنامے تھے، یا یقیناً نہ مسائل اور جج و مناسک  
کے ہدایت نامے تھے، یا حجاز و سفر جج کے لئے مسافروں کی گائیڈ بک تھیں، اس سفرنامہ  
کی خصوصیت ان سب متفرق حیثیتوں کی دلکش جامعیت ہے، سفرنامہ کے مختلف ابواب  
اور مباحث میں اسکا مصنف کہیں مورخ ہے، کہیں فقیہ، کہیں محدث، کہیں مونی، کہیں  
شاعر اور کہیں سیاسی غرض اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے، جسکی حاجی کو اپنے سفر کے آثار  
چرٹھاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں ضرورت پیش آتی ہے، سفر کے واقعات، حج و  
مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائیں، سفر کے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی  
حالات، آمد و رفت اور سفر کے وسائل، سواری، پانی، کرایہ، مکانات، مطوفین، راستے  
مکہ معظمہ، اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، اکنہ مقدسہ، اور وہاں کے ضروری اوزار



پھر جب سیر و سیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دنیا کے گوشہ گوشہ کو چل پھر کر دیکھ لیا اور اپنے مشاہدات کو سفرنامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا،

تمام دنیاے اسلام میں ہر سال ہزاروں حاجی کروڑ زمین کے مختلف دائروں سے بکھڑے ہیکل پہنچتے ہیں اور جاتے ہیں، ان میں سے بیسیوں صاحب قلم ہر سال اپنے اپنے مشاہدات کو ہر زبان میں حوالہ قرطاس کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ ہر سال مشاہدات ارضی کا کتنا بڑا ذخیرہ ہر سال دنیا میں اضافہ ہوتا ہی ہندوستان سے کم و بیش بیس ہزار حاجی ہر سال کہ منظرہ جاتے ہیں، ان میں دو چار ایسے صاحب ذوق ضرور ہوتے ہیں، جو اپنے سفر کے واقعات اور اپنے دل کے جذبات کو کاغذ کے منظر عام پر لاتے اور دوسروں کو سناتے اور دیکھاتے ہیں، اور ان سے اہل ضرورت حسب ضرورت فائدہ اٹھاتے ہیں،

ہندوستان میں شاید شیخ عبدالحق محدث دہلوی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ۱۸۹۸ء میں اس سفر کی یادگار میں جذب القلوب الی دیار المحبوب کا تحفہ اہل وطن کے سامنے پیش کیا، اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا، وہ یہاں اگر دوسروں کو دکھایا، اس کے بعد شادولی احمد محدث دہلوی نے ۱۹۰۸ء میں نفوس الحریں وغیرہ رسائل میں اپنے روحانی مناظر مشاہدات کی کاغذ کے صفحوں پر تصویر کھینچی، لیکن سفرنامہ کی حیثیت سے شاہ صاحب کے ایک ذی رتبہ شاگرد مولانا رفیع الدین مراد آبادی قابل ذکر ہیں جنہوں نے ۱۹۱۲ء میں حرمین کا سفر کیا، اور احوال الحرمین کتاب لکھی،

اس نئے عہد میں ہر سال حاجیوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ واپس آکر اپنا سفرنامہ عموماً ترتیب دیتے ہیں، اور ان میں مختلف پہلوؤں سے ہر صاحب ذوق اپنی

دنیا کے گوشہ گوشہ کو جہاں تک اسلام کی روشنی پہنچی وہ اُس کے پر تو میں آگے بڑھتے گئے، مگر اُن کی یہ تمام کوششیں اور سرگرمیاں قلی میرزا فی الاقص کے تحت بین تھیں اور اس کے بعد جو جاذبہ شوق اُن کو بیتاب رکھتا تھا، اور دیوانہ وار اُن کو اپنے گھروں سے بے قرار نکال لیستا تھا، اور سفر کی تمام مشکلات کو ان کی نگاہوں کے سامنے ہیج بلکہ اس راہ کی تمام تکلیفوں کو راحت بنا دیتا تھا، وہ وہ نذر عام تھی جو حضرت ابراہیمؑ کی زبانی سنائی گئی تھی، وَادَّتْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ الْآيَةَ،

جب سے یہ ندا دی گئی، ہر زمانہ میں لاکھوں شیدا یوں کی زبانوں نے اُس پر لبیک کہا، اور جب موسم آیا لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کہتے ہوئے اپنے گھروں کو اپنے اہل و عیال، اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ کر مسافرانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صحراؤں بیابانوں کو وحیل، دریا اور سمندر کو طے کر کے بادیہ حجاز پہنچے، اور اس بے آب و گیاہ صحرا کی زیارت سے اپنی روح کی پیاس بجھائی،

مسلمانوں میں جو بھی بڑا سیاح گزرا، اُس کے دل کی اصلی منزل اور سفر کا کتبہ مقصود، یہی سرزمین تھی، وطن سے حج و زیارت کے لئے نکلے، راستہ کے عجائب و غرائب، ملکوں کے دلکش مناظر اور قوموں کے عجیب و غریب احوال شاہ کرتے ہوئے اس خطہ پاک میں پہنچے، فرائض سے فرصت پائی، تو آگے کاہتہ لیا، اور پھر موقع ملا، تو اسی مرکز پر لوٹ کر آگئے، اور پھر کسی دوسری سمت کو نکل گئے، ابن نجدادی، اصطخری فارسی، حکیم ناصر خسرو، ابن حیراندلسی، ابن بطوطہ اور بیہون سیاح اسی قسم کے ہیں، جنھوں نے اپنے سفر کا آغاز اسی نکتہ سے کیا، اور

موثرین روانہ ہوئیں اور شب کی تاریکیوں میں سفر شروع ہوا، کس کا سفر کمال  
 کا شروع ہوا؟ — کون بتائے؟ کسی زبان جواب دے؟ حاضری کی اجازت  
 اسے مرحمت ہو رہی ہے، جس کے نام اعمال کی سیاہیاں، شب تار کی تاریکیوں سے  
 بھی سیاہ تر ہیں، جنوری اس کے آستانہ پر ہو رہی ہے، جو خود طارق بنکر رات کی  
 تاریکیوں کو منور کرے آیا، جس کا ظہور اس گھر میں ہوا، جب دنیا پر تاریکیوں اور  
 سیاہیوں کے ایک سے ایک گہرے پردہ پرے ہوئے تھے، اور جو اپنے ہمراہ نور اور  
 اجالا لیکر آیا، — این! یہ دل کیوں دھڑکتا جاتا ہے؟ یہ آنکھیں کیوں پرخم  
 ہو رہی ہیں؟ یہ زبان کیوں خشک ہوئی چلی جاتی ہے؟ سامنا اس کا تو نہیں ہوا تھا  
 کی میزان ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے، جو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کر نوالا ہے،  
 حاضری تو اس کے دربار کی ہے، جو جماعت و ہمہ مرحمت ہے، جو بدکاروں کی  
 پردہ پوشی کرنے والا ہے، جس کا نام شفیع المذنبین ہے، یعنی نیکوں اور پاکوں کا نہیں  
 گناہگاروں کا نجات دلانے والا، تباہ کاروں کا سہارا! یہ سب کچھ سہی! یہ سب کچھ  
 پر دل اب بھی اپنے قابو میں نہیں، نفس کی شرارتیں، اندر کی خاشاکیں، قلب کی  
 قزاقیں، ایک ایک کر کے بے پردہ ویں نقاب سامنے آ رہی ہیں! اور دیا اور  
 فناء کا جامہ ہر ہر لمحہ چاک ہو رہا ہے، جدہ سے نکلتے ہی ریت شروع ہو جاتی ہے  
 راستہ کا بیشتر حصہ بالکل ریتلا ہے، اور جب مدینہ طیبہ کی مسافت بقدر ایک ثلث  
 کے رہ جاتی ہے، تو پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور زمین بالکل پتھر ملی گئی  
 لگتی ہے، ان نامہوار یوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ لاریاں گویا اچھلتی ہوئی چلتی ہیں  
 اور دھکے اور دھچکے قدم قدم پر لگتے رہتے ہیں، اور دھچکا لگا اور اُدھر زبان

بیٹ کی آگ ہر جگہ بھائی جا سکتی ہے، لیکن اگر زبان کا ذائقہ بھی مطلوب ہے، تو ان  
 منزلوں کے کھانے کے بھروسے پر ہرگز نہ رہنا چاہئے، بلکہ اپنے مذاق و پسند کے مطابق  
 کچھ ناشتہ ضرور ساتھ رکھنا چاہئے، بعض منزلوں میں تریوز اور بعض میں کھجور بھی لجاتے  
 ہیں، بڑی بڑی منزلوں میں رات کو سونے یا دن کو لیٹنے بیٹھنے کے لئے بان کے  
 اونچے اونچے تکیہ دار کھاٹ مناسب کرایہ پر مل جاتے ہیں گوشت کی بنی ہوئی چیزیں  
 تو گرم موسم میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتیں، البتہ سٹو بکٹ بکھن، وغیرہ اگر اس سفر میں ساتھ  
 رہیں، تو کھانے کا مسئلہ یا سانی حل ہوتا رہتا ہو سٹرکین اچھی بری کیا معنی، کہنا چاہئے کہ سرے  
 سے ہین ہی نہیں، چلتے چلتے جو راستے بن گئے ہیں، انھیں کا نام سٹرک رکھ لیا گیا ہے  
 حیرت ہے کہ سعودی حکومت جو موٹروں کی سرپرستی میں اتنی عالی ہمتی دکھا رہی ہے  
 (شاید اس لئے کہ موٹر کمپنیوں سے خوب بھاری بھاری ٹیکس وصول ہوتے رہتے ہیں)  
 سٹرکوں کی تعمیر کی طرف سے اس درجہ غافل و بے پروا ہے (شاید اس لئے کہ سٹرک  
 کوئی آمدنی کی مد نہیں محض خرچ ہی خرچ کا کام ہے) حالانکہ بہتر سے بہتر سواری بھیجا  
 بغیر اچھی سٹرک کے سیکارہ ہے، راستہ کی اسی اتری کا نتیجہ ہے، کہ سواری کی دودو  
 لاریوں کے ساتھ حوادث ناگمانی کے خطرہ سے ایک ایک خالی لاری بھی رکھی  
 جاتی ہے، اور یہ خطرہ محض موہوم نہیں، اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، خود  
 ہمارے ساتھ جو لاری زنانہ قافلے کی تھی، دوپہر کے وقت ایک جگہ ریت میں  
 دھنس گئی، اور کسی طرح نہ ہنس سکی، عجوبہ سواریوں کو اسی خالی لاری میں منتقل  
 کرنا پڑا،

مال دیا جائے یہی صورت ہمارے ساتھ بھی پیش آنی شروع ہوئی۔

جدہ میں منشی احسان اللہ صاحب (نائب قنصل برائے حجاج ہند) کی ذات ہندوستانی حاجیوں کے حق میں بڑی کارآمد ہو، جہاں پر ان سے تعارف ہو چکا تھا، اس پر کو ان سے ان کے گھر پر ملاقات ہوئی، اخلاق و محبت سے پیش آئے ہمارے وکیل صاحب کو مہمانوں کی کثرت و هجوم کی بنا پر ہم لوگوں کی جانب توجہ کرنے کی فرصت کم ملتی تھی، اور سواری کے جلد ہم پہنچنے کی طرف سے تو انھوں نے بالکل قطعاً مایوس کر دیا تھا، منشی صاحب سے جب ملاقات ہوئی اور ان چیزوں کا تذکرہ آیا، تو انھوں نے ٹیلیفون دیکر وکیل صاحب کو فوراً طلب کیا، وکیل صاحب کا اخلاق اسی لمحہ سے بدل گیا، اب ہم لوگوں پر توجہ کرنے کی فرصت بھی انھیں نہ اندھ تھی، اور سواری کے لئے بھی وعدہ ہو گیا کہ کل بلجائیگی، جدہ میں حکومت حجاز کی طرف سے جو حاکم اعلیٰ رہتے ہیں، انکا ام شریف حاجی عبدالقادر خان زینل ہے جدہ میں ٹرمارسین لپنی کے ایجنٹ بھی ہیں، بڑے متمول تاجروں میں انکا شمار ہے، ایسی میں ان کے بھتیجے محمد علی زینل موہیوں کی تجارت لاکھوں روپیہ کی کرتے ہیں، انھوں نے ازراہ عنایت اپنے چچا صاحب کے نام ایک تعارف نامہ دیدیا تھا، اس پر کو منشی صاحب اپنے ہمراہ ان کے ہاں گئے، راج لپنی کا اجلاس ہو رہا تھا، اور ذیل حاجیوں کو بدعنوانیوں پر سرسزائیں مل رہی تھیں، زینل صاحب کو دیکھا، من سفند دارھی، چہرہ شرافت و نورانیت کی ایک تصویر، بڑی خاطر سے پیش آئے، پوچھا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں؟ جدہ بھر میں صحیح و پاکیزہ عربی بولتے

و فی خلافت جو سلطان ہمان تھا وہ بھی جدہ میں شیخ موصوف ہی کے ہاں ٹھہرایا گیا تھا۔  
 بیسویں کے ہاں ابند کمرون میں شب بسر کرنے میں وقت تھی، شب میں میں نے  
 اور مولانا مناظر صاحب نے شیخ موصوف سے اُن کے کھلے ہوئے ہوادار چوتراہ پر لپٹ  
 رہنے کی اجازت مانگی، شیخ نے اپنے لطف و کرم سے مبسرت تمام اجازت دیدی،  
 اور ہم دونوں کی رات بڑے آرام سے اور شیخ کی شکرگزار سی کیساتھ بسر ہوئی

جدہ اترتے ہی سفر مدینہ کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑی، عمر بھائی چاند بھائی  
 نے جدہ میں ہنڈیان ایک ہی نام کے دوسا ہوکاروں، شیخ جمال الدین اور  
 میٹھ جمال الدین ٹپنی کے نام کی دسی تھیں، دونوں سے ملاقات ہوئی، اول الذکر  
 نے بڑی مستعدی اور مستعدی سے بھی بڑھ کر ہمدردی و دلسوزی کے ساتھ سارا کام  
 کر دیا، یہی نہیں کہ رقم فوراً ادا کر دی، بلکہ یہ صحیح و ضروری مشورہ دیکر کہ اندرون  
 حجاز، انگریزی نوٹ اور روپیہ سے کہیں بڑھ کر انگریزی گنیان کام دیتی ہیں،  
 رقم کو نوٹ سے گنیون میں تبدیل کر دیا، روپیہ ہاتھ میں آتے ہی چلنے کی فکر  
 ہوئی، جدہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اونٹ کے قافلے بھی چلتے ہیں، اور اب  
 موٹر بھی کثرت سے چلنے لگے ہیں، ہم لوگوں نے موٹر ہی پر چلنا طے کیا، حجاز میں  
 قدم رکھتے ہی مسافر بالکل مسلم یا اُن کے وکیل کے ہاتھ میں آجاتا ہی، اور بغیر انکی  
 وساطت کے کسی سواری کے لئے معاملت نہیں کر سکتا، وکیل صاحبوں کے مصداق  
 و انراض قدرۃ اس کے مقتضی ہوتے ہیں، کہ جتنے دن بھی ممکن ہو صاحبوں  
 کو جدہ میں پڑا رہنے دیا جائے، اور جب وہ سواری کے لئے تقاضا کریں، تو انھیں

زیادہ دور دور زمین جہان ہم ٹھہرے ہیں، بازار یہاں سے قریب ہیں، ڈاکخانہ بھی  
 زیادہ فاصلہ پر نہیں، اور مسجد تو بالکل پڑوس ہی میں ہے، اتفاق سے آج ہی ہندوستان  
 کی ڈاک روانہ ہونے کا دن ہے، خطوط نگاہ کر ڈاک میں ڈالے نہیں گئے، بلکہ پوسٹاسٹر  
 صاحب کے ہاتھ میں دیدیئے گئے۔

میں نے ایک نئی ورق، شاندار و آراستہ عمارت کھڑی ہوئی ہے، معلوم ہوا  
 کہ شیخ محمد نصیف صاحب کا مکان ہے، یہ یہاں کے ایک امیر کبیر ہیں، بیٹی سے ایک  
 صاحب نے اپنی کسی ضرورت کے متعلق ایک خط ان کے نام کا مجھے دیا تھا، اسے  
 لیکر مولانا مناظر احسن صاحب کے ہمراہ دوپہر کو ان کے ہاں گیا، عربی و عربی اختلاف  
 اور مجازی شاہ مسافر نوازی کے ساتھ پیش آئے، اور وہ نہیں جانتے، صرف عربی میں  
 گفتگو کر سکتے ہیں چنانچہ مولانا سے عربی ہی میں گفتگو ہوتی رہی، ایک عظیم الشان کتب خانہ  
 کے مالک ہیں بڑی بڑی الماریوں میں نفاست و سلیقہ کے ساتھ کتابیں چنی ہوئی، اور  
 گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ کتابوں کا ذخیرہ محض الماریوں کی زینت کے لئے نہیں بلکہ  
 دل و دماغ میں بھی اپنا گھر بنا چکا ہے، ظہر کی نماز انھیں کے مکان پر جماعت کے ساتھ  
 نجدی امام کے پیچھے پڑھی، یہیں ایک صاحب سے یہ کہہ کر لایا گیا کہ وہ شیخ محمد بن  
 عبد الوہاب کے پوتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا کہ نجد کے مشاہیر علماء میں ہیں، مولانا  
 مناظر نے ان سے کچھ سوالات کئے جو اب اس میعار پر نہ ملے، جس کی توقع ایک  
 صاحب نظر عالم سے ہو سکتی ہے، مناسب ہے کہ سلطان ابن سعود جب جدہ آتے ہیں  
 تو شیخ محمد نصیف ہی کے ہاں فرود کش ہوتے ہیں، ۱۲۸۵ھ میں ہندوستان کا

# باب ۸

## جدہ سے راہ مدینہ

صاحب بیسوی نے ہمیں اپنے ذاتی مکان میں ٹھہرایا، یہاں عمو اکی کئی  
 منزلوں کے مکانوں کا رواج ہے، یہ مکان بھی کئی منزل کا ہے، ہم لوگوں کو جگہ  
 دوسری منزل میں ملی، اس میں دو کمرے ہیں، ایک بڑا اور ایک اوسط درجے کا، عورتوں  
 کو بڑے کمرے میں کر دیا، چھوٹے کمرے کو مردانہ رکھا ہے، سامان زیادہ تر نیچے کی منزل میں  
 رکھنے دیا، سولہ آدمیوں کے لئے دو کمروں کی گنجائش نا کافی معلوم ہو رہی ہے، صحن نہ  
 ہونے سے گرمی علی الخصوص محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت اللہ  
 کی ناشکرہ ہی ہے، سیکڑوں ہزاروں، اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں اتنی جگہ کیا  
 یعنی، اس کی آدھی بلکہ چوتھائی بھی نصیب نہیں، اور وہ صبر و شکر کے ساتھ تیز دھڑ  
 آئین بنتی ہوئی زمین کے اوپر، سڑکوں اور راستوں میں، بستر جائے بیٹھے ہیں،  
 وہ بھی آخر انسان ہی ہیں، وہ بھی حاجی ہیں، وہ بھی پردیسی ہیں، وہ بھی اللہ ہی  
 کو وہ میں گھر بار، عزیزوں، دوستوں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں، اور ان میں سب کے سب  
 مفلس اور کنگلے ہی نہیں، کیا انہیں آرام کی خواہش نہیں؟ کیا انہیں موسم کی سختیوں  
 کا احساس نہیں ہوتا؟ — جدہ کا رقبہ کچھ بہت بڑا نہیں، اس لئے مقامات



ہو کر رہتی تھی، سو ہو کر رہی، مسجد میں نماز گئی وقت پڑھی، پر شہر کے عائد کا بر  
ایک وقت بھی مسجد کے اندر نہ دکھائی دیئے، اور دل نے تاسف کے ساتھ کہا  
کہ حضرت اکبر مرحوم کا تجرہ ع

کو نسل میں بہت زیادہ مسجد میں فقط تین؛

صرف ہندوستان ہی تک محدود نہیں، اور یاسے جتنا کا کنارہ ہو، یا بحر احمر کا ساحل  
آج مسجد کی آبادی جہاں کہیں بھی قائم ہے، میان جہن ہی کے دم سے ہے!



جَدّہ، سرزمین عرب کا بھانگ ہی، حکومتِ اسلام کا پہلا شہر ہے، بُرا یا  
 بھلا جیسا بھی ہے، اپنا ہے، اور اپنوں اور اپنے والوں کی چاہت کے نہیں  
 ہوتی؟ لیکن ————— اے سب عزتوں کے مالک! ایک گستاخ  
 مشتبہ خاک کو یہ کہنے کی اجازت دے کہ ————— اب تو کسی کو بھی  
 ”اپنا“ کہتے ہوئے دل لرزتا ہے، اور زبان چکچکتی ہے، خیر، قرطیبہ، غرناطہ  
 کو تو مدت ہوئی بھول چکے، لیکن ابھی کل کی بات ہے، کہ بقصرہ اپنا تھا، بغداد  
 اپنا تھا، حلب اپنا تھا، بیروت اپنا تھا، دمشق اپنا تھا، بیت المقدس اپنا تھا، قاہرہ اپنا تھا، ہتبول اپنا تھا  
 اور کچھ ہی قبل شاتجان آباد اپنا تھا، اکبر آباد اپنا تھا، لاہور اپنا تھا، ملتان اپنا تھا، لکھنؤ اپنا تھا، امرتسر آباد  
 اپنا تھا، عظیم آباد اپنا تھا، دھاکہ اپنا تھا، بیجاپور اپنا تھا، کرناٹک اپنا تھا، آج ان  
 میں سے کوئی ”اپنا“ ہی؟ پھر جدّہ غریب کی خیر کب تک منائی جا سکتی ہو؟  
 یا جوج کا پھریرا گو آج ضابطہ و رسم کے ساتھ وہاں نہ لہرا رہا ہو، لیکن جدّہ  
 کے کوچہ و بازار دور و دیوار سب یا جوج ہی کی عظمت کے نقیب بن چکے ہیں  
 دوکانوں میں مال ہے تو ولایتی، بازاروں میں سودا ہے تو ولایتی، مکانوں  
 میں سامان ہے تو ولایتی، جہموں پر لباس ہے تو ولایتی، عقلمیں مرعوب قلوب  
 مفلوج! کوئی کس چیز سے دل کو سمجھائے، اور کیا لکھراپنے کو دھوکا دے!  
 سرزمین اسلام کا اسلامی شہر اور دل ترستارہ گیا، کہ کسی محدث کی زیارت  
 سے آنکھیں روشن ہوں، کسی بزرگ صاحبِ باطن کی نگاہِ کرم دل کو گرمائے  
 کسی فقیہ کے حلقہٴ درس و افتاء کی تازگی و شگفتگی تھکے ماندے مسافر کی خستگی و  
 ماندگی کو دور کر دے! پڑا، یہ کچھ بھی نہ ہوتا تھا! ہر تنانا کام، ہر آرزو، ہر

شرح پر تیار، کھاری سمندری پانی البتہ بہ افراط مکانات کی وضع یہی کے  
 مکانات سے ملتی جلتی، یعنی صحن کار و اراج برلے نام، اور اوپر تلے چار چار پانچ  
 پانچ منزلوں کا و اراج عام! انھیں کرون کو کھڑکیوں کی مدد سے خاصا ہوا،  
 بنایا جاتا ہے، ہندوستان کے لوگوں کو جس شے کی زیادہ تکلیف ہوتی ہے، وہ یہاں  
 کے پانخانے ہیں، ہندوؤں کی قسم سے کوئی قوم یہاں موجود نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ  
 ہر مکان میں بہت گہرے سڑاس، کنوین کی طرح گہرے بنے ہوئے ہیں،  
 انھیں میں رخ حاجت کی جاتی ہے، اور ان کی حفوت مکان کے دوسرے  
 حصوں تک پھیلی رہتی ہے، زبان، موجودہ بگڑی ہوئی عربی ہے، جیسے قرآن مجید کی  
 عربی سے کوئی نسبت نہیں، تاہم اردو بھی اچھی خاصی سمجھ لجاتی ہے، اور محض اردو  
 بھی اپنا کام نکال ہی لیتے ہیں، حاجیوں کے ہجوم کے زمانے میں ہر گھر  
 مسافر خانہ بنا ہوا، ہزار ہا غریب حاجی سرکون پر اور گلیوں پر پڑے ہوئے،  
 ملک صفیہ حیدر آباد ریاست بھوپال اور ریاست ٹونک کی طرف سے  
 مکہ و مدینہ میں رہا طین (قیامگاہیں) بنی ہوئی ہیں، اگر جدہ میں بھی ہندوستانیوں  
 کے لئے دو ایک بڑی رہا طین بنجائیں، اور انتظام اچھے ہاتھوں میں رہے،  
 تو کم سے کم حاجیوں کی ایک جماعت کو تو بڑی سہولت حاصل ہو جائے آبادی  
 میں ہندوستانیوں کا عنصر بالکل غائب نہیں، حاجی اور تجارت کے سلسلے میں  
 صوبہ بمبئی خصوصاً علاقہ کجرات و کاٹھاوار کے لوگ اکثر نظر آئے، انگریزی  
 قیصل خانہ میں نیز مٹر کمپنیوں میں صوبہ پنجاب کی نمایندگی متاخر ہوا، جازمی  
 کمپنیوں کے دفتر میں بمبئی، بہار، اور اودھ کے چہرے اور قیافے نظر پڑنے

اور دوپہر ہوتے ہوتے چار درویش کے چار چنڈ یعنی پورے سولہ درویش ان کے مکان میں اکٹھا ہو گئے۔

جسٹہ ہندوستان کے شہروں کے معیار سے کوئی بڑا شہر نہیں، کوئی پندرہ ہزار کی آبادی ہوگی، لیکن اپنی جغرافیائی ہیئت کے لحاظ سے اہمیت بہت خاصی رکھتا ہے، بازار اچھا بڑا ہے، ہر قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں، اور گرائی کچھ ایسی زائد نہیں، بسکہ ہر ملک کے چل جاتے ہیں، ہندوستان کے چاندی کے سکے بے تکلف چلتے ہیں، البتہ نکل کی ریزگاری نہیں چلتی، ہندی سکے کا تبادلہ حجازی سکے سے آسانی ہو جاتا ہے، کھانے کی دوکانیں بکثرت، اور سیٹ بھرنے کے قابل کھانا قدم قدم پر مل جاتا ہے، البتہ اچھے ہوٹل ذرا تلاش کے بعد ہی ملتے ہیں، اور ان کے نرخ کا تحمل بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں، ڈاکخانہ ہے، اسپتال ہے، ہیمنہ میں تین مرتبہ ہندوستان کی ڈاک نکلتی ہے، لیکن ہندوستان کے ڈاکخانوں سے یہاں کے ڈاکخانہ کو کوئی نسبت نہیں، ہر کام توکل پر چلتا ہے، صفائی کا انتظام خاطر خواہ نہیں، یہاں کی لکھیان اپنی کثرت کے لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہیں، عرب کی سرزمین شروع ہو چکی ہے، اس لئے گرمی کی بابت کچھ کہنا تفصیل حاصل ہے، برف مل جاتی ہے، اگرچہ گران قیمت پر، پانی کی قدر جہانہ ہی سے شروع ہو جاتی ہے، اور عرب پہونچکر تو پانی کے بارے میں ہندوستان کی پڑی ہوئی مسرفانہ عادتوں کی اچھی خاصی اصلاح ہو جاتی ہے، جسدہ میں میٹھا، یعنی سمندر کا صاف شدہ پانی تلاش سے اور خاصی گران

"عقل کل" اُس کا مسلم ہوتا ہے ہندوستان کے لئے حکومت بھاری کی طرف سے سکون  
 بلکہ شاید ہزاروں کو تعلیم کی اجازت حاصل ہو، اور حاجی نے کہ میں قدم رکھا اور  
 اُس کی زندگی کا ہر قدم مسلم کے حدود اختیار میں آگیا، کہ میں قیام کا انتظام خود  
 کا انتظام، سہمی کا انتظام، ہستی، وفات، اور تدفین میں رہنے کا انتظام، قربانی کا انتظام  
 سواری کا انتظام، غرض چھوٹی بڑی ہر شے تعلیم ہی کے ذریعہ سے مل پاتی  
 ہے، اجڑہ میں ہر علم کی طرف سے ایک نمایندہ یا ایجنٹ مقرر رہتا ہے، جو بیان کی  
 اصطلاح میں اُس کا وکیل کہلاتا ہے، اور جس طرح کہ میں حاجی کے لئے معلم  
 ہی سب کچھ ہوتا ہے، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ بیان جہہ میں "وکیل" کو حاصل  
 رہتا ہے، ہم سے معاملہ پر آتے ہی قبل اس کے کہ محصول خانہ اور جنگی گھر  
 کے مرحلے طے ہوں، دریافت کیا گیا تھا کہ تمہارا علم کون ہے؟ اور جب جواب  
 میں عبدالقادر سکندر کا نام بتایا گیا تھا تو ان کے وکیل جہہ، صاحب میسون نے  
 بڑھکر ہمارے پاسپورٹ کو بلکہ خود ہم کو اپنے قبضے میں کیا، سکندر کے وکیل کا  
 نام محمود بیونہی ہے، مگر اب وہ گہر سنی کی بنا پر خانہ نشین ہو گئے ہیں، صاحب  
 بیونہی ان کے لڑکے اور حیر عمر کے ہیں، اور چونکہ ہندوستان میں عرصہ تک  
 رہ چکے ہیں، اس لئے اردو بخوبی سمجھ لیتے، اور اُلٹی سیدھی بول بھی لیتے  
 ہیں، ان کا نوجوان لڑکا مصطفیٰ بیونہی گو بے تکلف ہونے سے قبل اردو بولتے  
 ہوئے شرانا ہر لیٹن حاجیوں کا کام نکالنے اور انھیں آرام پہنچانے میں  
 اپنے والد سے کہیں بڑھکر ہے، ہم کو انھیں وکیل صاحب کے مکان میں لایا  
 گیا، تھوڑی دیر کے بعد ہمارے مارے قافلہ کے لوگ بھی یہیں پہنچ گئے

تھا، وہ لوگ نہ فارسی بول سکتے تھے، نہ انگریزی نہ اردو، نہ ہی عربی، سو عربی اور  
 یہاں آتی ہی کیا ہو، اور غلط سلط، ٹوٹی پھوٹی، ایک آدھ فقرے بولنے کی جو کوشش  
 کیجاتی، سو اسکو وہاں کے لوگ نخوی کہتے اور سرے سے عربی ہی نہیں تسلیم کرتے،  
 پاسپورٹ کی دکھائی نہیں ہوتی ہی، اور اس کی اصلی ضرورت سارے سفر بھر میں  
 اسی موقع پر پیش آتی ہو، بہر حال جنگی خانہ کے مختلف عامل کے سامنے حاضری دینی  
 پڑی، میرے پاس اسباب مطلق نہ تھا، صرف گلے میں ایک پھیلا پڑا تھا، اس میں چند  
 خطوط اور ہنڈیاں وغیرہ تھیں، محکمہ جنگی کے مختلف عامل اپنی ساری قوت تفتیش  
 و تحقیق انھیں کاغذات کی الٹ پلٹ میں صرف فرماتے رہے اور ادھر یہ انداز  
 ہوتا رہا، کہ سرخ فیتہ (RED TAPE) خواہ بھر ہند کے ساحل پر ہو یا بحر  
 کے، ہر جگہ کچھ کیساں ہی سا ہوتا ہو! چودھری صاحب کے ساتھ چونکہ کس وغیرہ  
 بھی تھے، اس لئے قدرۃً اُن بیچارہ سے باز پرس بھی زائد ہوتی رہی، اور غالباً  
 کس کھلو اگر دیکھے گئے، اس گیر و دار میں میں اور وہ علیحدہ بھی ہو گئے، اور میں  
 بغیر کسی رستہ و رہنما کے اس اجنبی مقام میں بالکل تنہا رہ گیا، بارے تھوڑی  
 سی دیر کی حیرانی و گسستگی کے بعد ہمارے وکیل کا ایک ملازم لگیا اور وہ وکیل صاحب  
 کے مکان تک لے آیا، فاصلہ گودو تین فرلانگ سے زائد نہ تھا، لیکن ایک تو عرب  
 کی دو پہر اور پھر مقام کی اجنبیت، اس لئے مسافت اس وقت زائد  
 محسوس ہوئی،

سفر حجاز میں جہان تک حج و تعلقات حج کا تعلق ہے، ہر حاجی کی

اخلاق سے ملے چند ہی منٹ کے بعد ایک آن سے بھی زیادہ کار آمد اور صاحب اختیار  
 افسر ہنسی احسان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی، جو عرصہ سے جدہ کے انگریزی  
 قنصل خانہ میں ہیں اور اس وقت شنبہ حجاج کے ذمہ دار افسر ہیں، انکی بابت مختلف  
 روایات و حکایات سننے میں آئی تھیں، تاہم اتنے جزو پر سب کا اتفاق تھا کہ یہ جس  
 پر مہربان ہو جاتے ہیں، اسکا کام اپنے اثر و اقتدار سے خوب نکال دیتے ہیں، آدمی  
 باخبر ہیں، اخبارات وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں، مجھ سے واقف نکلے، اور بڑی خندہ خنسی  
 سے پیش آئے، بعض اجاب نے ان کے نام کے متعارف نامے بھی دیدیے تھے لیکن  
 انکی خوش اخلاقی کے بعد یہ متعارف نامے غیر ضروری تھے، ان دونوں جدید مہربانوں  
 نے صلاح یہ دی، کہ اپنی پارٹی کو مع اسباب کے سروسٹ جہاز پر چھوڑے جاؤں  
 اور خود ان کے ساتھ انکی سرکاری کشتیوں پر چلا چلوں، بالآخر یہی ملے پایا، اور  
 اپنے قافلہ کو جہاز پر چھوڑ کر، زمین تن تھا قاضی عزیز الدین صاحب کے ہمراہ، ٹر زار  
 کمپنی کے موٹر لائچ پر سوار ہو کر ساحل کو روانہ ہوا، اسی موٹر لائچ پر ہم اسے جہاز  
 کے کپتان پی، ایچ، وارڈ اور چودھری محمد علی ردو لوی بھی آئے۔

ساحل پر قدم رکھتے ہی، قاضی صاحب تو رو کر دہ از ایک طرف، بغیر مین  
 کوئی ہدایت دیئے کپتان کو ساتھ لئے، اپنے دفتر کی طرف چلے گئے، اور ہم نو وارد  
 اجنبیوں کو یا نکل ہماری قسمت پر چھوڑ گئے، مین تھا تھا، چودھری صاحب کیسے  
 ستورات بھی تھیں اور کچھ سامان بھی اب ٹکڑے بحری کے مختلف لوگوں نے ہم  
 سوالات شروع کئے، اور زبان کی رجنیت کا عملاً احساس اس وقت سے شروع

ہی صبر و ضبط نفس کی تعلیم ہے یہ عین اُس گھڑی پیش آرہا ہے جس وقت دوسروں کی خدمت و اعانت ہی سب سے بڑا مقصود ہونا تھا۔۔۔۔۔ غیروں کے جو مظالم آپ پر ہوتے چلے آئے ہیں اور اس وقت ہو رہے ہیں، اُنکا دکھڑا تو آپ بڑے درد کے لمحہ میں روتے ہیں لیکن اُنکا ایک مرتبہ ذرا آئینہ ہاتھ میں لیکر ارشاد ہوا کہ خود آپ نے اپنے اوپر ظلم کرنے میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے جو دجا اصابا بلکہ من مصیبة فہما کسبت ایدیکم و یعفو من کثیر۔

جہاز کے رکتے ہی دو موٹر لاپنچر (دخانی کشتیاں) نمودار ہوئیں ایک میں جہازی کپتی (ٹرینر مارین) کے کچھ عہدہ دار تھے اور دوسری میں انگریزی قنصل خانہ کے افسر ان کے علاوہ کچھ سعودی حکومت کے نمائندے بھی تھے، ڈاکٹر وغیرہ مسافروں کو اترنے کی اجازت ملنے سے قبل ان سب حضرات کو اپنے اپنے سرکاری خدمات کے ضابطے اور رسوم پورے کرنے تھے اور ان کے لئے خاصہ وقت درکار تھا، ٹرینر مارین کے دفتر میں ہمارے جوار وطن، اسدن پور ضلع بارہنگی کے رہنے والے قاضی عزیز الدین صاحب ساہا سال سے کارکن اور بڑے کارگذار ہیں، انکی کارگزاریوں کے واقعات اپنے جوار کے بعض حاجیوں کی زبانی سن چکا تھا، یہ جہاز پر اپنی سرکاری ضرورتوں سے آتے ہی رہتے ہیں کپتان کے کمرے سے نکلے ہی تھے، کہ مجھ سے تعارف ہوا، پریس میں دیس کے آدمی کی شکل دیکھ کر طبیعت کو قدرۃً جو خوشی حاصل ہوتی ہی، اسکا انداز وہی کر سکتے ہیں، جنہیں خود کبھی ایسی صورت پیش آچکی ہی، بیچارہ لطف و



ٹوہانی تین سیل و دوری، نو بجے بجے تہا زنگر انداز تھا، مگر مہیسی کی طرح جدہ میں  
 جہازوں کے لئے کوئی پلیٹ فارم نہیں اور کیوں ہونے لگا تھا؟ جدہ میں آخر  
 حاجیوں ہی کے جہاز تو ٹھہرتے ہیں نہ؟ اور حاجی کیوں یہ ہر مرتبہ بھول بھول  
 جاتے ہیں کہ اس دورِ علم و تمدن میں انکا وجود جہازوں اور چوہا پون سے کچھ ہی  
 بہتر ہے! ساتویں صدی عیسوی کے کنہ و فرسودہ احکام و شرائع پر عمل کرنا  
 آخر اس کی توقع ہی کیوں قائم کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی  
 ان کے نصیب میں بیویں صدی عیسوی کی سہولتیں اور آسائشیں آسکیں گی؟

جہاز کی حرکت رُکی، اور جہاز پر حرکت شروع ہوئی، چنچ پکار، غل و شور، دوڑ  
 بھاگ، ظاہر ہے کہ جہاز کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہے، ٹھہرنے ہی کے واسطے رکا ہوا  
 اور نہ جدہ کی زمین کہیں پھسل جا رہی ہے، لیکن اتنا صبر کس کو اور اتنے انتظار کی  
 توفیق کسے؟ جہاز سے کشتیوں پر اترنے کے لئے زینے صرف دو، اور ان دو زینوں  
 پر ڈیڑھ ہزار کے مجمع کا ہجوم! ہر شخص بیتاب، کہ سب پہلے خود ہی اترے گا، اور اپنا  
 اسباب اتارے گا، یہ اسے گھسیٹ رہا ہے، وہ اسے ڈھکیل رہا ہے، یہ اسے دھکا  
 دیر رہا ہے، وہ اسے کہنیاں مار رہا ہے، مفاقت و رونا اور چہرہ دستوں کی بنائی  
 ہے، باقی کمزور اور ناتوانوں، بیماروں اور بچوں، بوڑھوں، اور بوڑھیوں  
 پر جو کچھ گذر رہی ہے، اس کی بجز خدا نے علیم و بصیر، سمیع و غیر کے اور کسے خبر!  
 ایک نفسی نفسی کا عالم، ہر سمت محشر اضطراب! یہ ان لوگوں کا حال ہے، جو ایشیا  
 و بے نفسی کا سبق لینے کو نکلے ہیں، یہ اس سفر میں پیش آ رہا ہے، جس کا مقصد

# باب

## جدہ

۸ اپریل، دو شنبہ، آج جدہ پہنچنے کا دن ہے، آج دنوں کے شوق و اشتیاق کا کیا پوچھنا؟ اسباب کی بندش رات ہی سے شروع ہو گئی تھی اب سویرے سے جہاز کی بالائی عرشوں پر حاحیوں کے پرے پرے ہوئے سب کی نگاہیں ساحل کی طرف لگی ہوئی، ساحل جون جون قریب آتا جاتا ہے، پانی کا رنگ بجائے نیلے کے سبز ہوتا جاتا ہے، اور بحری پہاڑ یاں کثرت سے نمودار ہوتی جاتی ہیں، دن نکلنے کے بعد ساحل سے ایک کشتی جہاز کی طرف آتی ہوئی نظر آئی، اس کشتی پر عرب کپتان سوار ہو، اندرون ساحل جہاز کی رہنمائی بھی عرب کپتان کر گیا، نیچے وہ کشتی جہاز سے آکر گئی، اور عرب کپتان دم بھر مین کھٹ کھٹ کرتا ہوا جہاز کے سب سے بالائی حصہ میں کپتان کے پاس پہنچ گیا، اب اس وقت سے جہاز کی رہنمائی کا مالک و مختار بھی عرب ہے، — شاید کارکنان قضا و قدر کو بھی موز و نیت اسی میں نظر آئی کہ ملک عرب میں داخلہ کے وقت رہنمائی کا فرض ایک عرب رہنما ہی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے، — آٹھویں سارے آٹھویں اب جدہ کی عمارتیں صاف نظر آنے لگیں، مگر شہر اب بھی

لیکن مجددِ اُمّت ایک مختصر گروہ آخر تک اس فریب میں نہ آیا اور مدینہ پاک کی  
 حاضری سے ابتدا کرنے کی نیت پر قائم رہا، موجودہ حالاتِ حجاز کی جو ظہیم ہوشربا  
 سکندر صاحب نے سنانی شروع کی تھی، یہ اس کی پہلی حکایت تھی، آئندہ کیسے  
 تمام عازمانِ حج کی خدمت میں بڑے اصرار کے ساتھ گزارش ہو، کہ اپنے معلقوں  
 کی صداقت و دیانت کے متعلق زیادہ حسن ظن ہرگز نہ قائم فرمایا کریں، اور انکی  
 بہم پہونچائی ہوئی اطلاعات کی تحقیق دوسرے ذرائع سے ضرور کر لیا کریں،



کی بابت منقول ہوا کہ آپ حج کے ساتھ ضمننا و طبعاً مدینہ منورہ کی زیارت خلاف  
ادب اور اپنے لئے ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ اس کے لئے ایک مستقل سفر تازہ احرام کیا  
اختیار فرماتے تھے، خیر یہ تو بڑے مرتبہ کے لوگوں کی باتیں ہیں لیکن اگر کسی سی  
کو دین سے سفر حج اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہو، جہان سے اس کے رسول  
برحقؐ نے کیا تھا، اور اسی مقام سے احرام حج باندھنے کی دولت نصیب ہو جائے  
جہان سے خود مرشد عظم نے باندھا تھا، تو اس میں شریعت و طریقت، ظاہر و باطن  
حقیقت و حقیقت کسی کو کچھ گفتگو کی گنجائش ہو، اور اگر کسی کو ہو بھی، تو بھر جا  
اپنا اپنا ذوق اور اپنا اپنا مسلک ہو،

معلموں کی ایک خاصی جماعت (خدا ان پر رحم فرمائے) اور انھیں راہِ ہدایت  
دکھائے (جو بیسی سے جہاز پر ہمراہ ہو گئی تھی)، اس نے کافران سے غل چاٹا شروع  
کر دیا کہ حبہ سے کسی کو براہ راست مدینہ منورہ جانے کے لئے سواری نہ لگنی  
اور سودی حکومت نے براہ راست مدینہ کا سفر حایون کے لئے بند کر رکھا ہے،  
اس لئے سب کو مکہ کے قصد سے یسلم ہی میں احرام باندھ لینا چاہئے، اس  
جماعت میں سب سے پیش پیش خود ہمارے معلم عبد القادر سکندر تھے، جو شاید  
کسی زمانہ میں عرب یا ترک رہے ہوں، اگر اب تو سالہا سال سے لکھنؤ ہی  
ہی ہیں اور بیسی سے جہاز پر ہمراہ تھے، بہت سے نیک دل و سادہ مزاج  
اجاب جو اپنے ہی ظرف پر معلموں کو بھی قیاس فرما رہے تھے، دھوکے میں  
آگئے اور معلموں کے ہنگامہ سے متاثر ہو کر جہاز پر سب کے ساتھ احرام بند ہو گئے،

ہیں ابارک ترین وہ جو زندگی میں اپنے مقصود کو مردہ کر چکے ہیں! آج انکا  
باس ہی مردوں کا لباس نہیں انکا نفس بھی مردوں کا نفس بن چکا ہے،  
لَا تَمُوتُ وَلَا تَفُوتُ وَلَا يَجِدُ الْإِنْفِ الْجُ، لَمْ يَجْعَلْنَا نَشْهُوتُونَ اور خواہشوں  
میں مبتلا ہونا زندوں کا کام ہے، مردوں کو بھی کسی نے سفت اور فسوق  
اور جدال میں مبتلا دیکھا ہے؟

لَبِيتَ اللَّهُمَّ لَبِيتَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبِيتَ، ان الحمد والمنة لك والملك  
لا شريك لك لبيك الله الحق لبيك لبيك وسعديك والخير بيدك نماز کے  
بعد صدائیں ہیں تو یہی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، چڑھتے اترتے ایک دوسرے  
سے ملتے جلتے، صاحب سلامت کرتے صدائیں ہیں تو یہی، لانا لکھنا کو اگر رنگ کا  
موقع ہو سکتا ہے، تو یہی، آج حاجیوں سے بڑھ کر خوشی کس کو ہو سکتی ہے؟ جس  
محبوب کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، دوست چھوڑے، عزیز چھوڑے  
سفر کی ساری کڑیاں بھیلین، اس کے شہر کا پہلا بھاگ کھل گیا، داخلہ کی  
اجازت مل گئی، حاجیوں سے زیادہ خوش نصیب آج کون ہو گا؟ اور اس  
زیادہ خوشی اس وقت کس کو ہوگی؟ ڈیڑھ ہزار حاجیوں میں سے تقریباً سب  
سب احرام پوش ہو گئے، البتہ دیوانوں کی ایک مختصر جماعت ایسی تھی، جس نے  
اس وقت احرام نہیں باندھا، اس جماعت کا ایک خادم گھر سے ہی نیت کو کے  
نکلا تھا، کہ جدہ پہنچ کر پہلے میدھے استاذہ نبویؐ پر حاضری دیجائیگی، اور پھر  
وہاں سے انتشار الشرج بیت اللہ کی نیت کیجائے گی، حضرت بایزید رضی اللہ عنہ

دربار کی سرحدیں شروع ہو گئیں، اب نہ کوئی بڑا ہرن نہ کوئی چھوٹا نہ کوئی امیر نہ کوئی  
 وزیر نہ کوئی حاکم ہرن نہ کوئی عالم نہ کوئی خان بہادر ہرن نہ کوئی لیڈر، سارے  
 کے سارے غلام ہیں، اور سب کے سب یکس اور بے بس بندے! اب نہ ہیٹ ہرن نہ  
 پگڑی، نہ عمامہ ہرن نہ شملہ، نہ ترکی ٹوپی ہے، نہ گاندھی کیپ، نہ قمیص ہے، نہ عبا، نہ  
 کوٹ ہے، نہ شیروانی، نہ کالر ہے، نہ ٹائی، نہ تپلون ہرن نہ پاجامہ، سب کی زبانوں  
 پر ایک لہجہ کے ترانے ہیں، اور سب کے جموں پر بے سلی ہوئی دودو چادر ہیں  
 یہ والٹر کے کاردار نہیں، لاٹ صاحب کا ڈرنہیں، ہائیگورٹ کی عدالت نہیں  
 یہاں نہ ایوننگ ڈریس کی ضرورت، نہ گاؤں کی حاجت نہ پاناہ اور دستا نہ  
 کی احتیاج! یہ اللہ کے دربار کی حاضری ہے، یہ اُس قدرت اور حکومت والے  
 اُس عزت اور جلالت والے کے دربار کی حاضری ہے، جو کلکٹر صاحب اور  
 کمشنر صاحب، جج صاحب اور ڈاکٹر صاحب، لاٹ صاحب، اور بڑے لاٹ صاحب  
 قیصر جرمنی اور شاہِ برطانیہ، فرانس کے وزیرِ اعظم اور جمہوریہ امریکہ کے صدرِ اعلیٰ  
 کے مسولین اور انگلستان کے لائڈ جارج، مصطفیٰ کمال، اور جواہر لال، سب  
 کی جانوں اور سب کی زندگیوں کا یکساں مالک ہے، اس دربار کی وردی  
 سبے انوکھی، سبے زالی، سبے الگ ہے، یہاں قدرِ زرین کلاہوں کی نہیں  
 یہاں عزت رنگین قباؤں کی نہیں، یہاں طلبِ صرفِ کفن پوشوں کی ہے!  
 — اُن کی جو جیتے جی مُردوں کا لباس پہن چکے ہیں، انکی جو اس لباس  
 کی یاد تازہ کئے ہوئے ہیں جس کے زیب تن کرنے کے بعد پھر قطعاً کوئی دنیوی  
 لباس جسم کو مس نہ کر سکے گا، مبارک ہیں وہ جو زندگی میں موت کا لباس پہن چکے

جب ڈیڑھ دو ہزار انسانوں کا مجمع، حسین بدتہذیب اور گنوار مرد بھی شامل ہوئے  
 ہیں اور پردہ نشین شریف خاندانوں کی حیا دار اور شرمیلی بہو بیٹیاں بھی، لوٹا ہاتھ  
 میں لئے ہوئے ان چند پانچافون پر حملہ آور ہوتا ہے، تو اس وقت کی گفتگو اور حق پرش  
 دیکھنے کے لائق ہوتی ہے! — لیکن اس کی شکایت ہی کیا، اور اس کا انکسار  
 کیوں؟ یہ کیمپ آخر جاجیوں ہی کا کیمپ ہوتا ہے، اور حاجی غریب کسی پاجوجی  
 حکومت سے راحت و آسائش کی توقع ہی کیوں رکھے؟ اس کا کام تو فی کس  
 حصہ کے حساب سے قرضینہ کامران کی فیس دیدینا ہے، اور بس، اور راحت و آسائش  
 ہی کا اگر خیال ہے، تو اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ میں سچ و سچ، طوائف و  
 سخی، زیارت و عبادت کے لئے سفر ہی کیوں اختیار کیا جائے؟  
 جکو ہو دین و دل عزیزا کی گلی میں جا کیوں!

کیمپ کا وسیع احاطہ ہے کے تارون سے گھرا ہے، جس کے باہر قدم رکھنا ممکن  
 نہیں، کامران میں انگریزی ڈاکخانہ بھی ہے، بہت سے لوگوں نے خطوط لکھ کر میاں  
 وطن روانہ کئے، شب بھین بسر کی، راپریل کی صبح کو اس "قید فرنگ" سے نہ بھی  
 قرضینہ فرنگ سے بچنے کی اجازت ملی، اور خاص عنایت و اہتمام سے کام لیکر  
 سب سے پہلی کشتی ہماری ہی ٹکڑی کو دلائی گئی، سب مسافروں کے جہاز تک پہنچنے  
 میں کوئی چار گھنٹے لگے ہوں گے، دس بجے کے قریب جہاز نے لنگر اٹھا دیا،  
 اور روانہ ہوا!

کامران کی بے احتیاطیاں، اب رنگ لائیں، سرکاری غفلت نے میں باہر

کا بڑا و تمام حاجیوں کیساتھ چھا دیکھنے میں آیا ڈاکٹر، فقیر اللہ بھی پہلے آدمی معلوم ہوئے، جزیرہ کا بڑا حاکم بڑش لٹری ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہی، اس وقت جو حاکم ہو، اس کا نام اسی ویکم ہے، فوجی کپتان کا عہدہ رکھتا ہو، خلیق اور خوش مزاج ہو، میں غسل کر کے بھیگی لنگی باندھے ہوئے ابھی جامہ خانہ میں کھڑا اپنے کپڑے تلاش کر رہا تھا، کہ ایک انگریز کو میں نے اپنے پاس کھڑا ہوا پایا، جو اردو میں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ کب اچھا ہو؟ "ڈاکٹر چوہان بھی پاس ہی ٹہل رہے تھے، انھوں نے بتایا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں، اس کے بعد انگریزی میں باتیں ہونے لگیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بہت دیر تک جاری رہیں، بڑی بے تکلفی سے سیاسیات حاضرہ سے لیکر اپنے بیوی بچوں تک ہر مسئلہ کو اپنا موضوع گفتگو رکھا، علی برادران کا بھی ذکر آیا، اور بڑے بھائی "خدا معلوم اس خبر کو کس دل سے سین گئے، کہ جتنی دیر تک ان کا ذکر خیر رہا، اس سے کہیں زیادہ دیر تک "چھوٹے بھائی" اور ان کے اخبار رہمدر کا رہا!

کیمپ میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہو، جمعہ کی نماز اسی میں پڑھی، عرب کی سرزمین پر یہ پہلی نماز اور پہلا جمعہ منسب ہوا، اسہ پہر تک کیمپ کے "بازار" میں سناٹا تھا، یعنی بجز خشک روٹی اور چائے کے کوئی شے نہیں ملتی تھی، شام سے کچھ قبل کچا گوشت فروخت ہونے لگا، جو قیمت میں خاصا گراں تھا، اور جسے پکا نا صرف بھین گوں کے لئے ممکن تھا، جو پکانے کا پورا سامان اپنے ہمراہ لیکر جہاز سے اترے تھے، کیمپ کے ایک گوشہ میں پانچ یا چھ پاخانے بنے ہوئے ہیں، صبح کے وقت



بد تہذیبی بھی ان کے ساتھ بے تکلف روادار کھی جاتی ہیں، چنانچہ ہمارے قافلہ کی جتنی عورتیں غسل خانہ سے نکلیں، سب نہایت برہم و نالان، گویا روتی ہوئی نکلیں، وہ تو کہنے لگے کہ حج بیت اللہ کا شوق ہر مومن اور ہر مومنہ کو کچھ ایسا مست رکھتا ہے کہ اس مقصد کے آگے اپنی کسی تکلیف و توہین کی پروا ہی نہیں رہتی، ورنہ اگر کوئی دوسرا موقع ہو، تو ہمارے ہاں کی بے زبان عورتیں بھی اس بڑاؤ پر اتنی بے زبان اور اس قدر بے دست و پائانت نہ ہوں! — سنا ہے کہ اسمبلی کے بعض مسلمان ممبروں کی تحریک پر حج کمیٹی، حاجیوں کی مشکلات کے رفع و انسداد کے لئے قائم ہوئی ہے، امید ہے کہ اس کمیٹی کے سامنے حاجی صاحبان کامران سے متعلق اپنے ذاتی تجربات تفصیل سے بیان کریں گے، اور اسکی لغویتوں کے مٹانے میں جدوجہد کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے،

لیکن کسی تکلیف اور کمان کی مصیبت ایک اہل دل مدت ہوئی ہندوستان سے سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، بیٹی اور کامران دونوں جگہ قرظینہ کی بلا میں مشغول ہیں اور وہ بزرگ باوجود اس کے کہ ریاضات و مجاہدات کے خوگر تھے، تاہم انھیں کٹنا کہ یہ قرظینہ حاجیوں کیلئے سخت قید خانے ہیں جب لوگوں نے یہاں کی دقتیں زیادہ بیان کرنا شروع کیں، تو انھوں نے فرمایا کہ میان سفر حج سے ملکوں کا سیر و تماشہ

لے سارے کے آخر میں حج کی تھکتائی کمیٹی کے سامنے موزع حاجیوں نے اپنی اپنی سائنس اور قرظینہ کمران کی شدید و پرزور مخالفت کا اس متحدہ مدلل احتجاج کا نتیجہ اس قدر توہیر حال ظاہر ہوا کہ سارے قرظینہ کے ہر حجازے لے لے یہاں کا قرظینہ لازمی نہیں رہا، بلکہ صرف حسب ضرورت رکھ دیا گیا، میرزا بنگ صاحب (انبالہ) کی کوششیں اس باب میں خاص شکر یہ کی جاتی ہیں،

کی جوگت اس وقت بنی ہوتی ہے، اور اس کا تصور کیجئے! اور اپنی شفیق و مہربان  
 ”سرکار“ کو دل سے دعائیں دیجئے! پانچ پانچ دس دس منٹ اس تلاشی میں  
 لگاتے ہیں، اور اس کے بعد اگر سب کپڑے، بغیر کھوئے ہوئے مل بھی گئے، تو انہیں  
 بھیکے ہوئے کپڑوں کو بھیکے ہوئے جسم پر پہنکر، ہوا اور دھوپ میں حاجیوں کو  
 اپنے اپنے خس پوش بار کون میں جانا پڑتا ہے، جو قریب سے قریب بھی نصف فلا  
 کے فاصلہ پر ہیں، ورنہ عموماً ایک ایک فرلانگ پر! قرطبیہ جہاں کہیں بیماری  
 بھگانے کے لئے ہوتا ہوگا، ہوتا ہوگا، کامران میں حاجیوں کے لئے تو قینا بیماری  
 بھگانے کی نہیں بیماری بلانے کی پوری کوشش ہوتی ہے، اور یہ سکر ذرا بھی  
 حیرت نہ کیجئے، کہ یہ کوشش عموماً کامیاب رہتی ہے! چنانچہ ہمارے جہاز کے حاجی  
 دو چار نہیں، خدا معلوم کتنے کامران سے واپس آتے ہی بیمار پڑے ایک صبا  
 کو دمہ کا دورہ پڑ گیا، لکھنؤ کی ایک صاحبہ کو اتنا شدید بخار چڑھا، کہ ان کی جان  
 ہی لیکر اتر آ، اور نزلہ، زکام، و حرارت سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو!

یہ جو کچھ کیفیت بیان ہوئی، مردانہ غلخانہ کی تھی، جو پھر بھی غنیمت ہے، اصلی  
 یہودی زنانہ غلخانہ کے لئے اٹھ رہتی ہے، یہاں نہلانے والیاں شاید خاص  
 طور پر اپنی مہیب صورتوں اور مہیب ترسیرتوں کی بنا پر انتخاب کر کے رکھی گئی  
 ہیں، ان کے ہاتھوں شریعت و حیا دار خاتونوں پر جو کچھ گذرتی ہے، اسکا تذکرہ  
 اخبارات کے صفحات پر لانا آسان نہیں، نہلاتے وقت یہی نہیں کہ انکے جذبات  
 حیا و شرافت کی مطلق کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ ہر قسم کی سختی، درستی، اور

حقیر اور کسی بے حقیقت چیز میں اہل جلال! جس سمندر کو دیکھتے دیکھتے اٹھیں تھکی جاتی ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ اب کبھی ختم نہ ہو گا وہ دینا کے پانچ بڑے سمندر دن میں سے صرف ایک سمندر ہے اور ان پانچوں میں بھی سب بڑا نہیں بلکہ دوسرے چھوٹا ہے! پھر ظاہر ہے کہ وہ بھی پورے کا پورا بے یک وقت پیش نظر نہیں بلکہ اسکا ایک مختصر جزو آنکھوں کے سامنے ہے! اللہ اکبر! جب جزو اور ادنیٰ جزو میں یہ ہیبت رکھ دی گئی ہے تو کل کے مشاہدہ سے کیا کیفیت طاری ہوتی ہوگی! آج یہ مہیب اور لائق ووق سمندر اور کرہ ارض کے سارے معلوم سمندر یا جوج کے قطعہ میں ہیں وہ جیسے چلبے! اس میں جہاز اور کشتی چلانے کی اجازت دے اور جب اوپر جس کو چاہے اللہ کی کاریگری کے اس نادر نمونہ سے فائدہ اٹھانے سے روک دے خلق خدا کی ہوتی ہو لیکن سمندر اور سمندر دن کے بندر گاہ جہاز اور ان کے پھر پھر محکمہ بحری (ایڈمرالٹی) اور خداوندان بحر (SEDLORDS) تارپیڈ و نوڈرینڈ ناٹا کرڈر اور ڈسٹر آر، آج ہانکے پکارے کہہ رہے ہیں کہ "امراور حکم" (نمود باشد) یا جوج کا ہے۔۔۔۔۔ پھر اگر ایسے حال میں آپ کسی سچے کا قول سنتے ہیں کہ یا جوج و یا جوج سمندر کا پانی پی جائیں گے تو آپ اس شینگولی کے پورے ہونے کے لئے کسی زمانہ مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے ہیں!

قُلْ لَوْ كَانِ الْجَهْمُ مِثْلَ مَا أَتَى لَمَقْدَّ الْجَهْمِ قَبْلُ أَنْ تَقْدَّ كَلِمَاتِ  
رَبِّهِ وَلَوْ حُتْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا وَلَمْ نَكُنْ نَعْلَمُ بِهِ كَيْفَ هُوَ  
هُوَ هَبْ هَبْ! اگر مارا سمندر و دشمنی بجائے اور اسی جیسا ایک اور سمندر بھی درویشی

اپنی اس خوش نصیبی پر ناز ان کہ کسی کی کشش کس کو کہاں سے کہاں لئے جا رہی ہو  
 اور ابھی اس خوف سے لرزان کہ اپنی محرومیوں اور شور و خجیتوں سے دیکھئے اب بھی  
 نجات ملتی ہے، یا نہیں! ابوبہل اور ابوالعباس آخر عمر ہر اسی بیت اللہ کے جو آئین  
 رہے، پھر انھیں تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، مدینہ کے منافق روزانہ دیدار رسولؐ  
 سے مشرف ہوتے رہے، پھر ان کے دلوں کے پتھر تو نہ پیسے! — لیکن یہ  
 کیا دہم آرائی و پریشان خیالی ہو، وہ کریم جو اپنے گھر مہمان بارہا کر گیا اپنے  
 در کے گدا گروں کی بھولی مین بھیک بھی نہ ڈالے گا؟ اسکی رحمت کی فراوانی  
 اور کرم کی ارزانی نہ حق کو دیکھتی ہو نہ استحقاق کو، اسے تو محض عطا و بخشش  
 نواز نے اور سرافراز کرنے سے سروکار ہی اور بس!

گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں، دن دو دن بھی نہیں، پورا ایک ہفتہ ہو گیا اور شہر کی  
 کاکسین نشان نہیں! جنگل کے درندے نہ سہی، باغ و صحرا کے چرندے نہ سہی  
 ہوا کے پرندے تک نہیں! ادھر پانی، ادھر پانی، آگے پیچھے، داہنے، بائیں ہر  
 سمت پانی ہی پانی! اوپر نیلا آسمان، نیچے نیلا سمندر، زمین کی بے باطنی اس  
 جاگر محسوس ہوئی! خشکی کے بڑے بڑے شہر اور صوبے، آبادیاں، اور بستیوں  
 جنگل اور پہاڑیاں، ٹرکین اور ریل کی پٹریاں، ریگ کے توڑے، اور  
 پہاڑوں کی چوٹیاں، جنگی وسعت اور کثرت، عظمت و ہیبت، اب تک دماغوں  
 میں رہی، اور آنکھوں میں بس ہوئی تھی، اب معلوم ہوا کہ خالق کے بحر قدرت  
 کے سامنے نہیں، بلکہ اپنی ہی جیسی، ایک دوسری مخلوق کے سامنے رکتی

# باب

## سمندر کا مہراں

۲۹ مارچ، ساحل ممبئی سے جہاز ایسے شب کو چھوڑا تھا، رات تو خیر چل  
تو نہ کٹ گئی صبح اٹھ کر دیکھا، تو ہر طرف عالم آب، جہاں تک بھی نظر کام کرتی  
ہے ایخڑ پانی کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا، اپنی عمر میں یہ منظر کبھی کاہے کو دیکھا تھا  
بڑے سے بڑے دریا جو اب تک دیکھے تھے، وہ بمبلا سمندر کے مقابلہ میں کیا حیثیت  
رکھتے ہیں! صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے پھر صبح، نہ کہیں جہاز رکتا ہے  
نہ کوئی اسٹیشن آتا ہے، ہر وقت ایک ہی فضا، ایک ہی منظر قائم، دن  
طلوع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں، راتیں آتی ہیں اور گذرتی جاتی ہیں نہ کوئی  
خط نہ کوئی تار، نہ اخبارات نہ ڈاک کے اہلکار، نہ کسی عزیز کی خبر نہ دوست کی  
نہ اپنوں کا حال معلوم نہ بیگانوں کا اپنا مٹی کا گھر وندا ہے، کہ ہر لمحہ سچے چھوٹتا  
جا رہا ہے، پر وہ گھر جسے لامکان کے کہیں نے اپنا گھر کہہ کر بچا رہا ہے، ہر آن نزدیک  
سے نزدیک تر ہوتا جا رہا ہے، زمین چھوٹ گئی، لیکن آسمان نہیں چھوٹا، اُدھر  
جہاز ہوا اور پانی سے ہیکو لے کھا رہا ہے، اُدھر دل کی کشتی ہے، کہ یاس و امید  
کی کشمکش میں ابھی ڈوبی اور ابھی ابھری (خدا نہ کرے کہ کبھی بھی ڈوبے!) دل بھی

تعلیم یافتہ ہیں، آسودہ حال ہیں، اور دنیوی وجاہت و منصب رکھتے ہیں، باقی  
 عموماً بچائے ایسے ہیں، جو بوڑھے ہیں، مگر زور و بیار ہیں، غریب ہیں، لکھنے پڑھنے سے  
 معذور ہیں، اجاہ و منصب سے محروم ہیں، گناہ ہیں، اور خود دنیا کو ترک نہیں کر سکتے  
 ہیں، بلکہ دنیا بخین ترک کر رہی ہے، کیا حج بیت اللہ بخین بیچاروں کے لئے  
 فرض رکھا گیا ہے؟ اور وہ جو اونچی اونچی کوٹھیلوں میں رہتے ہیں، جو سچے سچائے بنگلو  
 میں بستے ہیں، جو نفیس نفیس موٹروں پر سوار پھرتے رہتے ہیں، جنکے بڑے بڑے  
 کھاتے بینکوں میں کھلے ہوئے ہیں، جو دو دو ہزار اور چار چار ہزار ہزار کی تنخواز  
 رکھتے ہیں، جو بڑے بڑے تعلقوں اور زمیندار یوں کے مالک ہیں، جو یورپ اور  
 ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہیں، جو نامور پروفیسر ہیں،  
 جو مشہور ڈاکٹر ہیں، جو نامی انجینیر ہیں، جو کامیاب ایڈیٹر ہیں، جو خان بہادر ہیں،  
 جو سی، آئی، اے، امی ہیں، جو نواب اور نواب زادے ہیں، جو کونسلوں کے ممبر ہیں،  
 جو تھیٹر اور سینما، اور ناچ اور ہر فرنگی "آرٹ" کے شیدائی ہیں، جو اپنی اولاد کو  
 لندن اور پیرس، برلن اور ویانا، آکسفورڈ اور کیمبرج بھیجتے رہتے ہیں۔  
 شاید ان سبے فریضہ حج ساقط ہو گیا ہو!

اور ناشتہ کی ہلکی غذا زمین گردن میں بار بار استعمال میں آتی رہیں، تو انشاء اللہ جہاز کی بیماری سے نجات دہیگی، ایک اور ضروری شے تازہ ہوا ہے، تھوڑا کلاس واسطے بیمار کے ایک بڑی حد تک اس نعمت سے محروم رہتے ہیں، تاہم جس حد تک بھی ممکن ہو اس کی طرف انہیں سبقت کرتے رہنا چاہئے، میرا ذاتی تجربہ ایک یہ بھی ہے کہ نگاہ کو حتی الامکان اگر جہاز کے کناروں پر نہ جھنپ دیا جائے، بلکہ سمندر کے دور سے دور کناروں پر جایا جائے تو ہمیں سر کے پکڑے بہت حافیت رہتی ہو۔

گوری حکومت میں گوری قوم کا ہر ہر فرد اپنے کو حاکم سمجھتا ہے اور کوئی گورا کہیں اور کس مرتبہ پر بھی ہو، ماتحت نہیں، حاکم اور خادم نہیں، آقا بنکر رہتا ہے، عیالوں کے جہاز اس کیلئے سے منشی نہیں ہوتے، اظہار ہے کہ یہ کیپٹان عاجیوں کے روپیہ سے زندہ ہیں اور انکا مقصد وجود عاجیوں کی خدمت ہے، تاہم جہاز کے جتنے بڑے عمدہ دار تھے، اب فرنگی ہی تھے، کپتان انگریز چیف، آفسر انگریز، سکنڈ آفسر انگریز، انجینئر انگریز، میکانک انگریز، دایریس نیر آپریٹر انگریز، جو نیر آپریٹر انگریز وغیرہ وغیرہ اور غیر مسلم تو چھوٹے بڑے تقریباً سب ہی عمدہ دار تھے، اور اب کا برٹاؤ عاجیوں کے ساتھ وہی تھا، جو گورون کا، کانوں کے ساتھ اور صاحب کا، تینٹو کے ساتھ ہر جگہ رہا کرتا ہے، تاہم یہ شاید عاجیوں کی طویل صحبت کی برکت تھی، یا کی، کہ برٹاؤ فی الجملہ نرم و مہذب تھا، اور سختیان نسبتاً کم تھیں، جہاز کا سب سے بڑا آفسر کمانڈر یا کپتان کہلاتا ہے، فرنگیوں سے بات کرنے کو اب مدت سے ہی نہیں چاہتا، تاہم اس جہاز کا کپتان پی ایچ وارڈ ایک اینکدل و بادہ مزاج انگریز ہے، جو عاجیوں سے ہمدردی بھی خاص رکھتا ہے،

ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کی حالتیں خراب ہو ہو جاتی ہیں، ہم لوگوں نے اکی  
پیش بندی میں کا غذائی لیون بہت سے ساتھ رکھ لئے تھے لیون کے ساتھ  
املیان تھیں، ہلکے ترش میوے اکثر متلی اور دوران سفر میں مفید ثابت ہوئے تھے  
بعض لوگوں نے ایک پیٹنٹ دوا (MOTHER SEIGATS ANTI SEA-SICKNESS) کے قرص بھی جو خاصے گران ملتے ہیں، بیسی سے خرید کر ہمراہ لے لئے  
تھے، لیکن مجد اللہ ان چیزوں کے استعمال کی ضرورت اکثر ان کو مطلق نہیں پیش آئی  
اس کی ایک خاص وجہ ماہرین سفر دریائی نے یہ بیان کی کہ موسم خشک و خوشگوار تھا  
اور سمندر میں تلاطم بالکل نہ تھا، مارچ اور اپریل کا مینہ سفر بحری کے لئے خاص  
طور پر موزوں ہیں، سمندر اس زمانے میں خاموش و پرسکون رہتا ہے، البتہ برسات  
کے موسم میں خصوصاً اس کے آغاز میں اور اس کے اختتام پر سمندر میں شدید تلاطم  
برپا رہتا ہے، اور طاقور موجیں ہولناک حد تک بلند ہو ہو کر جہاز سے ٹکراتی  
رہتی ہیں، ان سے جہاز ہنڈولے کی طرح ڈانوا ڈول ہونے لگتا ہے، یعنی دائیں  
اور بائیں پہلوؤں پر جھکے اور اٹھنے لگتا ہے، اسی سے آلات مضہم میں ہیجان پیدا  
ہو جاتا ہے، اور انسان دورانِ سفر اور متلی میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمارا جہاز تقریباً  
بالکل محفوظ رہا، اور بحرِ معدودے چند اشخاص کے اور کسی کو قابلِ ذکر شکایت  
نہیں پیدا ہوئی، ایک بات تجربہ سے یہ معلوم ہوئی، کہ پر خوری اور غلو جی معدہ  
دونوں اس حالت میں مضر ہیں، اور ایک طرف اگر ثقیل، دیر مضہم غذاؤں سے  
بچنے کی ضرورت ہے، تو دوسری طرف بالکل بھوکے رہنے سے بھی، بجائے اسکے  
کہ ایک یا دو بار کھانا خوب شکم سیر ہو کر کھالیا جائے یا محض فاقہ کیا جائے، چاہے



بھی مع اپنی پارٹی کے کسبئی سے ہمراہ ہو گئے تھے، بہار ہی کے ایک منیفٹ بنظر الدین صاحب بھی مع اپنے صاحبزادہ منیر الدین صاحب کے جو اپنے صوبہ کی خلافت کیٹی کے ایک پر جوش کارکن معلوم ہوتے ہیں، جہاز پر ملے اور تھوڑی ہی دیر میں ہم لوگوں سے مکمل مل گئے، مولوی مین الحق صاحب پشترج عدالت خفیہ جو ایک زمانہ میں بہار ہی تھے، اگر اب لکھنؤ ہو گئے ہیں، والد ماجد مرحوم کے لئے والوں میں ہیں اور دوج اس کے قبل کر چکے ہیں، ابکی اپنے تیسرے جج میں اسی جہاز پر ہیں، اٹھینز دیکھ کر قدرتِ خدا نظر آتی ہے، لباس اس درجہ سادہ! مزاج اس درجہ قانع! یقین ہی نہیں آتا کہ یہ بی بی، بی بی، ال ہیں، اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہ چکے ہیں، آغازِ پور کے گریجویٹ وکیل مولوی رفیع اللہ صاحب بھی اسی قیل کے انسان نظر آئے، ان کی شب بیداری، انکی سادگی، اور انکے ذوقِ عبادت پر بار بار رشک آتا ہے، سب سے زیادہ دلچسپ ہستی ہمارے وطن کے چودھری محمد علی (چچروم) قلعہ دارِ روولی کی ہے، جو لوگ اس ہنسنے والے اور ہنسانے والے زندہ دل رئیس سے واقف ہیں، وہ خدا معلوم ان کے سفرِ حج کی خبر کو باور کیونکر کریں گے! لیکن کریم کی کریمی میں کسی کا کیا اجارہ ہے، وہ جیسے چاہے دم بھر میں نوازے! ہندوستان کی شیعہ جماعت کے شاید وہی تنہا نمایندہ ہیں، جو اس جہاز پر مع اپنی سنی اور دیندار زوجہ محترمہ کنج بیت اللہ کے ملے چل رہے ہیں، ان سب رشتیوں اور حلیوں نے مل جل کر سفر میں وطن کی شان پیدا کر دی تھی،

سنتے تھے کہ جہاز میں مثلی کی شکایت عام رہتی ہے، اور اکثر دن کو مکر آتے رہتے

اے خدا از فضل تو حاجت روا  
باتو یادِ پیچس نمود روا،  
تلخ تر از فرقت تو، یسج نیست  
بے پناہست غیرِ پیچ نیست  
دست ما چون پائے مارانی خورد  
بے امان تو کسے جان کے برد

ہر سفر کی خوشگوار می و ناخوشگوار می میں خاصہ دخل سفر کے رفیقوں کو ہوتا ہے،  
رفیق اگر ہم مذاق ہیں، تو ہر سفر خوشگوار بن سکتا ہے، اور اگر رفیق نا جنس ہے، تو غصہ  
بھی اسی درجہ کی ہوتی ہے، جہاز کے سفر میں، جہات ساری بیرونی دنیا سے بے تعلقی  
ہو جاتی ہے، اور ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہفتے یہ بے تعلقی قائم رہتی ہے، رفیقوں کا سوال  
اور زائد اہم ہو جاتا ہے، ہمارے قافلہ کے جو اصلی اجزاء تھے، انکا ذکر اوپر آچکا،  
مولوی عبد الباری صاحب ندوی کے والد ماجد حکیم عبد الخالق صاحب کی  
زفاقت بہت مفید ثابت ہوئی، وہ محض ایک عبادت گزار و درویش صفت  
بزرگ ہی نہیں، بلکہ تجربہ کار طبیب بھی ہیں، اور اپنے ہمراہ مجربات کا ایک پورا  
بکس لے گئے تھے، راستے میں تھوڑا بہت بیمار پڑنا ناگزیر تھا، سارے قافلہ کو  
کم و بیش حکیم صاحب اور انکے مجربات کی ضرورت پڑی، اور سب کے دلون سے ان کے  
حق میں دعائے خیر نکلی، مولانا مناظر حسن صاحب کا درود گداز، علم و فضل، ذوق  
و جوش ہر موقع پر ایک نئے رنگ میں نمایاں ہوتا رہا، اور انکی ایمان پر و تقریریں  
اور نظمیں خدا معلوم کتنے دلون کو گرماتی، اور کتنے ایمانوں کو تازہ کرتی رہیں، انکے  
عزیز مولوی شاہ لطف اللہ مونگیری (خلف مولانا شاہ محمد علی مونگیری قدس سرہ)  
اے افسوس ہے کہ اس سفر نامہ کی ترتیب کے وقت تک حکیم صاحب کا انتقال ہو چکا،

ٹیک ۱۱ ایسے شب کو ہزار میں حرکت ہوئی اور اس نے آہستہ آہستہ سائل  
 کو چھوڑنا شروع کیا، لیجئے دیکھتے ہی دیکھتے، قرب و جوار کی ساری عمارتیں نظر دن  
 سے پوشیدہ ہو گئیں، اور صرف انکی روشنیان باقی رہ گئیں، اللہ اللہ! کیا وقت ہے!  
 کیا سامان ہے! ہزار میں حرکت تو خیر جیسی کچھ بھی ہو، اپنے دل کی حرکت کا کیا حال  
 ہے؟ وطن ہر لمحہ دور ہوتا جا رہا ہے، وطن کی دیکھ بھال ساری کی ساری پیچھے چھوٹی  
 جاتی ہیں، بیوی بیٹک ساتھ ہیں، لیکن پیمان دین ہیں، والد ماجدہ دین ہیں،  
 بھائی دین ہیں، بہن دین ہیں، سارے اعزاء اور دوست دین ہیں، ساتھ کے  
 کام کرنے والے دین ہیں، لیکن مجد اللہ دل میں اس وقت ان میں سے کسی کی فکر  
 نہیں، فکر انکی نہیں، جو پیچھے چھوٹ رہے ہیں، فکر ہے تو انکی جو آگے ملنے والے  
 ہیں! دوستو! اور عزیزو! خدا حافظ! خاک وطن کے ذرو، خدا حافظ! سب کو اسی  
 مالک و مولا کے سپرد کیا، سب کو اسی کریم و حیم کی حفاظت میں دیا، جس کے در پر  
 جبین سائی کو یہ تنگ وطن و تنگ خاندان اس وقت روانہ ہو رہا ہے، اُس کی  
 خطائیں معاف کرو، اُس کے قصور دن سے درگزر، اُسکی بیودگیوں پر خاک ڈالو  
 اللہ تمھارے صیون پر پردہ ڈالے گا، اللہ تمھارے مرتبے بلند کرے گا، اللہ تمھاری خطاؤں  
 کو معاف کرے گا، البیک اللہم لیلت، اللہم ایلت توجہت و علیلت تو کلت  
 و جہت اسرت فاجعل ذنبی مغفوراً و حجی میروراً و ارحم فی ولا تقبیحی  
 واقض بعرفات حاجاتی انک علی کل شیء قدير

خواجه حافظ نے مدت ہوئی فرمایا تھا،

اللہ اس ہونہار نوجوان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، اور اسے پختہ دیندار مسلمان بنادے، انجمن خدام الہی کے کارکن بڑی محنت اور سیر حشی کے ساتھ حایوں کو برف و شربت سے سیراب کرتے ہوئے دکھائی دیئے، کاش سرکار دولتمدار کے محکمہ محافظ حجاج میں اتنی ہی ہمدردی و انسانیت ہوتی! لگھنؤ کے انتظار کے بعد بھپارہ خانہ میں ہم لوگوں کی بھی ڈاکٹری ہوئی، یعنی پر اسے نام ہماری نیشنل پر ہاتھ رکھ کر، دو سکند میں اس سوانگ کو ختم کر دیا گیا، اور عصر کے آخر وقت تک سب کے سب حاجی جہاز پر سوار ہو گئے، مجموعی تعداد قریب پندرہ سو کے پہنچی، اس وقت سے لیکر شب کے گیارہ بجے تک جو جہاز کے چھوٹے کا وقت تھا، انسانوں کے اتنے بڑے مجمع کو حسین بوڑھے اور بچے ہند رست اور بیمار، توانا اور مگر دور سبھی تھے، حجاج بشری سے بالکل پاک اور منظرہ فرض کر لیا گیا، گویا جہاز کا عرشہ جنت کا صحن تھا، جہاں کسی کو قضاے حاجت کی ضرورت نہ پیش آئیگی، جہاز میں پیشاب اور پاخانے کی جگہیں مستعد رہی ہوئی تھیں، لیکن اس وقت سب کی سب مقفل تھیں، اور جب تک جہاز چھوٹ نہ لیا، بدستور مقفل رہیں! تاکہ جہاز جب تک گودی (ڈاک) میں لگا رہتا ہے، اس اندیشہ سے کہ کہیں ساحل سمندر گزری و غلاظت سے لبریز نہ ہو جائے، برابر اسی طرح جہازوں کے پاخانے مقفل رہا کرتے ہیں، ۳۱ بجے بھپارہ کا وقت مقرر تھا، بہت سے غریب حاجی بیچے اپنے اپنے ٹھکانوں سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت سے لیکر ۱۱ بجے تک، یعنی پورے ۹ گھنٹے کی مدت میں کمزور، مٹانہ والے حایوں پر کیا گزری، کیا اس کی تصریح کی ضرورت ہے؟

اپنے مشاہدات کو ہر زبان میں حوالہ دے کر حال سرحد  
 کہ ہر سال مشاہدات رضی کا کتنا بڑا ذخیرہ ہے  
 اس عہد سے جب سے خدائے اس دادیہ ہے  
 عالم کے تکتہ میں اپنا یہ سب سے پہلا گھر بنایا اور اپنے سب سے چھ  
 ذہنی باقی آئینہ تمام دنیا کے عشاق کے نام پر پیام بھیجا کہ سال میں ایک دفعہ ان کی گلیاں  
 ان چار زبان ان کے ہجوم و ازدحام کا روز بازار بنیں، خدا جانے حسن ازل کے کتنے  
 انی، یہاں آئے اور چلے گئے، اور محبوب نا دیدہ کے کتنے طلب گار اس کو ڈھونڈ  
 آئے اور واپس پھرے، ہر ایک کہ یہاں جو کچھ نظر آیا اس نے چاہا کہ وہ دوسروں کو بھی  
 دکھائے اور جو اس پر گزری ہو وہ دوسروں کو بھی سنائے، طور کا جلوہ دینا  
 بعد ہی دفعہ دیکھا ہو، تاہم اسکی داستان حسن و عشق اب تک دہرائی جا رہی ہے اور ہمیشہ  
 رہے گی، اگر یہاں تو یہ جلوہ ہر سال نظر آتا ہے، پھر اگر اس کی داستان ہر ملک ہر زبان  
 شاہ قیام ادا میں سال بسال دہرائی جاتی ہے تو تعجب انگیز کیا ہو؟  
 نے اسے دینا کے ہر علم و فن کو حاصل کیا، مگر جس کو مل گیا اپنے دین و  
 دنیا سے حاصل کیا انکا نقطہ نظر ہر علم و فن کی خدمت میں کتاب الہی ہی کی  
 سفر نامہ غنیمت کے حکم کی تعمیل رہی، مسلمانوں نے مغز افیم کے فن کو سجد و سحر دی









سلسلہ تصفیہ

# سفر حجاز

حج و زیارت مفصل و مکمل ہدایہ نامہ

از

عبدالمجید

مصنف "تصوف اسلام" و مرتب "ملفوظات مولانا روم"

و ایڈیٹر سچ (لکھنؤ)

○

۱-۱ مولوی مسعود علی ندوی

پریس عظیم گٹ

